موت کے بعد حیات اور سلام و کلام سننے اور توسل و استمداد کا بیان

جلاء الصدور

مولانا علامہ محمد اشرف سیالوی مدظلہ

موت کے بعد حیات اور سلام و کلام کے سننے
اور توسل و استمداد کا بیان

جلاالصُّدور

فی

سماع اہل القبور

عُمدۃ الاذکیا مولانا علامہ مُحمّد اشرف سیالوی مدظلہ

مکتبہ فریدیہ
سلانوالی (سرگودھا)

سلسلۂ اشاعت ۱

کتاب : جلاء الصّدور فی سماع اہل القبور

تالیف : ابو الحسنات محمد اشرف سیالوی مدظلہٗ العالی

طباعت بارِ اوّل : ایک ہزار

صفحات : ۴۷۲

قیمت : ۲۷/- روپے

تاریخ اشاعت : جمادی الاخریٰ ۱۳۹۸ھ

ناشر : ۱۔ مکتبہ فریدیہ سلانوالی (سرگودھا)، ۲۔ مولانا محمد عبداللہ سیالکوی سیلانوالی (سرگودھا)

کتابت : محمد عاشق حسین ہاشمی۔ لاہور

ملنے کا پتہ

۱۔ مکتبہ فریدیہ سلانوالی (سرگودھا)

۳۔ مکتبہ حامدیہ
۴۔ مکتبہ المعارف
۵۔ مکتبہ نبویہ
۶۔ شرکتِ حنفیہ
} گنج بخش روڈ لاہور

۲۔ مکتبہ قادریہ، جامعہ نظامیہ لوہاری دروازہ لاہور

۷۔ مکتبہ اشرفیہ رضائے حبیب چوک مریدکے (شیخوپورہ)

۸۔ مکتبہ نوریہ رضویہ۔ وکٹوریہ مارکیٹ سکھر

۹۔ سُنّی رضوی کتب خانہ نزد آستانہ عالیہ حضرتِ محدّثِ اعظم پاکستان جھنگ بازار لائلپور

۱۰۔ رضوی کتب خانہ، نزد جلال الدین ڈسپنسری، سرکلر روڈ۔ لاہور

۱۱۔ مکتبہ دار العلوم ضیاء شمس الاسلام سیال شریف (سرگودھا)

تجارت پرنٹرز ۴۳ رٹیگن روڈ لاہور

فہرست مضامین وعنوانات

الانتساب

بندہ اپنی اس حقیر سعی و کوشش اور جد و جہد کو جامع المعقول والمنقول شمس فلک التحقیق والتدقیق مرجع العلماء والفضلاء فخر الاماثل والاماجد عطاء جزیل من عطایا النبی الکریم محمد اللہ والخلق اجمعین اعنی الحافظ الحاج مولانا عطا محمد صاحب نزیل بندیال دارالعلوم مظہریہ امدادیہ کی بارگاہ والاجاہ میں بطور ہدیۂ نیاز و نذرانۂ عقیدت پیش کرتا ہے جن کے فیوض و برکات سے دنیائے تدریس اور عالم تحقیق و تدقیق میں نبض حیات تپش آمادہ ہے

سوئے دریا تحفہ آوردم صدف
گر قبول افتد زہے عز و شرف

احقر محمد اشرف سیالوی عفی عنہٗ

حرفِ آغاز

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ

حضرت شیخ المحدثین شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے زمانہ (گیارھویں صدی کے آغاز اور دسویں کے آخر) میں ہندوستان کے اندر ایک ایسا گروہ پیدا ہوا جس نے دارِ فنا سے دارِ بقا کی طرف منتقل ہونے والے مقربانِ بارگاہِ خداوندی سے استمداد و استعانت کو شرک و بُت پرستی قرار دیا اور ان مقدس ہستیوں کو اصنام و اوثان اور متوسلین و سائلین کو بُت پرست کے لقب سے نوازا۔

حضرت شیخ اجل نے ان کے باطل نظریات کا ردّ و ابطال بڑی بسط سے کرکے آخر میں فرمایا: کلام دریں مقام بحد اطناب و تطویل کشید برغم منکراں کہ در قرب ایں زماں فرقہ پیدا شدہ اند کہ منکر اند استمداد و استعانت را از اولیاء خدا کہ نقل کردہ شدہ اند از دارِ فانی بدار بقا و زندہ اند نزد پروردگار خود و مرزوق اند و خوشحال اند و مردم را از اں شعور نیست و متوجہاں بجناب ایشاں را مشرک بخدا و عبدۃ اصنام می دانند و میگویند آنچہ میگویند۔ اشعۃ اللمعات جلد سوم صـ ۴۰۲

خلاصہ ترجمہ: اشعۃ اللمعات مشکوٰۃ شریف کا ترجمہ ہے جس میں اطناب و تطویل کی گنجائش نہیں، لیکن اس مقام میں (اثبات سماع اور اثبات استمداد و جواب تمسکات منکرین کی وجہ سے) کلام کافی طویل ہوگیا ان منکرین کی ترغیم و تذلیل کے لئے جو ایک قلیل ترین گروہ کی صورت میں رونما ہوئے ہیں اور ان اولیاء اللہ اور محبوبانِ خداوندی سے استمداد و استعانت کے منکر ہیں جو دارِ فنا سے دارِ بقا کی طرف منتقل ہوچکے ہیں۔ اپنے پروردگار کے ہاں زندہ

ہیں، رزق دیئے جاتے ہیں اور خوشحال ہیں۔ اگرچہ لوگوں کو ان امور کا احساس و شعور نہیں ہے اور ان مقدس ہستیوں کی طرف متوجہ ہونے والوں اور ان کی بارگاہ میں حاضری دینے والوں کو مشرک بخدا اور بُت پرست سمجھتے ہیں اور اور ایسی ایسی باتیں کرتے ہیں جس کے بیان سے زبان قلم عاجز و قاصر ہے۔

اس کے بعد نجد عرب میں تیرھویں صدی کے آغاز میں محمد بن عبدالوہاب نجدی ظاہر ہوا اور اس نے بھی یہی طوفان بدتمیزی برپا کیا، حتّٰی کہ اہل حرمین اہل السنت پر قیامت ڈھائی، ان کو قتل کیا۔ ان کی بیویوں کو اور مال و متاع کو حلال جانا اور اس سے بھی بدتر سلوک کیا جس کا کوئی مشرک و کافر مستحق ہوسکتا تھا (مولانا حسین احمد مدنی کی زبانی شہاب ثاقب کے حوالہ سے اس کے مظالم کی کچھ داستان رسالہ کے آخر میں قارئین ملاحظہ فرمائیں گے)۔

بدقسمتی سے ہندوستان میں مولانا محمد اسماعیل دہلوی غیر مقلد نے نجدی نظریات و اعتقادات سے متاثر ہوکر "تقویۃ الایمان" کے نام سے ایک کتاب تصنیف کر ڈالی، جو شیخ نجدی کی کتاب "التوحید" کا تقریباً اُردو ترجمہ تھا (جیسا کہ سیف الجبار میں حضرت مولانا امام فضل رسول بدایونی نے اس پر تفصیلی بحث فرمائی ہے) اور اس کتاب کے منظرِ عام پر آتے ہی ہندوستان میں بہت بڑا فتنہ پیدا ہوگیا اور اہل السنت میں انتہائی غم و غصہ

مگر اس کو اہل السنت کی شومئ قسمت سمجھا جائیگا کہ دارالعلوم دیوبند کی مرکزی شخصیت مولانا رشید احمد سے دونوں صاحبوں یعنی محمد بن عبدالوہاب نجدی اور مولانا محمد اسماعیل دہلوی کو بڑی فراخدلانہ پذیرائی حاصل ہوتی۔ دونوں کے متعلق جناب کا ردِّ عمل فتاویٰ رشیدیہ سے ہدیۂ ناظرین ہے:

(۱) مولوی محمد اسماعیل صاحب عالم متقی بدعت کے اکھاڑنے والے اور سنت کے جاری کرنے والے اور قرآن و حدیث پر پورا پورا عمل کرنے والے اور خلق کو ہدایت کرنے والے تھے اور تمام عمر اسی حال میں رہے (تا) ایسے شخص کو مردود کہنا خود مردود ہونا ہے اور ایسے مقبول

کو کافر کہنا خود کافر ہونا ہے (تا)، بہرحال یہ لوگ مولوی اسماعیل کے طعن کرنے والے ملعون ہیں (تا)، اور کتاب "تقویۃ الایمان" نہایت عمدہ کتاب ہے اور وہ ردِ بدعت و شرک میں لاجواب ہے۔ استدلال اس کے بالکل کتاب اور احادیث سے ہیں اس کا رکھنا، پڑھنا اور عمل کرنا عین اسلام ہے اور موجب اجر کا ہے۔ اس کے رکھنے کو جو کفر کہتا ہے یا خود کافر ہے یا فاسق بدعتی ہے۔ اگر کوئی اپنے جہل سے اس کتاب کی خوبی کو نہ سمجھے تو اس کا قصور فہم ہے، مؤلف کتاب کا کیا قصور۔ بڑے بڑے عالم اہلِ حق اس کو پسند کرتے ہیں۔ اگر کسی گمراہ نے اس کو بُرا کہا تو وہ خود ضال و مضل ہے۔

(۲)، محمد بن عبد الوہاب کے مقتدیوں کو وہابی کہتے ہیں، ان کے عقائد عمدہ تھے اور مذہب ان کا حنبلی تھا (تا)، عقائد سب کے متحد ہیں۔ اعمال میں فرق حنفی، شافعی اور مالکی و حنبلی کا ہے۔
فتاویٰ رشیدیہ کامل صـ ۲۲۵

ان دونوں عبارتوں سے ناظرین نے اندازہ فرمالیا کہ مولانا رشید احمد صاحب کو ان دونوں سے کس قدر حسنِ ظن تھا اور ان کے مخالفین سے کس قدر عداوت و دشمنی۔ مناسب ہوگا کہ مولانا محمد اسماعیل صاحب کی اس کتاب سے بطور نمونہ مقبولانِ بارگاہِ خداوندی کے خداداد اختیارات اور قدرت تدبیر و تصرف کے متعلق کچھ عبارتیں ناظرین کی خدمت میں پیش کردی جائیں تاکہ اس ظالم مظلوم نما کی حقیقتِ حال واضح ہو جائے۔

(۱)، پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کافر بھی اسی بات کے قائل تھے کہ کوئی اللہ کے برابر نہیں اور کوئی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا، مگر اپنے بتوں کو اس کی جناب میں اپنا وکیل سمجھ کر مانتے تھے اسی سے کافر ہوگئے۔ سو اب بھی جو کوئی کسی مخلوق کو عالم میں تصرف ثابت کرے اور اپنا وکیل سمجھ کر اس کو مانے سو اب اس پر شرک ثابت ہو جاتا ہے گو کہ اللہ کے برابر نہ سمجھے اور اس کے مقابلہ کی طاقت اس کو نہ ثابت کرے۔ تقویۃ الایمان الفصل الثالث فی ذکر رد الاشراک فی التصرف صـ ۱۹

ملاحظہ فرمالیا آپ نے کہ بقول شیخ محقق یہ فرقہ اولیاء اللہ سے استمداد و استعانت کو شرک اور بُت پرستی اعتقاد کرتا ہے۔

نوٹ: خاندان ولی اللّٰہی کے چشم و چراغ اور خاتم المفسرین والمحدثین مولانا الشاہ عبد العزیز قدس سرہٗ العزیز کی زبانی استعانت کی بحث میں اہلِ اسلام کے اولیاء اللہ کو شفیع و وکیل ماننے اور بت پرستوں کے اوثان و اصنام کو وکیل ماننے کا فرق بیان کیا جائے گا جو انہوں نے ایک برہمن کے سوال کا جواب دیتے ہوئے ذکر فرمایا کہ ہمارے اور اولیاء اللہ کی قبور سے استعانت و استمداد کرنے والوں میں کوئی فرق نہیں، پھر وہ مومن ہم مشرک یہ کتنی بڑی زیادتی ہے۔

(۲)، جو ان کاموں کا مختار ہے، اس کا نام اللہ ہے محمد یا علی نہیں اور جس کا نام محمد یا علی ہے، وہ کسی چیز کا مختار نہیں۔ صـ ۲۸

مقصود یہاں اس تفصیل کا بیان نہیں، ورنہ کلام طویل ہو جائے گی۔ صرف بطور نمونہ دو عبارتیں درج کردی ہیں۔ "کوثر الخیرات لسید السادات" علیہ افضل الصلوات والتحیات میں چند عبارات درج کی گئی ہیں اور کچھ ان پر تبصرہ بھی کیا گیا ہے اور اس کتاب میں مندرجہ فاسد نظریات، غلط اعتقادات، گستاخانہ عبارات، اس کے زہریلے اثرات اور غلط نتائج پر مولانا نعیم الدین مرادآبادی نے "اطیب البیان" میں اور مولانا فضل رسول بدایونی نے "سیف الجبار" میں بڑی بسط سے بحث فرمائی ہے، وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ بہرحال علمائے دیوبند نے مولانا صاحب کی طرف سے مکمل دفاع کیا اور آج تک جاری ہے۔

البتہ محمد بن عبد الوہاب نجدی کا فتنہ جب لشکرِ اسلام کے غلبہ و فتح مندی سے دب گیا اور اہل السنت کو حرمین طیبین میں سکھ کا سانس لینے کا ایک دفعہ پھر موقع مل گیا تو وہاں کے علمائے اکابرین کے استفسار پر ایک عربی رسالہ تالیف ہوا اس میں البتہ اس کو علامہ شامی کی طرح خارجی واجب القتل وغیرہ قرار دیا گیا، مگر آج کل پھر اس کی پذیرائی شروع

ہے۔ ملاحظہ ہو شفاء السدور مترجم ص۱۰۱

واما ابن عابدین فقد کان خلافا لمحمد بن عبد الوہاب النجدی ولم یرہ و
انما قال ما قال فی شانہ کما سمع من افواہ الناس۔

ترجمہ: لیکن علامہ ابن عابدین شامی محمد بن عبدالوہاب کے خلاف تھا اور نہ اس کو
دیکھا۔ انہوں نے نجدی کے متعلق جو کچھ (خارجی، باغی وغیرہ) لکھا وُہ محض سُنی سنائی باتوں پر
مبنی ہے اور حقیقت کے خلاف۔

دوسری طرف پیرزادہ بہاؤ الحق قاسمی دیوبندی ایک پمفلٹ "نجدی تحریک پر ایک نظر" میں
فرماتے ہیں۔ مولانا رشید احمد صاحب نے شیخ نجدی کے حق میں جو توصیفی کلمات کہے ہیں،
وہ سنی سنائی باتوں پر مبنی تھے اور اصل مسلک ان کا وہ ہے جو "المہند" میں مندرج ہے
جس کو جناب سرفراز گکھڑوی صاحب علمائے دیوبند کی اجماعی کتاب قرار دیتے ہیں۔
تسکین الصدور ص۲۲۱ گویا ع

اِدھر ٹانکا اُدھر اُدھڑا اُدھر ٹانکا اِدھر ادھڑا

الغرض مولانا رشید احمد صاحب کی اتباع میں دوسرے علماء دیوبند بھی خاموش
ہی رہے اور اس گروہ کو پھلنے پھولنے کا خوب موقعہ مل گیا۔

اس کے بعد مولانا رشید احمد صاحب کے شاگرد رشید مولوی حسین علی صاحب واں بھچری
اور ان کے تلامذہ علی الخصوص مولانا غلام خانصاحب اس مسلک کے داعی بنے اور
اور باقی علمائے دیوبند کی رُو اپنی خاموشی کے بجائے کھلی حمایت سے اس جماعت کو
اپنے جملہ نظریات علی الخصوص توسل واستعانت کے شرک و بُت پرستی ہونے اور متوسلین
کے مشرک و بُت پرست ہونے کی ترویج واشاعت میں بڑی مدد ملی۔ علماء دیوبند کی نئی پود دورہَ
قرآن کے ذریعے ان نظریات واعتقادات کا استفادہ کرنے لگی اور بزعم خویش مولانا غلام خان
صاحب کی اسرار توحید اور مقام الوہیت سے شناسائی کا اعتقاد ان پر اس قدر جادو اثر

بن گیا کہ جملہ مفاسد سے آنکھیں بند کرلیں اور ان کے مسلک اہل السنت کی علانیہ مخالفت۔ حق
سے عدول وانحراف بلکہ راہ اعتزال وخروج پر گامزنی کو صرف اس خوش فہمی میں نظرانداز
کردیا کہ مولانا بریلویوں کی خوب خبر لے رہے ہیں۔ ان کی بدعات کا رد اور شرک و بت پرستی
کا قلع قمع کر رہے ہیں اور اس طرح مداہنت فی الدین اور حق سے چشم پوشی جیسا گھناؤنا
کردار ادا کیا۔

سماعِ موتیٰ کے انکار کی ضرورت

یہ بات ہر ادنیٰ سمجھ والے سے بھی مخفی نہیں رہ سکتی کہ استمداد واستعانت اور توسل
وتطفل دارِ فنا سے دارِ بقا کی طرف منتقل ہونے والے حضرات سے اسی صورت میں متصور
ہو سکتا تھا، جبکہ ان میں زائرین اور حاضرین بارگاہ کی معرفت تسلیم کی جاتی اور ان کے
سلام وکلام کا سماع وشعور مانا جاتا۔ جب تک یہ بنیاد قائم تھی عوام اہل السنت کو اس
راہ سے ہٹانا اور مقربانِ بارگاہِ خداوندی کی بارگاہ سے دُور رکھنا ممکن نہ تھا لہٰذا اس
بنیاد واساس کو گرانا لازمی سمجھتے ہوئے سماع کا انکار کر دیا، حتیٰ کہ عوام مومنین یا اولیاء
اللہ شہداء سے نفی کو ناکافی سمجھتے ہوئے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام علی
الخصوص سید الرسل امام الکل جناب محمد مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کے متعلق بھی لاعلمی
اور بے خبری ثابت کرنے کی ٹھان لی گئی۔ مولانا غلام خان صاحب اپنے مزعوم جواہر القرآن
میں حضرت عزیر علیہ السلام والے قصہ میں اس طرح تحریر کرتے ہیں۔

ا۔ سو سال کا عرصہ انہیں یک روزہ خواب کی طرح معلوم ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ
حالتِ موت میں یہ جلیل القدر پیغمبر علیہ السلام اختلاف لیل ونہار اور انقلابات زمانہ سے بےخبر
تھے (تا)، اس واقعہ سے سماع موتیٰ کی نفی ہوتی ہے، کیونکہ حضرت عزیر علیہ السلام دنیا میں
ہونے والے تمام انقلابات سے بے خبر تھے اور نہ انہیں بیرونی آوازیں سنائی دیں۔ نیز

اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ وفات کے بعد انبیاء علیہم السلام کی ارواحِ طیبہ ان کے ابدان میں موجود نہیں رہتیں اور ان کی حیاتِ دنیوی ناسوتی نہیں ہوتی، بلکہ برزخی ہوتی ہے۔

جواہر القرآن۔ جلد اول۔ صـ۱۲۷

جلاء الصدور کے اوراق میں منکرین کے مغالطات پر بحث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ان حضرات کی ذہنیت واضح ہو جائے گی، لیکن بطور نمونہ انداز فکر اور بالغ نظری کے ساتھ ساتھ بارگاہ مصطفوی سے مذاق واستہزا ملاحظہ فرمائیے شفاء الصدور مترجم صـ۹۱:

۲- لم یکن النبی صلی اللہ علیہ وسلم یسمع قول امرءۃ واقفۃ علی باب الحجرۃ الشریفۃ حین کان فی الاحیاء فکیف بعد الموت۔

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم زندگی میں اس عورت کی کلام کو نہیں سن سکتے تھے جو حجرۂ مبارکہ کے دروازہ پر کھڑی ہوتی تھی، تو وفات کے بعد سن سکنے کا کیا امکان؟ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حالانکہ بقولِ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی انبیاء کرام علیہم السلام کے سماع سلام و کلام اور زائرین کے علم وشعور میں اختلاف ہی نہیں اور نہ دو رائیں ہیں۔ فتاویٰ رشیدیہ صـ۶۰ و صـ۱۱۲

مگر انبیاء کرام علیہم السلام کے سماع میں کسی کو خلاف نہیں، اسی وجہ سے ان کو مستثنیٰ کیا ہے۔ انتہیٰ

ذمہ دار کون ہے؟

میں بڑی دلسوزی سے عرض کروں گا کہ اس تحکم اور سینہ زوری میں اکابرین دیوبند کا بھی حصہ ضرور ہے اور ان کی تشکیک وتوہیم اور شک وتردد والی پالیسی نے اس جماعت کو تقویت پہنچائی۔ سماعِ موتیٰ کے منکرین اور سماعِ موتیٰ کے قائلین کو ہم پلہ قرار دینے انکار سماع والی شق کو قابلِ اختیار واعتبار سمجھنے سے اس بے لگام جماعت کے لئے اچھا خاصا

کھلا میدان مہیا ہو گیا۔

(۱) مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی فتاویٰ رشیدیہ صـ۸۷ و صـ۱۰۰ و صـ۹۴ و صـ۶۰ و صـ۷۰ پر فرماتے ہیں:

مسئلہ سماع موتیٰ عہد صحابہ سے مختلف فیہ ہے اس کا فیصلہ کوئی نہیں کر سکتا۔ بندہ مختلف فیہا مسائل میں فیصلہ نہیں کرتا۔

(۲) مولانا اشرف علی تھانوی:

دونوں طرف اکابر ہیں اور دلائل ایسے اختلافی مسئلہ میں فیصلہ کون کر سکتا ہے؛

امداد الفتاویٰ جلد ۵ صـ۳۷۷

(۳) مولانا محمد قاسم نانوتوی جمال قاسمی صـ۹ پر رقمطراز ہیں:

سماع اموات کے قصہ میں اول تو یہ معروض ہے کہ یہ امر قدیم سے مختلف فیہ ہے۔ دوسرے ضروریاتِ دینی اور عقائد ضروریہ میں سے نہیں (تا) علاوہ بریں طرفین میں بڑے بڑے اکابر ہیں۔ اگر ایک طرف میں بالکل ہو رہیے تو کسی نہ کسی طرف والوں کو برا سمجھنا پڑے گا۔ اس لئے اہل اسلام کو یہ ضروری ہے کہ ایسے مسائل میں خواہ مخواہ ایسے "پکے" نہ ہو بیٹھیں کہ دوسری طرف کو بالکل باطل سمجھ لیں۔

یہاں تک شک وتردد اور گومگو کی پالیسی ملاحظہ کی۔ اب ہر طرف کے اختیار کی تجویز وتصحیح ملاحظہ فرمائیں:

(۱) مولانا اشرف علی صاحب تھانوی فرماتے ہیں:

غرض اس طرح جانبین میں کلام طویل ہے اور دونوں شقوں میں وسعت ہے۔

التکشف۔ صـ۴۲۷

(۲) مولانا گنگوہی صاحب: یہ مسئلہ عہد صحابہ رضی اللہ عنہم سے مختلف فیہا ہے، اس کا فیصلہ کوئی نہیں کر سکتا۔ تلقین کرنا بعد دفن کے اس پر ہی مبنی ہے جس پر عمل کرے درست

ہے۔ فتاویٰ رشیدیہ ص۸۷

عقیدۂ سماع اموات جمہور صحابہ، تابعین و تبع تابعین اور جمہور اہل السنت کا مسلک و مذہب ہے اور جس پر احادیثِ صحیحہ صریحۃ الدلالۃ شاہد صادق اور دلیل ناطق اور وہ بھی ایسی جو کہ درجہ تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں، جیسا کہ مولانا انور شاہ صاحب فرماتے ہیں:

والاحادیث فی سماع الاموات قد بلغت مبلغ التواتر۔ فیض الباری جلد ثانی ص۴۶۷

مگر اس کو جب اس قدر مختلف فیہ ناقابلِ فیصلہ، غیر ممکن التحقیق قرار دے دیا جائے اور خلافِ جمہور کو غلط کہنے سے منع کر دیا جائے اور ہر دو شقوں کے اختیار کی گنجائش نکال لی جائے، تو انکارِ سماع سے ضلالت و گمراہی اور الحاد و بے دینی کے لزوم اور حق و صواب سے انحراف و اختلاف والے مفسدہ کا اندیشہ ختم ہوا۔ البتہ ایک عظیم فائدہ میسر آ گیا اور وہ یہ کہ جب اہل قبور سنتے ہی نہیں، تو ان سے استعانت و استمداد لغو و باطل ٹھہری۔ بلکہ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے تو کسی ابہام و اخفاء کو ناکافی سمجھتے ہوئے صراحتاً فرما دیا:

البتہ عوام کا سا اعتقاد اثبات کہ ان کو حاضر و ناظر متصرف مستقل فی الامور سمجھتے ہیں یہ صریح ضلالت ہے اگر اس کی اصلاح بدون انکارِ سماع نہ ہو سکے تو انکارِ سماع واجب ہے۔ التکشف ص۴۲۷

صرف یہ نہیں کہ عوام میں اندیشہ کجروی کے پیش نظر اس مسئلہ کی تشہیر نہ کی جائے بلکہ صاف صاف انکار کر دینے کا حکم اور بھی اولویت، واستحباب تک محدود نہیں رکھا بلکہ درجہ وجوب و فرضیت تک پہنچا دیا۔ حیرانی کی بات ہے کہ اصلاح امت کے لئے اس اس نسخہ کو تجویز کرنے میں کون سی حکمت کارفرما ہو سکتی ہے۔ اگر زندہ اولیاء اللہ کے متعلق کوئی عامی یہی عقیدہ اختیار کر لے تو حکیم الامت صاحب کا تجویز کردہ یہ نسخہ کیونکر قابل عمل ہو گا کوئی یہ کہہ سکے گا کہ وہ تو قریب سے بھی نہ دیکھ سکتا ہے اور نہ ہی سن سکتا ہے، دور سے

کیسے دیکھ سن سکتا ہے۔ اگر یہاں اپنا مشاہدہ اس جرأت سے مانع ہے یا لوگوں کے مشاہدات و اخبار تو اہل قبور کے متعلق اللہ رب العزت اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات موجود، آنسرور اور اولیاء اللہ کے مشاہدات موجود ہیں پھر انکار کی جرأت کیونکر ہو گئی۔ لہٰذا جو صورت اس شخص کے راہِ راست پر لانے کے لئے کارآمد ہو سکتی تھی، اس کو اہل قبور میں زائرین کی معرفت اور سماع سلام وغیرہ تسلیم کر کے بھی بروئے کار لایا جا سکتا تھا۔ انکارِ سماع اور وجوب انکار کی گنجائش کیوں نکالی گئی۔ پھر اس انکار کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ اہل اللہ پر اصنام و اوثان والی آیات چسپاں کرنے کا راستہ ہموار ہو گیا اور شرعی لحاظ سے جائز طریقوں پر استعانت و استمداد کرنے والوں کے لئے مشرک اور بت پرست جیسے فتووں کے لئے میدان صاف ہو گیا۔ اگر یہ مصلحت مدنظر رکھ کر سماع کا انکار کیا جا سکتا ہے، تو قیامت کے دن شفاعت کا بھی انکار لازم، کیونکہ اس سے لوگ گناہوں پر دلیر ہو جائیں گے، پھر زندہ لوگوں کے صدقات اور دعوات سے اموات کے انتفاع کا انکار بھی لازم کیونکہ اس اعتقاد سے عملی کوتاہی پیدا ہوتی ہے اور اغیار کی امداد پر بھروسہ کر کے لوگ خود سعی عمل سے گریز کرنے لگتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس بے شمار مفاسد لازم آئیں گے جن کا لزوم و فساد منصف مزاج اربابِ علم و عقل پر مخفی نہیں ہو سکتا۔

بہر کیف جب حکیم الامت نے اس ضرورت سے مشروط انکار کو واجب قرار دے دیا اور یہ شرط ضرورت باتفاق اکابر و اصاغر دیوبند اس وقت موجود ہے تو انکارِ سماع واجب و فرض ہو گیا۔ اس لحاظ سے حکیم الامت کے اس نیازمند اور مخلص کا حوصلہ قابلِ داد ہے کہ بلا خوف لومۃ لائم اس ارشاد گرامی پر عمل کر دکھایا اور متواتر المعنی احادیث کو بلکہ آیات کلام مجید کو خوف خدا اور پاس فرمانِ مصطفیٰ سے عاری ہو کر اپنے مرشد روحانی کے اس ارشاد گرامی پر نثار کر دیا اور بقول حافظ شیرازی ؎

بے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید

کا عملی نمونہ پیش کر دیا۔ لہٰذا ہم یہ عرض کرنے میں حق بجانب ہیں ع

اے بادِ صبا ایں ہمہ آوردۂ تست

بہر حال کسی کی غلط فہمی کی بنا پر کتاب و سنت، آثار صحابہ اور اقوال اکابرینِ ملت و مقتدیانِ انام کے ساتھ ثابت عقیدہ و نظریہ کے انکار کا کوئی جواز نہیں ہو سکتا، جبکہ وہ بھی فرضی ہو کیونکہ اس اعتقاد والا کوئی شخص ہمیں دیکھنے سننے کا آج تک اتفاق نہیں ہوا۔ جاہل سے جاہل مسلمان بھی متصرفِ حقیقی اور مستقل فی الامور صرف اللہ رب العزت کو جانتے مانتے ہیں اور لطف یہ کہ خانقاہی ماحول میں ہم رہتے ہیں، مگر تسلی عوام کے اس اعتقاد کی گھر بیٹھے بٹھائے ان حضرات کو ہو گئی۔

عقیدۂ سماع اموات اکابرینِ ملت کی نظر میں

مولانا رشید احمد، مولانا نانوتوی اور مولانا اشرف علی تھانوی، حضرت مولانا شاہ عبد الحق محدث دہلوی اور خاتم المفسرین والمحدثین شاہ عبد العزیز صاحب سے زیادہ محتاط اور پاسبانِ عقیدۂ توحید نہیں ہو سکتے، انہوں نے اس مسئلہ کی جو اہمیت بیان فرمائی ہے، اسے ملاحظہ فرمایئے اور تفاوتِ راہ کا مشاہدہ کیجیے؛

(۱) شیخ اجل شیخ المحدثین شاہ عبد الحق علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

بالجملہ کتاب و سنت مملو و مشحون اند کہ دلالت میکنند بر وجود علم موتیٰ را بدنیا و اہلِ دنیا پس منکر نشود آں را، مگر جاہل باخبار و منکر دین۔ اشعۃ اللمعات جلد سوم صـ ۴۰۱

ترجمہ، مختصر یہ کہ کتاب وسنت ایسے دلائل سے بھرپور ہیں جو اموات میں دنیا اور اہلِ دنیا کے علم و معرفت اور احساس و شعور پر دلالت کرتے ہیں؛ لہٰذا سماع اموات کا انکار صرف وہ شخص کر سکتا ہے جو اخبار و روایات سے بے خبر ہے یا پھر دین و ایمان سے بیگانہ اور تہی دامن ہے۔

(۲) حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی؛ اس سوال کا کہ آیا انسان کو بعد از موت ادراک و علم حاصل ہوتا ہے یا نہیں؛ اور زیارت کرنے والوں کو پہچانتا ہے یا نہیں ان کے سلام و کلام کو سنتا ہے یا نہیں؟ مفصل جواب تحریر فرما کر خلاصہ یہ بیان کرتے ہیں:

بالجملہ انکار شعور و ادراک اموات اگر کفر نباشد در الحاد بودن او شبہ نیست۔

فتاویٰ عزیزیہ۔ جلد اول۔ صـ ۹۱ و ۹۲

خلاصہ کلام یہ کہ اموات و اہل قبور سے شعور و ادراک کا انکار کرنا بالفرض کفر نہ ہو تو اس کے الحاد و بے دینی ہونے میں شبہ نہیں ہو سکتا۔ چونکہ تفصیلاً ان عبارات کا ذکر آئندہ صفحات میں ہدیہ ناظرین ہو گا۔ لہٰذا اختصاراً صرف اتنا قدر معروض خدمت ہے۔ یہ وہ حضرات ہیں، جن کا علم و فضل اور شرعیات پر عبور اور غموض فکر و دقت نظر علمائے بریلی و دیوبند سب کے نزدیک مسلّم ہے۔ ان کے ارشادات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اور پھر سماعِ موتیٰ پر احادیث صحیحہ مشہورہ بلکہ متواترہ صریحۃ الدلالت کے ہوتے ہوئے انکارِ سماع کی کوئی گنجائش نہیں ہو سکتی؛ اس سے امت میں اصلاح کی بجائے عظیم فساد کا دروازہ کھل گیا ہے اور اہل السنت کو معتزلیوں اور خارجیوں کی راہ پر ڈال کر گمراہ اور بیدین بنایا جا رہا ہے۔

انکارِ سماع کے لازمی تقاضے

جب انکارِ سماع کا فیصلہ ہی کر لیا گیا تو منکرین کا محض زبانی دعویٰ قابلِ قبول نہ تھا نہ ساری دنیا میں بالعموم اور برِ صغیر ہند و پاک میں بالخصوص ہر باشندہ ان کا ایسا معتقد اور مقلد تھا کہ ان کی زبان کو ہی شریعت کا معیار سمجھتا جس کا اقرار فرماتے وہ عین دینِ اسلام بن جاتا اور جس کا انکار فرما دیتے، وہ خلاف حدیث و قرآن بن جاتا۔ پھر بقول منکرین وہ مُبتدعین بھی یہاں بستے تھے، جن کی بدعات کے قلع قمع کے لئے انکارِ سماع کی ضرورت تھی اور وہ اپنے معتقدات پر کتاب و سنت، آثارِ صحابہ اور اقوال اکابرین سے تمسک اور

استدلال کرتے تھے، تو یہ امر ناگزیر ہو گیا کہ انکارِ سماعِ اموات اور عدمِ علم اہلِ قبور پر دلائل پیش کئے جائیں:

(۱) چنانچہ کلام مجید سے وہ آیات جن میں زندہ کفار کا اپنے حواس و مشاعر، عقل و دانش اور حیات و زیست سے فائدہ نہ اٹھا سکنا مذکور تھا اور اس بنا پر ان کی قوتِ سامعہ کے وجود و عدم قوۃ باصرہ کے تحقق و عدم تحقق عقل کے ثبوت و عدم ثبوت اور حیات کے حصول و عدم حصول کو یکساں قرار دے کر ان سے سماعِ نافع، رویت نافعہ نتیجہ خیز نظر و فکر کی نفی کر دی گئی تھی، اپنا مطلب کشید کرنے کے لیے پیش کی گئیں۔

یا پھر وہ آیات جو اصنام و اوثان اور انصاب و احجار کی لاعلمی و بے خبری پر دلالت کرتی تھیں اور جن میں ان کے اپنے عابدین کی حاجات پوری کرنے سے عجز و ناتوانی وغیرہ کا بیان تھا، ان کو اہلِ قبور اولیاء اللہ و شہداء و صدیقین بلکہ انبیاء کرام علیہم السلام پر منطبق کر دیا گیا۔ اکابرین دیوبند نے اگرچہ ذوات انبیاء علیہم السلام کو مستثنیٰ قرار دیا تھا، مگر جو ضرورت دوسری جگہ انکار کے لئے بنیاد و اساس تھی، وہ یہاں بدرجہ اتم و اکمل موجود تھی، اس لئے اصاغر نے یہ کمی بھی پوری کر دی۔ مولانا غلام خان کی عبارت منقولہ از جواہر القرآن میں سماعِ انبیاء کی نفی اور ان کے ابدان سے ارواح کی بے تعلقی جو علم و ادراک کے لئے بنیاد و اساس ہے، ہدیۂ ناظرین ہو چکی یا پھر وہ آیات جن میں کسی حکمتِ الٰہیہ کے تحت اولیاء و انبیاء سے حالتِ نیند میں یا موت غیر معتاد میں بے توجہی و بے التفاتی طاری کر دینے کا بیان تھا جس سے فقط ذاتِ خداوندی کا شانِ اعجازی بیان کرنا اور حواس و مدارک کا ادراک کے لئے محض سبب عادی ہونے کا بیان مقصود تھا، جبکہ اہلِ اسلام میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہ تھا نہ ہے کہ اولیاء و صالحین، شہداء و صدیقین اور رسل و نبیین اپنے ادراک و علوم اور احساسات و شعور میں ایسے مستقل ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے حواس و عقول کو احساس و علم سے روک نہیں سکتا اور ان کی توجہ و التفات کو دوسری جانب نہیں پھیر سکتا۔

(۲) ذخیرۂ احادیث سے دیگر تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان کی روایات کو نظر انداز کر کے دراصل صرف حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے منقول ایک ذاتی رائے اور استنباط و اجتہاد کو سہارا بنایا گیا، وہ بھی ان کی دوسری مرفوعہ احادیث کے برعکس جبکہ اس ذاتی رائے اور استنباط و اجتہاد سے بھی ان کا رجوع منقول ہے اور رجوع سے قطع نظر اجلّہ محدثین کے نزدیک ان کی وہ روایت بھی اہلِ قبور سے علم و ادراک کی نفی نہیں کرتی، مکمل تحقیق آپ آئندہ صفحات پر ملاحظہ فرمائیں گے۔ باقی جو کچھ ذکر کیا گیا ہے محض مشاغبات و مغالطات ہیں اور تاویلات و تسویلات جن سے اپنے مطالب کشید کرنے کی سعی لاحاصل کی گئی ہے۔

(۳) امام صاحب علیہ الرحمۃ سے ظاہر الروایۃ متواترۃ السند کتب میں کوئی قول دستیاب نہیں ہو سکا؛ البتہ شاذہ روایت مل گئی جیسا کہ فتاویٰ رشیدیہ میں اس گروہ کے مقتدا و پیشوا جناب گنگوہی صاحب نے تصریح کی ہے۔

مسئلہ سماعِ موتیٰ میں امام صاحب علیہ الرحمۃ سے کچھ منصوص نہیں ہے اور جو روایت آئی ہیں وہ شاذ ہیں، حالانکہ ملا علی القاری نے مطلقاً ایسی کوئی روایت ماننے سے انکار کیا ہے، مگر اسی کو غنیمتِ باردہ اور نعمتِ غیر مترقبہ سمجھا گیا اور اس میں تقویت اس طرح پیدا کر لی گئی کہ انکارِ سماع میں تو شاذ روایت موجود ہے، مگر اثباتِ سماع میں تو شاذ روایت بھی نہیں ہے، حالانکہ ایک طالب العلم سے بھی یہ حقیقت مخفی نہیں کہ احادیثِ مرفوعہ صحیحہ صریحہ کے مقابل خود نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب شاذ روایت کا اعتبار نہیں۔ امام صاحب علیہ الرحمۃ کی طرف منسوب روایت کا اعتبار کیونکر ہو سکتا ہے؟ مزید تحقیق بعد میں ذکر کی جائیگی۔

قائلین سماعِ اموات کے دلائل سے مجرمانہ سلوک

محض اپنے دلائل کا بیان کافی نہ تھا؛ لہذا مخالفین کے دلائل کا جواب بھی دینا تھا، اور ان کی حجیت پر بھی کاری ضرب لگائے بغیر بات بنتی نظر نہ آتی تو اس طرح گلوخلاصی

کرائی کہ آیاتِ کلامِ مجید کو ویسے ہی ہضم کر گئے۔ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جو بخاری و مسلم اور دیگر صحاح میں نظر آئیں، جن پر سند کے لحاظ سے تضعیف و تشکیک کا احتمال نہ تھا۔ ان پر اس طرح ہاتھ صاف کئے کہ یہ کلام مجید کے نصوص قطعیہ کے خلاف ہیں لہٰذا ناقابل اعتبار ہیں۔

حالانکہ محض قرآن پاک میں موجود ہونا آیات کو قطعی الدلالت نہیں بنا دیتا۔ قطعی الثبوت ہونا اور بات ہے، قطعی الدلالۃ ہونا اور بات ہے۔ مثلاً حروفِ مقطعات ثبوت کے لحاظ سے قطعی ہیں، مگر باعتبار لغت کسی معنی پر دلالت ہی نہیں کرتے اور الرحمٰن علی العرش استویٰ یوم یکشف عن ساق وغیرہ متشابہات باعتبار لغت جس معنی پر دال ہیں، اس کا اعتقاد کفر بن جاتا ہے۔ چہ جائیکہ اس پر دلالتِ قطعیہ تسلیم کی جائے۔ عام مخصوص البعض بھی ثبوت کے لحاظ سے قطعی ہوگا، مگر دلالت کے لحاظ سے ظنی حتیٰ کہ خبرِ واحد سے اس میں تخصیص کرنا اور اس کے عموم کو کم کرنا بالاتفاق جائز ہے اور مخصص قوت میں مخصوص سے زائد نہ مانا جائے تو مخصوص کے برابر خود ہی ماننا پڑے گا اور منکرین سماع نے جتنی آیات انکار کے ضمن میں پیش کی ہیں۔ ان کے مدعا پر ان میں سے کوئی بھی قطعی الدلالت نہیں، بلکہ صحیح معنوں میں صریح الدلالت بھی نہیں، بلکہ جمہور علماء کے نزدیک مؤول اور مصروف عن الظاہر ہیں۔ ایسی صورت میں ان آیاتِ مبارکہ سے احادیثِ مرفوعہ صحیحہ مشہورہ بلکہ متواترہ المعنیٰ کو رد کرنے کا کون سا امکان ہو سکتا ہے؟

جن روایاتِ مرفوعہ میں سند کے لحاظ سے کچھ گنجائش ملی۔ اس میں بے رحمانہ جرح و قدح سے کام لیا گیا۔ (۱) حالانکہ جب ضعیف روایت مختلف طریقوں سے ثابت ہو تو درجۂ حسن تک پہنچ جاتی ہیں۔ چہ جائیکہ احادیثِ صحیحہ علی الخصوص بخاری و مسلم کی متفق علیہ روایات ان کی تائید کریں، بلکہ آیاتِ کلامِ مجید ان میں تقویت پیدا کر دیں۔ (۲) نیز سند کے لحاظ سے ضعف متن اور مفہوم احادیث کے ضعف کو مطلقاً اور دائماً مستلزم نہیں ہوتا جیسا کہ قوتِ

سند ہر مقام پر قوت مضمون متن کو مستلزم نہیں ہوتی۔ صحیح السند حدیث معلول ہو کر متن کے لحاظ سے ناقابلِ اعتبار ہو جاتی ہے جیسا کہ بخاری و مسلم کی متفق علیہ روایت ما انتم باسمع لما اقول منھم ولکن لا یجیبون (اے صحابہ تم ان مردار کفار سے زیادہ تو میری باتوں کو نہیں سُن رہے، مگر وہ جواب نہیں دیتے) سند کے لحاظ قوی ہے، مگر منکرین نے مضمون متن کو تسلیم کرنے سے بزعمِ خویش اسی علت کے پیشِ نظر انکار کیا کہ یہ خلاف قرآن ہے۔ کبھی سند کے لحاظ سے ضعف کے باوجود مضمون کے اعتبار سے صحت و قوت موجود ہوتی ہے۔ ترمذی شریف میں کتنے ایسے مقام ہیں کہ روایت بحسب السند ضعیف مگر سب صحابہ تابعین و تبع تابعین اور دیگر اہل علم کا وہی مذہب ہے (۳) پھر ہر کاذب ہر بات میں کاذب نہیں ہوتا۔ شیطان نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو آیت الکرسی پڑھ کر سونے کی برکت بیان کی تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اما انہ صدقک ولکنہ کذوب (شیطان ہے تو بڑا جھوٹا لیکن تمہارے ساتھ سچی بات کر گیا ہے (۴)، نیز علمائے امت کا کسی بھی روایت کو قبول کر لینا بجائے خود دلیل صحت ہوتا ہے۔ کما تقرر فی موضعہ۔

لہٰذا ضعیف روایات جب آیاتِ قرآن مجید اور احادیثِ صحیحہ سے تقویت حاصل کر لیں اور ان کے معنی و مفہوم پر جمہور اہلِ اسلام کا اتفاق ہو، ان میں جرح و قدح کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔

بعض روایات کو کشف و الہام اور رؤیا و منامات ہونے کی بناء پر رد کر دیا حالانکہ کشف و الہام بذاتِ خود قطعی ذریعہ علم و یقین کا نہ سہی، کیونکہ انبیاء و رسل علیہم السلام کے ماسوا میں کشف و الہام کے اندر غلطی کا احتمال ہوتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس رؤیا میں بھی انبیاء علیہم السلام کے قلوب مقدسہ بیدار رہتے ہیں۔ ان کا خواب بھی وحیِ الٰہی ہوتا ہے، مگر دوسرے حضرات کے دلوں پر حالت نوم کے غلبہ کی وجہ سے سمجھنے میں یا یاد رکھنے میں غلطی لگ سکتی ہے لیکن

ان کو کلیتہً نظر انداز کرنا بھی ممکن نہیں، بلکہ ان میں معیارِ صحت یہ ہے کہ ان کو ظاہر شرع کے مطابق پائیں تو حجت ہوں گے، ورنہ نہیں۔ کشف صالحین اور ان کی فراست صادقہ کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اتقو فراسة المومن فانہ ینظر بنور اللہ۔ رواہ الترمذی وغیرہ (مومن کی فراستِ قلبیہ سے ہوشیار اور خائف رہو، کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے) بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے:

کنت سمعہ الذی یسمع بہ و بصرہ الذی یبصر بہ۔ الحدیث (مقام محبوبیت پر فائز ہو جانے والے بندہ مومن کے کانوں، آنکھوں اور قلوبِ مبارکہ کے انوارِ الٰہیہ سے منور ہونے اور عوام سے دیکھنے، سننے اور سوچنے سمجھنے میں ان کے امتیازی مقام پر ادل دلیل اور واضح برہان ہے)

علیٰ ہذا القیاس خواب کے متعلق سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد:

الرؤیا الصالحة جزء من ستة واربعین جزء من النبوة۔ بخاری شریف کتاب الرؤیا صہ (سچا خواب نبوت کے چھیالیس شعبہ جات میں سے ایک شعبہ ہے)

نیز حدیث نبوی لم یبق من النبوة الا المبشرات (یعنی نبوت ختم ہو گئی، اب صرف نبوت کے عکس و پرتو اور انوار و برکات کے طور پر سچے خواب باقی رہ گئے ہیں) صالحین و مقربین کے خوابوں کے اعتماد و اعتبار کی واضح دلیل ہے اور رؤیا و منامات کے صدق یا کشف و الہام کے صدق کے لئے معیار ظاہر شرع ہے؛ لہٰذا جب کتاب و سنت کشف و الہام اور رؤیا و منام کی تائید کر دیں، تو ان کو رد کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ کلام مجید نے کفار کے خوابوں کو ناقابلِ اعتبار نہیں فرمایا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا اپنے قیدی ساتھیوں کے خوابوں کی تعبیر کرنا اور فرمانا جو میں نے تعبیر کی ہے، ایسے ہی ہو گا۔ نیز شاہ مصر کے خواب کی تعبیر بیان فرمانا جیسے اس کا مکمل بیان فرمایا اس طرح ہونا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ کفار کے خواب بھی باطل محض نہیں ہوتے۔

علمائے اہل السنت شافعیہ، مالکیہ اور حنبلیہ مثل ابن کثیر، قاضی عیاض، علامہ نووی، علامہ ابن حجر، امام سیوطی، ابن تیمیہ اور ابن قیم وغیرہ کے اقوال کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ مقلدین کے لئے امامِ مذہب کا قول حجت ہوتا ہے نہ کہ دوسرے علماء مذاہب کا حالانکہ مذاہب اربعہ میں اختلاف ہے تو اعمال کے اندر نہ کہ اعتقادات کے اندر کہیں محمد بن عبد الوہاب کے عقائد سے اتفاق اور دوسرے غیر مقلدین سے بھی اس بناء پر کہ اعمال میں اختلاف کے باوجود عقائد سب کے ایک ہیں اور کہیں ایسے مقتدائے انام محدثین و مفسرین کرام کے اقوال کو اس بہانے رد کر دینا کہ یہ حنفی نہیں ہیں اور یہ بات کسی ادنیٰ دانش و فہم رکھنے والے سے بھی مخفی نہیں کہ سماع اموات کا مسئلہ عقائد سے ہے نہ کہ اعمال سے اور عقائد میں اہل السنت کے مقابل معتزلہ، خوارج اور روافض وغیرہ ہیں نہ کہ مذاہب اربعہ میں سے کوئی فریق۔ جب علمائے احناف شوافع اور مالکیہ و حنبلیہ کا عقیدہ سماع موتیٰ پر متفق ہونا ثابت ہو جائے اور یقیناً ثابت ہے تو پھر بمطابق فرمان مصطفوی اتبعوا السواد الاعظم اسی راہ کو اپنانا ضروری ہے اور اس مسلک سے عدول و انحراف قطعاً ناجائز اور باطل ہے، لیکن ان کے نزدیک ان باتوں کا کیا وزن ہے۔ یہ امور کب قابلِ پذیرائی ہیں۔ انہوں نے ایک واجب پر عمل کرنا تھا اور اس راہ کی ہر رکاوٹ کو دور کرنا تھا، تو جیسے بھی ہو سکا کر دیا اور حکیم الامت جناب اشرف علی صاحب کے فرمان واجب الاذعان پر عمل پیرا ہو کر اس فریضہ سے سبکدوش ہو گئے، مگر کتاب و سنت، آثار صحابہ، اقوالِ اولیاء و علمائے محدثین و مفسرین کے ساتھ انتہائی مجرمانہ سلوک کے مرتکب ہو گئے اور اہل السنت کے مسلک و مذہب سے اعتزال و خروج کے مرتکب ہو گئے۔ اور شاہ عبد الحق و شاہ عبد العزیز کے ارشاد کے مطابق انکار دین اور الحاد و بے دینی کی گمراہی میں جا پڑے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

انکار سماع اموات سے انکار حیاتِ قبر تک

سماع اموات واہل القبور کا عقیدہ دراصل حیاتِ قبر اور عذاب وثواب اہل قبور پر ہی مبنی وموقوف تھا۔ حیات ثابت ہو تو سماع کا قول بھی ممکن، ورنہ جب قبور میں حیات وزیست ہی نہ ہو تو اہل قبور کے سماع کا قائل کون ہو سکتا تھا تو یار لوگوں نے آیاتِ مقدسہ احادیثِ متواترہ اور اجماع امت کی پروا کئے بغیر اموات واہل قبور کی حیات کا انکار کر کے اس بنیاد واساس کو بھی ختم کرنیکی ٹھانی اور جو عقلی شبہات بعض معتزلہ وخوارج اور روافض نے انکارِ حیات میں پیش کئے تھے، یعنی میت کا جماد ہونا اور اس کے اجزاء واعضاء کا بکھر جانا، حواس ومشاعر کا گل سڑ جانا اور پھر بعض اموات کا غرق ہونا، بعض کا جل مرنا بعض کا لقمۂ درندگان بن جانا وغیرہ وہی ان لوگوں نے پیش کرنے شروع کر دیئے اور آیات واحادیث کے ساتھ مذاق یہ کیا کہ اس قبر کی بجائے علیین وسجین میں قبر تسلیم کر لی گئی اور اس مدفون ومقبور بدن کی بجائے مثالی ابدان تسلیم کر لئے گئے یا محض ارواح کے عذاب وثواب پر قناعت کر لی گئی اور آیات واحادیث کے جو معانی ومطالب صحابہ کرام تابعین وتبع تابعین نے سمجھے اور جن پر فرق مبتدعہ یعنی معتزلہ وخوارج۔ اور روافض وغیرہ کے ظہور سے پہلے تمام اہلِ اسلام کا اجماع تھا اور ان کے ظہور کے بعد بھی جمہور اہل اسلام کا اتفاق ان کا انکار کر کے دین اسلام میں عظیم فتنہ پیدا کر دیا گیا۔

حالانکہ کتب اہل السنت جو علم کلام وعقائد میں تالیف وتصنیف کی گئی ہیں، ان میں معتزلہ وغیرہ کے اعتراضات کی مدار انہی ابدان واجساد کے جماد ہونے پر ہے اور اہل السنت نے انہی ابدان میں حیات وزیست تسلیم کی ہے اور انہیں مقبور جثوں کی طرف اعادۂ روح اور اس کے تعلق کا دعویٰ کیا ہے۔ اگر ان ابدان میں حیات وزیست ہی نہ ہوتی تو ان مبتدعین کے ساتھ صدیوں تک محاذ آرائی، بحث ومباحثے اور ان کی تضلیل وتفسیق بلکہ تکفیر کا کیا جواز تھا یا ان فرقِ ضالہ کے لئے اہل السنت پر جل جانے والوں غرق ہو کر

مچھلیوں وغیرہ کا لقمہ بن جانے والوں یا درندوں کے شکموں میں پہنچ جانے والوں سے اعتراض کرنے کا کیا جواز تھا۔ سولی پر لٹکے اشخاص میں آثارِ حیات وغیرہ کے عدم احساس سے نقض کرنے کا کیا جواز تھا؟ گویا اس گروہ سے قبل نہ اہل السنت نے ان فرق مخالفہ کا مقصد سمجھا اور نہ انہوں نے اہل السنت کا مذہب ومسلک اور صدیوں سے یہ جنگ بلاوجہ جاری ہے۔

نیز روح کی زندگی، اس کے رنج والم یا راحت وسکون کا تو فلاسفہ نے بھی انکار نہیں کیا اور نہ ہی معتزلہ نے، تو اہل السنت کیسے انکار کر سکتے ہیں۔ نیز روح کا ابدان مثالیہ سے ربط وتعلق، ابدان اصلیہ کے ساتھ ربط وتعلق میں کسی کے نزدیک مانع نہیں۔ علامہ آلوسی روح المعانی جلد ۲۳ ص ۱۳ پر فرماتے ہیں کہ ارواحِ قدسیہ اصلی ابدان سے متعلق ہونے کے باوجود مختلف صور واشکال اور متعدد ابدان مثالیہ میں جلوہ فرما ہو کر مختلف کارہائے نمایاں سرانجام دیتے ہیں۔ یہ امر سادات صوفیہ کے نزدیک مشہور ومعروف اور محقق ومسلّم ہے اور اس کا منکر یا جاہل ہے یا معاند اور ہٹ دھرم ہے۔

ان النفس الانسانیۃ اذا کانت قدسیۃ قد تنسلخ عن الابدان و تذھب ممثلۃ ظاھرۃ بصور اخرٰی (الی) مع بقا نوع تعلق لھا بالابدان یتاتی معہ صدور الافعال منھا (الی) ھذا امر مقرر عند السادۃ الصوفیۃ مشھور فیما بینھم وانکار من ینکرہ مکابرۃ لا تصدر الّا من جاھل او معاند۔ وکذا فی فتح الملھم جلد اوّل ص ۳۰۵ نقلا عن الآلوسی۔

الغرض جب متعدد مثالی ابدان دنیوی زندگی میں حاصل ہونا اصلی بدن کے ساتھ تعلق وربط کے منافی نہیں، جبکہ یہاں رُوح کا تعلق بالبدن حلولی ہے اور بعد از وفات حلول بھی ضروری نہیں ہے، تو پھر بدن اصلی کے ساتھ ربط وتعلق میں کونسا اَمر مانع ہو سکتا ہے۔ جبریلِ امین جس وقت دحیہ کلبی یا اعرابی کے روپ میں بارگاہ مصطفوی میں

بیٹھے ہوتے تھے، اسی لمحے سدرۃ المنتہیٰ پر اپنی اصلی شکل وصورت میں بھی جلوہ فرما ہوتے
تھے قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلا۔

الغرض یہ بیہودہ توجیہات آیات و احادیث کے ساتھ کھیل اور مذاق سے مختلف
نہیں، مگر منکرین نے بزعمِ خویش اپنے ان قطعی دلائل کو اس بے رحمی کے ساتھ استعمال
کیا کہ حیاتِ شہداء اور حیاتِ انبیاء اور ان کے ابدان سے بھی ارواح کے ربط و تعلق کا
کلیتہً انکار کر دیا اور خدا اور رسول سے خوف و شرم کی ضرورت نہ سمجھی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

اب پچھتائے کیا ہوت

علماء اہل السنّت بریلی و بدایون و خیرآباد وغیرہ کے ساتھ تعصب و مخاصمانہ رویّہ
نے علماء دیوبند کو اپنے اندر پرورش پانے والے اس شرذمہ قلیلہ کے خلاف آواز بلند نہ
کرنے دی اور عمداً مصلحتاً حق سے عدول و انحراف کو قابلِ برداشت سمجھ لیا گیا اور سالہا سال
تک یہی تغافل و تساہل برتا گیا۔ جب پانی سر سے گزرتا دیکھا اور سب دیوبندیوں کو معتزلی
و خارجی بنتے دیکھا تو بعض حضرات نے بزبانِ قلم "ہدایۃ الحیران" کی سعی فرمائی اور "تسکین الصدور"
کے لئے کمرِ ہمت باندھی، کہیں مقامِ حیات سے پردہ اٹھایا تو کہیں حیات الاموات کی
صدا بلند ہوئی۔ مبلغین و مناظرین ان کتابوں کو بغلوں میں دبائے عوام کے سامنے علمائے
دیوبند کے مذہب و مسلک میں بطور سند ان کتابوں کو پیش کرنے لگے اور یوں ادھر سے
برسرِ عام قبر میں حیات اور عذاب و ثواب کے چرچے ہونے لگے اور اموات کے سلام
زائرین وغیرہ سننے کی باتیں ہونے لگیں، مگر معترضین کے منہ سے ایسے کلمات سن کر اور
علمائے دیوبند کی تازہ تصنیفات میں یہ مضامین دیکھ کر سامعین و قارئین حیرت و استعجاب
میں ڈوب جاتے ہیں کہ کل تک علمائے اہل السنّت بریلوی یہ مسائل بیان کرتے تھے
تو ملحد و بے دین اور کافر و مشرک قرار پاتے تھے۔ آج یہی مذہب علمائے دیوبند کا بن
گیا ہے اور واقعی یہی مذہب ان کا تھا، تو پہلے کیوں نہ بیان کیا گیا؟

پھر ان کو سبق ہی یہی دیا گیا تھا کہ کسی کے قول سے عقیدہ ثابت نہیں کیا جا سکتا، یہ
تو شرک ہے۔ اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ۔ مشرکینِ اہل کتاب
نے اپنے علماء اور صوفیاء کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ معبود بنا لیا تھا اور احادیث صرف وہ
معتبر ہوں گی، جو ان کے بیان کردہ قرآنی مفہومات کے مطابق ہوں اور جو اس کے خلاف
ہوں، وہ مردود اور باطل ہیں اور سابقہ مفسرین نے جو کچھ بیان کیا، شرک و بُت پرستی
کی وہ تعبیر ان کے زمانہ کے لحاظ سے تھی۔ آج شرک و بت پرستی وہ ہے جس کی وضاحت
و صراحت ہم کر رہے ہیں۔ اس ذہن کو راہِ راست پر لانا کارے دارد، محض علمائے دیوبند
کا مذہب بیان کر دینے سے ان کی تسلی کیونکر ہو سکتی ہے؟ اگر مولانا غلام خان صاحب کو
مسلکِ دیوبند کا ترجمان سمجھ کر لوگ ان کی روش پر چل نکلے ہیں اور مذہبِ اہل السنّت
سے برگشتہ ہو گئے ہیں، تو اس کا سبب صرف مجرمانہ غفلت ہے اور اظہارِ حق پر وقتی مصلحتوں
کو ترجیح دینا فیا للخسران لترک العمل بقولہ تعالیٰ کنتم خیر امۃ اخرجت
للناس تأمرون بالمعروف وتنھون عن المنکر۔

ترتیبِ کتاب

چونکہ عقیدۂ سماع اور ادراک و شعور اہلِ قبور اور ان سے توسل و استعانت کی بنیاد
حیاتِ قبر اور اس کا عذاب و ثواب ہے۔ لہٰذا اسے مختصراً بیان کر کے سماعِ اموات کی بحث
ذکر کی جائیگی اور آخر میں نداء و پکار اور استعانت و استمداد کی بحث ذکر کی جائیگی۔ ہو سکتا
ہے بنظرِ انصاف ان اوراق کو شرفِ مطالعہ بخشنے والا مسلک اہل السنّت کی طرف رجوع کر لے
اور اہل السنّت حضرات راسخ الاعتقاد بن جائیں اور کسی کو اہل السنّت کے متعلق غلط فہمی ہے
تو وہ دُور ہو جائے۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت
والیہ انیب وصلی اللہ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ وصحبہ واولیاء امتہ
اجمعین والحمد للہ رب العالمین۔

الاستفتاء

ماقولکم رحمکم اللہ تعالیٰ اس مسئلہ میں کہ اہلِ قبور زائرین کو جانتے ہیں یا نہیں اور ان کے سلام و کلام کو سنتے سمجھتے ہیں یا نہیں ؟

نیز اگر انہیں علم و شعور و ادراک و سماع حاصل ہے تو کسی مخصوص وقت میں یا ہمیشہ کے لئے یعنی وقت دفن سے نفخہ اولیٰ تک جبکہ بعض علماء اموات اور اہلِ قبور کے علم و سماع کا انکار کرتے ہیں اور عقیدۂ سماع کو قرآن کریم کے خلاف سمجھتے ہیں اور اپنے دعویٰ پر یہ آیاتِ کریمہ بطورِ دلیل پیش کرتے ہیں: اِنَّکَ لَا تُسمع الموتیٰ (یقیناً تم (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) اموات کو نہیں سناتے) وما انت بمسمع مَن فی القبور (اور تم ان لوگوں کو سنانے والے نہیں جو قبروں میں مدفون ہیں) لا یذوقون فیھا الموت الا الموتۃ الاولیٰ (اہل جنت نہیں مریں گے ماسوائے دنیوی موت کے)

نیز حبیبۂ حبیبِ خدا ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بھی سماع کا انکار کیا ہے اور انک لا تسمع الموتیٰ اور وما انت بمسمع من فی القبور سے استدلال کیا ہے؛ حالانکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وفورِ علم، اعلیٰ ذکاوت و فطانت اور قوتِ استدلال و استنباط سب کے ہاں مسلّم ہے، لہٰذا کسی بھی مسئلہ میں محض ان کا قول حرفِ آخر اور قطعی حکم کا درجہ رکھتا ہے، خصوصاً جبکہ وہ قرآنِ کریم سے اس نظریۂ و عقیدہ یعنی انکار سماع کو ثابت فرمائیں۔

علاوہ ازیں منکرین سماع عقلی طور پر یہ دلیل بھی دیتے ہیں کہ اہلِ قبور اموات مٹی کے ساتھ مل جاتے ہیں اور مٹی بن جاتے ہیں، ان کی ہڈیاں بھی گل سڑ جاتی ہیں۔ جب قبروں میں کوئی شے ہوتی ہی نہیں تو اُن کا سننا سمجھنا اور زائرین کو پہچاننا کیسے تصور کیا جا سکتا ہے ؟

لہٰذا عقیدۂ سماعِ اموات و اہلِ قبور اگر حق ہے تو اس پر دلائل قائم کرکے اس کی وضاحت کی جائے۔ مخالفین جو آیات اپنے استدلال میں پیش کرتے ہیں، ان کی صحیح تفسیر و تاویل بیان کی

جائے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے فرمان کا محمل اور صحیح مفہوم بیان کیا جائے اور عقلی دلیل یا شبہ کا ازالہ کیا جائے تاکہ عقیدۂ سماع اموات و اہل قبور کی حقانیت و صداقت واضح ہو جائے اور اطمینان و تسلی حاصل ہو جائے۔ بیّنوا فتوجروا - (مولوی ابوالفضل اللہ دتہ از بہاولپور)

اَلجَوَابُ وھُوَ الموفق للصدق والصواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - الحمد للہ رب العالمین المتفرد فی الاسماع والھدایۃ للاحیاء المھتدین بارسال الرسل والنبیین المبشرین المنذرین المستقل فی اضلال الاموات الصم العمی البکم الکفار الضالین باغواء الشیطان الرجیم - والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہ ومحبوبہ محمد المبعوث رحمۃ للعالمین الفاتق رتق آذان الامۃ الامیین - المزیل وقر اسماع المسترشدین المستمعین للحق المبین بالآیات الواضحات البینات المحی القلوب الاموات المقبورین فی قبور صدور المھتدین بالمعجزات القاھرات الباھرات بتوفیق اللہ الملک الحق الحکیم وعلیٰ آلہ واصحابہ الطیبین الطاھرین والتابعین لھم بالاحسان الیٰ یوم الدین۔

تقریرِ دعویٰ: بعد حمد محمودِ کل الوریٰ و ثنائے محمد خلق و خالق ہر دو سرا جواباً گذارش ہے کہ تمام اہل السنت علماء و محققین کا مذہب یہ ہے کہ اموات اور اہلِ قبور اپنے زائرین کو جانتے پہچانتے ہیں۔ ان کے سلام و کلام کو سنتے سمجھتے ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے فرمایا: بداں کہ تمامہ اہل السنت و الجماعت اعتقاد دارند بر ثبوت ادراکات مثل علم و سمع مر سائر اموات را از احاد بشر خصوصاً انبیاء را علیہم السلام (جذب القلوب ص ۲۰۲)

اِس دعویٰ کو دلائل کے ساتھ مدلل و مبرہن اور واضح و مبین کرنے سے پہلے چند امور بطور

تمہید بیان کرنے ضروری معلوم ہوتے ہیں تاکہ محل نزاع متعین ہوسکے اور فہم مطلوب و مقصود میں سہولت پیدا ہو جائے اور مخالفین کے استدلالات کا ضعف واضح ہو جائے۔

تمہیدی مقدّمات:

(۱) مقدمہ اُولیٰ۔ حقیقی عالم و مدرک اور سامع و فاہم صرف رُوح اور نفس انسانی ہے، خواہ حالتِ حیات ظاہرہ دنیویہ ہو، خواہ برزخیہ یا حیاتِ اُخرویہ۔ وہی روح مکلّف اور مخاطب احکام ہے، اس کے لئے جزاء و ثواب ہے اور اسی پر عذاب و عتاب ہے۔ بدن ان تمام امور میں اس کے تابع ہے۔ روح دائمی ابدی ہے نہ اس پر فنا ہے اور نہ اس میں افتراق و انتشار کا امکان۔ فناء و ہلاکت اور افتراق و انتشار صرف بدن اور اس کے اجزاء و اعضا کے لئے ہے۔ بدن میں علم و ادراک اور دیگر صفات روح کے تعلّق کی مرہون منت ہیں اور وہ تعلّق مُوت کے بعد اور قبر میں مدفون ہونے کے بعد بھی قائم رہتا ہے لہٰذا بدن میں ان صفات کا تحقق بھی ضروری ہے۔ خواہ بدن کی ہیئت باقی رہے یا بدل جائے، کیونکہ صحتِ حیات وغیرہ کے لئے بنیاد جسمانی کا برقرار رہنا ضروری نہیں جیسا کہ عنقریب دلائل سے واضح ہو جائے گا۔

امام رازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: نری جمیع فرق الدنیا من الھند والروم و العرب والعجم وجمیع ارباب الملل والنحل من الیھود والنصاریٰ والمجوس والمسلمین وسائر فرق العالم وطوائفھم یتصدقون عن موتاھم ویدعون لھم بالخیر ویذھبون الیٰ قبورھم ولولا انھم بعد موت الجسد بقوا احیاءً لکان التصدّق عنھم عبثا والدعاء لھم عبثا والدعا لھم عبثا ولکان الذھاب الیٰ زیارتھم عبثا فالاطباق علیٰ ھذہ الصدقۃ وعلیٰ ھذا الدعاء وعلیٰ ھذہ الزیارۃ یدل علیٰ ان فطرتھم الاصلیۃ السلیمۃ شاھدۃ بان الانسان شیئٌ غیر ھذا الجسد وان ذالک الشیئ لایموت بل یموت ھذا الجسد (تفسیر کبیر جلد پنجم صفحہ ۴۳۷)

ترجمہ: ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کے اطراف و اکناف یعنی ہند و روم اور عرب و عجم میں پھیلے ہوئے

تمام فرقے اور تمام مذاہب و مسالک پر کاربند لوگ یعنی یہود، نصاریٰ اور مجوس، نیز تمام مسلمان اور جہان میں موجود دوسرے گروہ اور جماعتیں اپنے اپنے فوت شدہ لوگوں کی طرف سے صدقات دیتے ہیں، ان کے لئے دُعائے خیر کرتے ہیں اور ان کی قبروں پر زیارت کے لئے جاتے ہیں۔ اگر وہ اموات اپنے اجسام کے فوت ہونے کے باوجود زندہ نہ ہوں، تو ان کی طرف سے صدقہ کرنا عبث ہو جائے گا اور ان کے لئے دُعائے خیر بے مقصد ہو جائے گی اور ان کی زیارت بے منفعت اور بیہودہ فعل ثابت ہوگی؛ لہٰذا دنیا کے تمام اہلِ مذاہب و ادیان کا صدقات، دعوات اور زیارت قبور و اموات پر اجماع و اتّفاق اس امر کی دلیلِ بیّن ہے کہ ان سب کی فطرت سلیمہ اصلیہ اس بات پر شاہدِ صادق ہے کہ انسان جسم عنصری کے علاوہ کسی اور شے کا نام ہے اور اس شے پر موت و فنا نہیں، بلکہ صرف یہ جسم خاکی فنا پذیر ہے اور یہی ہلاکت و فساد کے درپے ہے نہ کہ انسان حقیقی اور روح و نفس ناطقہ۔

اس کے بعد فخر المفسّرین والمتکلمین نے قرآن و حدیث سے اس دعویٰ پر دلائل قائم کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللّٰہ اموات بل احیاء ولکن لاتشعرون (جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کئے گئے ہیں، انہیں مردہ نہ کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں، لیکن تمہیں ان کی زندگی کا شعور نہیں)، نیز فرمایا: ولا تحسبنّ الذین قتلوا فی سبیل اللّٰہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون۔ (ان لوگوں کو مُردہ گمان نہ کرو جنہوں نے اپنی جانیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کی ہیں، بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے ہاں رزق دیئے جاتے ہیں) ارشاد خداوندی ہے النار یعرضون علیھا غدوا وعشیا (دوزخی لوگ صبح و شام دوزخ کی آگ پر پیش کئے جاتے ہیں)، اغرقوا فادخلوا نارا (فرعونی غرق کر دیئے گئے اور فوراً دوزخ کی آگ میں داخل کر دیئے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا انبیاء اللّٰہ لا یموتون بل ینتقلون من دار الیٰ دار (اللہ کے نبی فوت نہیں ہوتے، بلکہ وہ ایک مکان (دار دنیا) سے دوسرے مکان (دار برزخ) کی طرف منتقل ہوتے ہیں)، فرمایا القبر روضۃ من ریاض الجنۃ او حفرۃ من حفر النیران۔

(قبر جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا)

اَقول: امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ان آیات و احادیث سے مومنین و کفار ہر دو فریق کی موت جسمانی کے باوجود حیات روحانی اور بقائے نفسانی کو ثابت کر دیا ہے، جیسا کہ ہر صاحب عقل و دانش پر ظاہر ہے۔ انشاء اللہ العزیز بعد میں اس کی تفصیلی بحث ذکر کی جائے گی۔

ایک اور مقام پر امام رازی علیہ الرحمۃ نے فرمایا الموجود اما ان یکون ازلیا وابدیا وھو اللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ۔ واما ان یکون لا ازلیا ولا ابدیا وھو عالم الدنیا مع کل فیھا من المعادن والنباتات والحیوانات وھذا اخس الاقسام واما ان یکون ازلیا لا ابدیا وھو ممتنع الوجود لان ما ثبت قدمہ امتنع عدمہ واما لا یکون ازلیا ولکن یکون ابدیا وھو الانسان والملک۔ تفسیر کبیر جلد پنجم ص۲۱۱

خُلاصہ ترجمہ: موجودات کی چار قسمیں ہیں (۱) ازلی و ابدی، یہ اللہ رب العزت کے ساتھ مختص ہے۔ (۲) نہ ازلی نہ ابدی جیسا کہ عالم دنیا مع جمیع معدنیات، نباتات اور حیوانات کے۔ (۳) ازلی ہوں ابدی نہ ہوں۔ یہ ممتنع الوجود ہے، کیونکہ جو شیئ ازلی اور قدیم ہو، اس پر عدم طاری ہونا محال و ناممکن ہے۔ (۴) وہ موجودات ازلی نہ ہوں یعنی حادث ہوں قدیم نہ ہوں، مگر ابدی اور غیر فانی ہوں، ان کو عدم لاحق نہ ہو جیسا کہ انسان اور ملائکہ۔

امام کے کلام سے واضح ہو گیا کہ روحِ انسانی ابدی اور غیر فانی ہے۔ یہی مذہب محقق و منصور ہے۔ قرآن کریم اور احادیثِ نبویہ اس پر شاہد ہیں اور یہی قول صحیح ہے۔ اس مسئلہ کی وضاحت حیاتِ برزخیہ کے اثبات میں اور دیگر مقامات پر کی جائے گی، یہاں صرف اختصاراً بطور تمہید بیان کرنا مقصود ہے۔

مقدمۂ ثانیہ: سماعِ موتیٰ کا مسئلہ عذاب و ثواب قبر والے عقیدہ پر متفرع ہے۔ اگر قبر اور عالمِ برزخ میں اموات کے اجسام و اعضاء گل سڑ جانے اور اجزاء پراگندہ ہونے کے باوجود حیاتِ برزخیہ ثابت ہو جائے تو سماع کا اثبات بھی ممکن ہے، ورنہ یہ بھی ممکن نہیں، کیونکہ

سلام و کلام کا سننا اور سمجھنا بغیر حیوٰۃ کے ممکن نہیں ہے اور اگر اس بوسیدگی اور پراگندگی اور تغیر و تبدل کے باوجود عذاب و ثواب کا احساس و ادراک، الم عذاب اور راحتِ ثواب کا شعور و ادراک ہو سکتا ہے، تو زائرین کی معرفت اور ان کے سلام و کلام کا سماع و فہم بھی ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عذابِ قبر کے منکرین، سماعِ اموات کے بھی منکر ہیں اور عذاب و ثواب قبر کے قائل یعنی اہل السُنت والجماعت سماعِ اموات و اہل قبور کے بھی قائل ہیں۔ نیز ان دونوں عقیدوں کا اصل و فرع ہونا اور باہم متلازم ہونا معتزلہ کے پیش کردہ وجوہِ استدلال سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جائے گا۔

مُقدمۂ ثالثہ: حیات برزخ اور کفار و مشرکین اور بعض عاصی و گنہگار مومنین کے لئے عذاب اور اہلِ طاعت و مغفور مومنین کے لئے ثواب تمام اہل السنت والجماعت کے نزدیک متفق علیہ اور مُسلّم ہے، بلکہ اس نظریہ پر تمام مسلمانان خیر القرون متفق و مجتمع ہیں اور تمام تر مخالفین و منکرین بعد میں پیدا ہوئے جنہوں نے مومنین کے اجماعی عقیدہ کی مخالفت کی۔ نیز مخالفین صرف معتزلہ اور خوارج و روافض ہیں اور وہ بھی سب مخالفت میں متفق نہیں ہیں، بلکہ ان میں سے بعض اہل السنت کے ہمنوا ہیں۔ چند تصریحات ملاحظہ ہوں:

۱۔ علامہ نسفی عقائد میں فرماتے ہیں عذاب القبر للکافرین ولبعض عصاۃ المومنین والتنعیم لاھل الطاعۃ فی القبر بما یعلمہ اللہ تعالیٰ ویریدہ وسوال منکر ونکیر ثابت بالدلائل السمعیۃ۔ (عذاب قبر تمام کفار اور بعض گنہگار مومنین کے لئے اور انعام و ثواب اہل طاعت مومنین کے لئے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور چاہتا ہے اور منکر و نکیر کا قبر میں میت سے سوال کرنا دلائل سمعیہ سے ثابت ہے)

۲۔ علامہ تفتازانی نے اس کی شرح میں فرمایا وانکر ذالک بعض المعتزلہ والروافض لان المیت جماد لا حیوٰۃ لہ ولا ادراک فتعذیبہ محال۔ شرح عقائد نسفی ص۔

(اور بعض معتزلہ اور رافضیوں نے ان امور کا اس بناء پر انکار کر دیا ہے کہ میت بے جان جماد ہے نہ اس میں حیوٰۃ ہے نہ ادراک، لہٰذا اسے عذاب دینا محال ہے۔

۳۔ علامہ ابن حجر فتح الباری شرح البخاری میں امام البخاری علیہ الرحمۃ کے قول: باب ماجاء فی عذاب القبر کے تحت فرماتے ہیں: واکتفی باثبات وجوده خلافا لمن نفاه مطلقا من الخوارج وبعض المعتزلة کضرار بن عمرو وبشر المریسی ومن وافقهما وخالف فی ذلک اکثر المعتزلة وجمیع اهل السنة وغیرهم۔ فتح الباری جلد خامس۔ ص۲۰۳

(امام بخاری نے صرف اثبات عذاب قبر پر اکتفا کیا ہے تاکہ ان خارجیوں اور بعض معتزلہ کا رد کریں جنہوں نے مطلقاً عذاب قبر کی نفی کی ہے جیسے کہ ضرار بن عمرو اور بشر مریسی اور ان دونوں کے ہمنشینوں نے، لیکن اکثر معتزلہ اور تمام اہل السنّت، وغیرہم نے اس مسئلہ میں ان کی مخالفت کی ہے۔

۴۔ علامہ قسطلانی ارشاد الساری شرح بخاری میں فرماتے ہیں: قد تظاهرت الدلائل من الکتاب والسنة علی ثبوته واجمع علیه اهل السنّة۔ جلد ثانی ص۳۷۶

(کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے دلائل و براہین ثبوت عذاب قبر پر متفق ہیں اور اس پر اہل السنّت کا اجماع ہے۔

۵۔ علامہ عینی عمدۃ القاری شرح بخاری میں رقمطراز ہیں: اثبات عذاب القبر وهو مذهب اهل السنّة والجماعة وانکر ذالک ضرار بن عمرو وبشر المریسی واکثر المتاخرین من المعتزلة۔ عینی شرح بخاری جلد رابع ص۱۶۱

(عذاب قبر کا اثبات اہل السنّت کا مذہب ہے۔ ضرار بن عمرو، بشر مریسی اور اکثر متاخرین نے اس کا انکار کیا ہے۔)

۶۔ شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ العزیز لمعات شرح مشکوٰۃ میں "باب عذاب القبر" کے تحت فرماتے ہیں: لما انکر بعض المبتدعة من المعتزلة وبعض الروافض عذاب القبر وکان ثابتا بالاحادیث المشهورة التی یبلغ الحد المشترک منها حد التواتر وکان سلف الصالحین متفقین علی ذالک قبل ظهور المخالفین اهتم المؤلف لاثباته وعقد له بابا علیحدہ۔ لمعات جلد اوّل ص۱۸۹

(جبکہ بعض مبتدعین معتزلہ اور رافضیوں نے عذاب قبر کا انکار کیا، حالانکہ عذاب قبر مشہور روایات سے ثابت ہے جن کا قدر مشترک حد تواتر کو پہنچا ہوا ہے اور تمام سلف صالحین کا مخالفین کے پیدا ہونے سے پہلے اس امر پر اتفاق و اجماع تھا، اس لئے مؤلّفِ مشکوٰۃ نے عذاب قبر کے اثبات کو اہم سمجھا اور اس کے لئے الگ باب اور عنوان قائم کیا۔

۷۔ ملّا علی القاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں: قال النووی مذهب اهل السنّة اثبات عذاب القبر وقد تظاهرت علیه الادلة من الکتاب والسنة۔ مرقاۃ جلد اوّل۔ ص۱۹۷

(امام نووی نے فرمایا اہل السنّت کا مذہب یہ ہے کہ عذاب قبر ثابت ہے اور آیات کلام مجید اور احادیثِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اس پر متفق ہیں)

۸۔ امام سیوطی شرح الصدور میں فرماتے ہیں: عذاب القبر هو عذاب البرزخ (الی ان قال) ومحله الروح والبدن جمیعا باتفاق اهل السنة وکذا القول فی النعیم۔ شرح الصدور ص۷۶

(عذاب قبر، عذاب برزخ ہی ہے اور اس کا محل و متعلق باتفاق اہل السنت روح و بدن دونوں ہیں۔ نیز تنعیم اور ثواب قبر میں بھی اہل السنّت کا یہی قول ہے)

ان علمائے اسلام اور مقتدایانِ انام کی تصریحات سے واضح ہوگیا کہ قبر اور عالمِ برزخ میں حیات اور عذاب و ثواب اہل السنّت کے نزدیک بلکہ ظہور مبتدعین اور خروج مخالفین سے قبل تمام امتِ مسلمہ کے نزدیک متفق علیہ اور اجماعی نظریہ ہے اور اس میں صرف بعض معتزلہ و خوارج اور چند رافضیوں نے مخالفت کی ہے۔

تنبیہ: سماع موتیٰ کے لئے تمہیدی مقدمہ کے طور پر تو اتنا قدر کافی تھا، مگر چونکہ عذاب قبر بذاتِ خود ایک مقصودی بحث ہے اور اس کا ثبوت گویا بعینہٖ ثبوت سماع ہے، اس لئے اس مقدمہ کو اجمال کی بجائے تفصیل کے ساتھ بیان کرنا ضروری ہے اور عذاب قبر وغیرہ کے منکرین

مانعین حیوٰۃ برزخیہ اور منکرین عذاب و ثواب قبر کے تمسکات

علامہ عینی فرماتے ہیں: واحتجوا فی ذالک بقولہٖ تعالٰی لایذوقون فیھا الموت الا الموتۃ الاولٰی ای لایذوقون فی الجنۃ موتا سوی الموتۃ الاولٰی ولو صاروا احیاءً فی القبور لذاقوا الموت مرتین لا موتۃ واحدۃ۔ وبقولہٖ تعالٰی وما انت بمسمع من فی القبور فان الغرض من سیاق الآیۃ تشبیہ الکفار باھل القبور فی عدم الاسماع۔ وقالوا اما من جھۃ العقل فانا نرٰی شخصا یصلب ویبقٰی الٰی ان تذھب اجزاءہ ولا نشاھد فیہ احیاءً ولا مسائلۃ والقول بھما مع المشاھدۃ سفسطۃ ظاھرۃ وابلغ منہ من اکلتہ السباع والطیور وتفرقت اجزاءہ فی حواصلھا وابلغ منہ من احرق حتی تفتت وذری اجزاءہ المتفتتۃ فی الریاح العاصفۃ شمالاً وجنوباً وقبولا ودبورا فانا نعلم عدم احیاتہ ومسائلتہ وعذابہ ضرورۃ۔ عمدۃ القاری جلد رابع۔ صـ ۱۶۲

خلاصہ ترجمہ: مخالفین نے اس قولِ فاسد پر دو نقلی اور ایک عقلی دلیل پیش کی ہے۔ پہلی دلیل، ارشاد باری تعالٰی ہے لایذوقون فیھا الموت الا الموتۃ الاولٰی، یعنی اہل جنت جنت میں سوائے پہلی موت کے اور کوئی موت نہیں چکھیں گے اور اگر قبر میں عذاب و ثواب کے لئے زندہ ہو جائیں، تو ان پر موت دو دفعہ وارد ہوگی نہ ایک مرتبہ۔ دلیلِ ثانی، فرمانِ خداوندی وما انت بمسمع من فی القبور (یعنی اے حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم آپ اہلِ قبور کو سنانے والے نہیں ہیں) اس آیت کریمہ میں کفار کو اہل قبور کے ساتھ عدم سماع میں تشبیہ دینا مقصود ہے یعنی جس طرح اہل قبور نہیں سنتے، اسی طرح یہ کافر بھی نہیں سنتے۔ اگر قبر میں حیواۃ ہو تو ادراک

نے جو دلائل یا عقلی شبہات پیش کئے ہیں، ان کا جواب بھی ضروری ہے اور چونکہ ان مانعین عذاب قبر اور مخالفین اجماع امت نے اپنے دعوی باطل اور زعم فاسد پر جو عقلی اور نقلی دلائل قائم کئے ہیں، وہی دلائل منکرین سماع اموات نے اپنے زعم فاسد پر پیش کئے ہیں، گویا ان اخلاف نے اپنے اسلاف کی اتباع کی ہے۔ صرف عنوان و تعبیر میں اختلاف ہے۔ مقصد اور استدلالات میں پوری یکسانیت پائی گئی ہے، اس لئے ضروری ہے کہ ان شبہات کا تفصیلی تحقیقی جواب دیا جائے جو معتزلہ وغیرہ نے پیش کئے ہیں اور جن کی وجہ سے انہوں نے عذاب قبر کی نفی کی ہے تاکہ انہیں شبہات کا سماع موتی والے نظریہ پر سے بھی ازالہ ہو جائے اور ان فاسد بنیادوں پر تعمیر کردہ محل پوری طرح مسمار ہو جائے۔

وسماع بھی ہوگا۔ لہٰذا کفار کو ان سے تشبیہ دینا درست نہ رہے گا۔ تیسری عقلی دلیل یہ ہے کہ ہم ایک ایسے شخص کو دیکھتے ہیں جو کہ سولی پر چڑھایا گیا اور اتنے عرصہ تک اسے سولی پر لٹکایا گیا کہ اس کے تمام اجزاء و اعضاء بکھر گئے۔ اس میں اس تمام عرصہ کے اندر کبھی بھی زندگی کی کوئی علامت ہمیں نظر نہیں آتی اور نہ ہی سوال وجواب سننے میں آتا ہے، لہٰذا اس قسم کے مشاہدوں کے بعد بھی حیوٰۃ برزخ اور سوال منکر و نکیر کا قول کھلی فریب کاری یا واضح مغالطہ ہے اور یہ قول اس شخص کے حق میں اور بھی زیادہ بعید ہے جس کو درندے کھا جائیں اور اس کے اجزاء ان کے پیٹوں اور معدوں میں پراگندہ ہو جائیں اور اس سے بھی بعید تر اس شخص کے حق میں ہے جس کو جلا دیا جائے، حتّٰی کہ ریزہ ریزہ ہو جائے اور پھر اس کے ذرات متفرقہ کو شمال وجنوب اور مشرق ومغرب میں چلنے والی آندھیوں کے اندر اڑا دیا جائے تو ایسی حالت میں اس شخص کا زندہ نہ کیا جانا اور اس سے سوال وجواب نہ ہونا اور اسے عذاب نہ دیا جانا ہمیں قطعی طور پر بداہۃً معلوم ہے۔

معتزلہ وغیرہ کے دلائل اور ان منکرین سماع کے دلائل سے صاف ظاہر ہے کہ دونوں کی راہ ایک ہے اور منزل بھی ایک۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ہم اوّلاً مذہب اہل السُنّت والجماعت اور مسلک سلف صالحین کو ادلہ قاطعہ قرآن وسنت سے ثابت کریں اور بعد ازاں مخالفین ومنکرین کے شبہات کا جواب ذکر کریں تاکہ منکرین سماع موتیٰ کے مبنیٰ فاسد کو باطل کرنے کے بعد ان کے زعم باطل کا بطلان خود بخود واضح ہو جائے لیکن اس سے قبل عذاب القبر کے مفہوم ومعنی کی تحقیق ضروری ہے کیونکہ مخالفین کو یہاں سخت دھوکہ ہوا ہے۔

قبر کے ثواب و عذاب کا مفہوم

عذاب قبر سے مراد عذاب عالم برزخ ہے یعنی عالم دنیا سے رخصت ہونے کے بعد اور قیامِ قیامت سے پہلے جو جہان ہے اس کا نام برزخ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ومن ورائهم برزخ الیٰ یوم یبعثون (اور ان کی وفات سے یوم بعث اور قیامت تک عالم برزخ ہے)۔

۱۔ امام سیوطی نے فرمایا: عذاب القبر هو عذاب البرزخ اضیف الی القبر لانه الغالب والا فكل ميت اذا اراد الله تعذيبه ناله ما اراد به قبر او لم يقبر ولو صلب او غرق فی البحر او اكلته الدواب او حرق حتى صار رمادا او ذری فی الریاح ومحله الروح والبدن جميعا باتفاق اهل السنة وكذا القول فی النعيم شرح الصدور للامام السيوطی ص۷۵۔

ترجمہ: عذاب قبر سے مراد عذاب برزخ ہے اور اسے قبر کی طرف مضاف ومنسوب اس لئے کیا گیا ہے کہ اموات کا قبروں میں مدفون ہونا غلب واکثر ہے ورنہ ہر میت قبر میں مدفون ہو یا نہ ہو جب بھی اللہ تعالیٰ اسے عذاب دینا چاہے گا اسے وہ عذاب جس کا اللہ نے اس کے حق میں ارادہ فرمایا ہے پہنچ جائیگا اگرچہ اسے سولی پر چڑھا دیا جائے یا سمندر میں غرق کر دیا جائے، خواہ اسے درندے کھا جائیں یا اسے جلا کے راکھ بنا دیا جائے یا آندھیوں میں اڑا دیا جائے اور اس عذاب اور جزا وسزا کا تعلق میت کے روح وبدن دونوں کے ساتھ ہے۔ بالاتفاق اہل السنت اور یہی مذہب ومسلک ثواب قبر میں بھی ہے۔

۲۔ علامہ تفتازانی شارح عقائدِ نسفیہ فرماتے ہیں، حتیٰ انّ الغریق فی الماء والماکول فی بطون الحیوانات والمصلوب فی الھوا یعذّب وان لم نطلع علیہ۔

(پانی میں غرق ہونے والے، میت، حیوانات کی خوراک بن کر ان کے بطون میں پہنچنے والے اور کھلی فضا میں سولی پر لٹکائے جانے والے مردے عذاب دیئے جاتے ہیں، اگرچہ ہم اس پر مطلع نہ بھی ہوں)

۳۔ علامہ خیالی حاشیہ شرحِ عقائد میں فرماتے ہیں، واما تعذیب الماکول بخلق نوع من الحیوٰۃ فی بطن الآکل فواضح الامکان کدودۃ فی الجوف او فی خلال البدن فانھا تتالم و تتلذذ بلا شعور منا۔ خیالی ص۱۱۸۔

(جانوروں کی غذا بننے والوں کو ایک طرح کی زندگی عطا کر کے جانوروں کے پیٹ میں عذاب دیئے جانے کا امکان واضح ہے، جیسا کہ جراثیم اور کیڑے جو کہ پیٹ یا بدن کے خلا میں پائے جاتے ہیں، ان میں بعض رنج و الم سے دوچار ہوتے ہیں اور بعض لذت و راحت میں وقت گذارتے ہیں، حالانکہ ہمیں شعور نہیں ہوتا کہ وہ رنج و الم میں ہیں یا لذت و راحت میں، حالانکہ وہ ہمارے بدن میں موجود ہوتے ہیں۔

۴۔ علامہ ابنِ قیم کتاب الروح میں فرماتے ہیں، ومما ینبغی ان یعلم عذاب القبر ھو عذاب البرزخ فکل من مات وھو مستحق للعذاب نالہ نصیبہ منہ قبر اولم یقبر فلوا کلتہ السباع او احرق حتیٰ صار رماداً او نسف فی الھواء او صلب او غرق فی البحر وصل الی روحہ وبدنہ من العذاب ما یصل الی القبور۔ کتاب الروح ص۹۱

(یہ جان لینا مناسب و موزوں ہے کہ عذاب قبر عذاب برزخ کا نام ہے؛ لہٰذا ہر وہ شخص جو فوت ہو جائے اور وہ مستحق عذاب ہو، اسے عذاب میں سے اپنا مقدر حصہ مل جائے گا خواہ دفن کیا جائے یا نہ، پس اگر اسے درندے کھا جائیں یا اسے جلا دیا جائے حتیٰ کہ راکھ بن جائے اور ہوا میں اڑا دیا جائے یا سولی پر چڑھا دیا جائے یا سمندر میں غرق کر دیا جائے۔ اس کے روح و

بدن کو اسی طرح عذاب پہنچ جائے گا جس طرح کہ قبروں میں عذاب اہل قبور کو پہنچتا ہے۔

ان تصریحات سے واضح ہو گیا کہ عالم البرزخ اہل قبور کو اور ان سب لوگوں کو جو غرق ہوئے یا درندوں کا لقمہ بن گئے یا جلا کر راکھ بنا دیئے گئے شامل ہے اور ان کے عذاب و ثواب پر مشتمل ہے، اور یہ عذاب و ثواب صرف روح کو نہیں بلکہ بدن کو بھی پہنچتا ہے اور یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ عذاب برزخ کو عذاب قبر سے تعبیر اس لئے کیا جاتا ہے کہ عام طور پر میت قبروں میں دفن کئے جاتے ہیں۔ لہٰذا ان عبارات اور اس قسم کی دوسری عبارات میں اس توہم کی ہرگز گنجائش نہیں کہ سرے سے قبر میں عذاب ہی نہیں، کیونکہ قبر بھی عالم برزخ کا فرد یا قسم ہے اور برزخ کا عذاب و ثواب اہلِ قبور کو اپنی اپنی قبروں میں پہنچتا ہے، اور غریق وغیرہ کو اپنے اپنے مستقر میں۔

قبر اور عالم برزخ کا معنیٰ و مفہوم واضح ہو جانے کے بعد عذاب قبر اور برزخ کے عذاب و ثواب اور حیٰوۃ برزخیہ کے دلائل ملاحظہ ہوں:

حیوٰۃ برزخیہ اور عذاب و ثواب عالمِ برزخ پر دلائل

آیاتِ قرآنیہ:

دلیلِ اوّل: قال اللہ تعالیٰ مما خطیئٰتھم اغرقوا فادخلوا نارًا۔

(مخالفین نوح علیہ السلام، اپنے گناہوں کی وجہ سے غرق کئے گئے اور فوراً آگ میں داخل کئے گئے۔)

وجہِ استدلال: (۱) دخولِ نار کو غرق پر مترتب کیا گیا ہے اور لفظ فا سے اسے تعبیر کیا گیا جو کہ فوری ترتب پر دلالت کرتی ہے اور قیامِ قیامت کے بعد جہنم میں داخل ہونا تو بہت دور ہے لہٰذا یہاں دخولِ نار سے مراد عذابِ برزخ ہے۔

(۲) اُدخلوا نارًا جملہ ماضویہ ہے جو کہ نزولِ آیت سے قبل عذابِ نار میں مبتلا ہونے کی حکایت ہے جیسا کہ اُغرِقوا ابھی نزولِ آیت سے قبل ماضی بعید میں ان لوگوں کے طوفانِ بلا میں غرق ہونے کی حکایت ہے لہٰذا معطوف علیہ اور معطوف دونوں کا ماضی سے حکایت ہونا ضروری ہے تاکہ ان میں توافق و تناسب پیدا ہو جائے؛ لہٰذا معطوف کا تحقق ماضی میں ثابت ہو گیا اور یہی عذابِ برزخ ہے، کیونکہ عذابِ دوزخ قیامت کے بعد ہوگا۔

(۳) اغراق معطوف علیہ کا تعلق ابدان سے ہے؛ لہٰذا ادخالِ نار کا تعلق بھی ابدان سے ہوگا یعنی جس طرح کہ غرق ان ابدان کو کیا گیا جن کے ساتھ روح کا تعلق تھا، اسی طرح آگ میں عذاب بھی ان ابدان کو ہوگا جن سے ارواح کا تعلق ہوگا، اگرچہ تعلق کی نوعیت و کیفیت مختلف ہوگی۔

دلیلِ دوم: وحاق بآل فرعون سوء العذاب النار یعرضون علیھا غدوا

وعشیا ویوم تقوم الساعۃ ادخلوا آل فرعون اشد العذاب۔

(فرعون اور اس کے متبعین کا سخت ترین عذاب نے احاطہ کر لیا۔ وہ صبح و شام آگ پر پیش کئے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہوگی، اللہ رب العزت ملائکہ کو حکم فرمائے گا کہ فرعونیوں کو شدید ترین عذاب میں داخل کر دو۔)

علامہ ابن حجر فتح الباری میں فرماتے ہیں: قال القرطبی الجمھور علیٰ ان ھذا العرض یکون فی البرزخ وھذا حجۃ فی تثبیت عذاب القبر وقال غیرہ وقع ذکر عذاب الدارین فی ھذہ الآیۃ مبینا مفسرًا۔ فتح الباری، جلد خامس ص۲۰۳ مطبع الفاری دہلی۔

(علامہ قرطبی نے کہا جمہور علما کا مذہب یہ ہے کہ النار یعرضون علیھا سے عالمِ برزخ میں آگ پر پیش کیا جانا مراد ہے اور یہ آیتِ کریمہ اثباتِ عذابِ قبر میں حجت و دلیل ہے۔ علامہ قرطبی کے علاوہ دوسرے علما حضرات نے فرمایا کہ اس میں دارِ آخرت اور عالمِ برزخ دونوں کے عذاب کا واضح اور تفصیلی بیان ہے۔)

امام رازی نے فرمایا: احتج اصحابنا بھذہ الایۃ علیٰ اثبات عذاب القبر۔ قالوا الایۃ تقتضی عرض النار علیھم غدوۃ وعشیاً ولیس المراد منہ یوم القیامۃ لانہ قال ویوم تقوم الساعۃ ادخلوا آل فرعون اشد العذاب۔ ولیس المراد منہ الدنیا لان عرض النار علیھم غدوا وعشیاً ماکان حاصلاً لھم فی الدنیا فثبت ان ھذا العرض انما حصل بعد الموت وقبل یوم القیامۃ و ذالک یدل علیٰ اثبات عذاب القبر فی حق ھؤلاء واذا ثبت فی حقھم ثبت فی حق غیرھم اذ لا قائل بالفصل والفرق۔ تفسیر کبیر۔ جلد سابع ص۳۱۷۔

خلاصہ ترجمہ: ہمارے علمائے متکلمین نے اس آیتِ شریفہ سے عذابِ قبر کے اثبات پر استدلال کیا۔ انہوں نے فرمایا اس آیتِ کریمہ سے فرعونیوں پر صبح و شام آگ کا پیش کیا جانا معلوم ہوتا ہے۔ آگ پر ان کی پیشگی تین حال سے خالی نہیں یا قیامت کے دن ہوگی یا دنیا کے اندر اور

یا عالم برزخ میں۔ شق اوّل اس لئے صحیح نہیں کہ عذاب اخروی کا بیان ویوم تقوم الساعة ادخلوا آل فرعون اشد العذاب میں موجود ہے اور دنیوی عذاب مراد لینا اس لئے غلط ہے کہ دنیا میں صبح وشام آگ پر پیش کیا جانا ان کے حق میں قطعاً ثابت نہیں؛ لہٰذا یہ عذاب موت کے بعد اور قیامت سے پہلے عالمِ برزخ میں ہے؛ لہٰذا یہاں سے فرعونیوں کے حق میں عذاب قبر وبرزخ ثابت ہوگیا اور چونکہ فرعونیوں اور دیگر کفار و مشرکین کے انجام وعاقبت میں فرق وفصل کا کوئی بھی قائل نہیں، تاکہ ان کے لئے عذاب برزخ ثابت ہو اور دوسروں کے لئے نہ ہو، لہٰذا سب کے لئے عذاب قبر وبرزخ اس آیتِ کریمہ سے ثابت ہوگیا۔

(نوٹ) اس آیت کریمہ کی تفسیر و تحقیق عینی جلد رابع ص۲۲۲ و قسطلانی جلد ثانی ص۲۷۷ نول کشور اور کتاب الروح لابن القیم ص۱۲ پر بھی ملاحظہ فرمائیں۔

دلیل ثالث: قال الله تعالیٰ سنعذبهم مرتين ثم يردون الى عذاب عظيم۔ (ہم عنقریب ان (منافقین) کو دوبار عذاب دیں گے، پھر انہیں عذاب عظیم کی طرف لوٹایا جائے گا)

روى الطبراني وابن ابي حاتم من طريق السدى عن ابي مالك عن ابن عباس قال خطب رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم الجمعة فقال اخرج يا فلان فانك منافق اخرج يا فلان فانك منافق فاخرج من المسجد ناسا منهم ففضحهم فجاء عمر بن الخطاب رضى الله عنه وهم يخرجون من المسجد فاختبأ منهم حياء انه لم يشهد الجمعة وظن الناس قد انصرفوا واختبؤا هم عن عمر رضى الله عنه ظنوا انه قد علم بهم فجاء عمر فدخل المسجد فاذا الناس لم يصلوا فقال له رجل من المسلمين ابشر يا عمر فقد فضح الله المنافقين فقال ابن عباس فهذا العذاب الاول حين اخرجهم من المسجد والعذاب الثاني عذاب القبر وكذا قال الثوري عن السدى عن ابي مالك نحوه۔ تفسیر ابن کثیر جلد ثانی ص۳۸۴۔ عمدة القاری جلد رابع ص۲۲۱ و فتح الباری

ص۲۰۳۔ جلد خامس۔

ترجمہ: طبرانی اور ابن ابی حاتم نے بہ سند سدی عن ابی مالک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن خطبہ دیا اور فرمایا اے فلاں نکل جا، کیونکہ تو منافق ہے، اے فلاں مسجد سے نکل جا کیونکہ تو منافق ہے۔ پس مسجد شریف سے منافقین کے چند آدمیوں کو نکال دیا اور انہیں رسوا کیا۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ میں اس وقت آئے جبکہ یہ لوگ مسجد سے نکل رہے تھے۔ آپ ان لوگوں سے چھپ گئے۔ اس شرم سے کہ میں جمعہ میں حاضر نہ ہوسکا اور مسلمان جمعہ سے فارغ ہوکر گھروں کو لوٹ رہے ہیں۔ ادھر منافق یہ سمجھتے ہوئے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہماری رسوائی کا علم ہوچکا ہے، ان سے روپوش ہوگئے۔ جب حضرت عمر مسجد میں داخل ہوئے تو حضرات صحابہ ابھی اسی طرح بیٹھے تھے نماز جمعہ ادا نہیں کی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک صحابی نے کہا، تمہارے لئے مژدہ ہو اللہ تعالیٰ نے منافقین کو رسوا کردیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا۔ یہ ہے منافقین کے لئے پہلا عذاب جبکہ انہیں ذلت و رسوائی کے ساتھ مسجد نبوی سے نکالا گیا اور دوسرا عذاب، عذاب قبر ہے۔

عن الحسن سنعذبهم مرتين عذاب الدنيا وعذاب القبر وقال الطبرى والاغلب ان احدى المرتين عذاب القبر والاخرى تحتمل احد ما تقدم من الجوع او السبى او القتل او الاذلال۔ فتح البارى۔ جلد خامس ص۲۰۳ وكذا فى ارشاد السارى للقسطلانى جلد ثانى ص۲۷۷۔

(حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے سنعذبهم مرتين کی تفسیر میں منقول ہے کہ مراد عذاب دنیا اور عذاب قبر ہے۔ علامہ طبری نے فرمایا اغلب یہ ہے کہ دو باروں میں سے ایک بار کا عذاب۔ عذاب قبر اور دوسری بار کے عذاب سے پہلے ذکر کردہ عذابوں یعنی بھوک، قید، قتل یا ذلت و رسوائی میں سے کوئی ایک عذاب مراد ہے۔

الغرض اس آیت کریمہ سے قطعی طور پر عذاب برزخ و قبر ثابت ہوگیا۔

دلیل رابع: قال اللہ تعالیٰ ربنا امتنا اثنتین و احییتنا اثنتین فاعترفنا بذنوبنا فھل الیٰ خروج من سبیل۔

(اللہ تعالیٰ نے نارِ جہنم میں جلنے سڑنے والے کفار کی طرف سے حکایت کرتے ہوئے فرمایا۔
اے ہمارے رب تونے ہمیں دو بار موت سے دوچار کیا اور دو بار زندگی عطا کی۔ پس ہم نے اپنے گناہوں کا اعتراف کرلیا۔ کیا ہمارے لئے عذابِ جہنم سے بچ نکلنے کا کوئی راستہ ہے۔

(۱) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کریمہ کے تحت فرماتے ہیں: احتج اکثر العلماء بھذہ الایۃ فی اثبات عذاب القبر و تقریر الدلیل انھم اثبتوا لانفسھم موتتین حیث قالوا ربنا امتنا اثنتین فاحدیٰ الموتتین مشاھد فی الدنیا فلا بد من اثبات حیوٰۃ اخریٰ فی القبر حتیٰ یصیر الموت الذی یحصل عقیبھا موتا ثانیا وذالک یدل علیٰ حصول الحیواۃ فی القبر (الیٰ)، وبیانہٗ انّ المذکور فی الآیۃ انّ اللہ اماتھم ولفظ الاماتۃ مشروط بسبق حصول الحیواۃ اذلوکان الموت حاصلا قبل ھذہ الحالۃ امتنع کون ھذہ اماتۃ والا لزم تحصیل الحاصل وھو محال وھذا بخلاف قولہٗ تعالیٰ کنتم امواتا فاحیاکم فانّ المذکور فی ھذہ الآیۃ انھم کانوا امواتا ولیس فیھا انّ اللہ اماتھم بخلاف الایۃ التی نحن فی تفسیرھا لانھا تدل علیٰ ان اللہ اماتھم مرّتین وقد بیّنا ان لفظ الاماتۃ لایصدق الاعند سبق الحیواۃ فظھر الفرق۔ انتھی بقدر ما یقتضیہ المقام ولیاتی لبعض المباحث المذکورۃ فی التفسیر الکبیر ھھنا فی جواب الشبھۃ الثانیۃ۔ تفسیر کبیر جلد سابع ص۲۹۰

توجمہ وملخص: اکثر علماء کرام نے اس آیتِ کریمہ سے عذاب قبر اور حیوٰۃ برزخیہ کے ثبوت پر استدلال کیا ہے تقریرِ دلیل یوں ہے کہ ان لوگوں نے اپنے لئے دو عدد موتیں ذکر کی ہیں، جبکہ انہوں نے کہا اے ہمارے رب تونے ہم کو دو دفعہ موت سے ہمکنار کیا۔ ان دو میں سے ایک موت تو دنیا کے اندر مشاہدہ سے معلوم ہوچکی؛ لہٰذا دُوسری حیوٰۃ قبر کے بعد تسلیم کرنی لازم ہوئی تاکہ اس

زندگی کے بعد حاصل ہونے والی موت، موت ثانی بن سکے اور موت ثانی کا بغیر سبقت حیوٰۃ کے تحقق ممکن نہیں؛ لہٰذا قبر میں حیوٰۃ ثابت ہوجائے گی اور حیوٰۃ قبر کے ثبوت کا بیان یہ ہے کہ آیت میں وضاحت سے فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو فوت کیا اور فوت کرنا یا موت طاری کرنا (اماتت) مشروط ہے۔ سبق حیوٰۃ کے ساتھ بغیر تقدم حیوٰۃ کے اماتت متصور نہیں ہوسکتی، کیونکہ اگر حالت اماتت (موت طاری کرنے) سے پہلے موت حاصل ہو تو بعد میں وارد ہونے والی حالت کو اماتت کہنا ممتنع ہوگا ورنہ تحصیل حاصل لازم آئے گی، کیونکہ اماتت پر وہی موت مترتب ہونی ہے جو کہ پہلے حاصل ہے، تو اب دوبارہ موت طاری کرنے کا کیا مطلب؟

ہوسکتا تھا کہ کوئی یہ گمان کرے کہ یہاں دنیا میں پیدا ہونے سے پہلی حالت کو اماتت (خلق موت) سے تعبیر کردیا گیا ہے جس طرح کہ کنتم امواتا فاحیاکم میں یعنی تم پہلے مردہ تھے، پھر ہم نے تم کو زندگی بخشی تو امام رازی نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ آیت کنتم امواتا فاحیاکم سے مختلف ہے، کیونکہ اس آیت میں فرمایا "تم مردہ تھے ہم نے تم کو زندگی عطا فرمائی" یہ نہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم میں موت کو پیدا فرمایا بخلاف اس آیتِ کریمہ کے جس کی تفسیر میں ہم کلام کررہے ہیں یہاں ان پر دو دفعہ موت طاری کرنے کا بیان ہے اور ہم واضح کرچکے ہیں کہ اماتت بغیر تقدم حیوٰۃ کے متصور نہیں ہوسکتی؛ لہٰذا دونوں آیتوں میں فرق ظاہر ہوگیا اور یہی تقریر علامہ عینی نے بھی عمدۃ القاری جلد ۴ ص ۱۶۱ پر بیان فرمائی ہے۔

علامہ عینی اور امام رازی کی تقریروں سے اس آیت کریمہ سے حیوٰۃ برزخیہ پر استدلال کی حقیقت وحقانیت روزِ روشن کی طرح واضح ہوگئی۔ اس استدلال پر کچھ شبہات ہیں، ان کا جواب امام رازی ہی کے بیان سے شبہ ثانیہ کے جواب میں ذکر کیا جائے گا۔

دلیل خامس: قال اللہ تعالیٰ یثبّت اللہ الذین آمنوا بالقول الثابت فی الحیواۃ الدنیا وفی الاخرۃ۔

ترجمہ: ثابت قدم رکھتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ ایمان والوں کو قولِ ثابت اور کلامِ حق

کے ذریعے حیواۃ دنیا اور حیواۃ آخرت میں۔

<u>وجہ استدلال</u>: اس آیت کریمہ میں احادیثِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور تصریح محدثین ومفسرین کے مطابق مومن کو قبر کے اندر ثابت قدم رکھنے اور اسے صحیح جوابات دینے کی توفیق عطا فرمانے کا بیان ہے تاکہ فرشتوں کی غیر مانوس اور اجنبی ڈراؤنی شکلیں اور قبر کی تنہائی اور وحشت اسے صحیح جواب دینے میں مانع نہ ہو سکیں۔

لہٰذا اس آیت کریمہ سے بھی حیواۃ قبر کا ثبوت واضح ہو گیا اور مزید تفصیل اور تحقیق اس استدلال کی احادیث نبویہ کے ضمن میں آجائے گی۔

دلیل سادس: ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون۔

(وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں قتل کئے گئے ہیں، انہیں مردہ نہ کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں، لیکن تمہیں ان کی زندگی کا شعور نہیں)

دلیل سابع: ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاءٌ عند ربھم یرزقون فرحین بما آتاھم اللہ من فضلہٖ و یستبشرون بالذین لم یلحقوا بھم من خلفھم الا خوفٌ علیھم ولا ھم یحزنون ٥

ترجمہ: اور نہ گمان کرو مردہ ان لوگوں کو جو کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتل کیے گئے، بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے رب کے ہاں رزق دیئے جاتے ہیں۔ خوش ہیں انعامات پر جو اللہ تعالیٰ انے انہیں اپنے فضل سے عطا فرماتے ہیں اور وہ شہداء اپنے پچھلوں کی وجہ سے خوشیاں مناتے ہیں جو ابھی ان سے نہیں ملے کہ ان پر کچھ خوف اور حزن نہیں ہے۔

<u>وجہ استدلال</u>۔ ان دونوں آیاتِ کریمہ سے بھی حیواۃ قبر اور ثواب عالم برزخ ظاہر ہے کیونکہ میدان جہاد میں کفار کی تیغ جفا سے جن لوگوں کا رشتۂ جان منقطع ہو گیا اور وہ اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ دنیوی حیواۃ کا فقدان ان میں ظاہر ہے اور اُخروی حیات سب کو حاصل ہوگی لہٰذا شہداً

کے لئے جو حیات اس مقام پر ثابت کی گئی ہے، وہ حیات برزخ و قبر ہے۔ نیز جو لوگ ابھی ان کے ساتھ لاحق نہیں ہوئے۔ ان کے انجام اور حسن عاقبت یعنی خوف وہراس اور غم و اندوہ سے محفوظ ہونے کی وجہ سے خوش ہونا بھی ہمارے دعویٰ کی روشن دلیل ہے، کیونکہ میدانِ محشر میں تو سبھی اکٹھے ہوں گے، وہاں "الذین لم یلحقوا بھم" کیسے متصور ہو سکتا ہے۔ نیز یرزقون اور بما آتاھم اللہ سے ثواب قبر واضح ہے۔ نیز محض روحانی زندگی ہر ایک کی سمجھ میں آسکتی ہے جیسا کہ ملائکہ کی زندگی اگر ہمیں شعور نہیں تو صرف اس زندگی کا جو روح کے انفصال اور بدن کے اجزاء منتشر ہونے کے باوجود ایک نامعلوم اور غیر محسوس ربط و تعلق کی بناء پر پائی گئی ہے لہٰذا "ولکن لا تشعرون" روح و جسم دونوں کی زندگی پر ناطق دلیل ہے اور شاہد صادق (تفسیر مظہری اور فتاویٰ عزیزیہ کے حوالے سے مزید تشریح آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں۔

دلیل ثامن: واسئل من ارسلنا من قبلک من رسلنا أجعلنا من دون الرحمٰن آلھۃ یعبدون۔

ترجمہ: اور آپ ان رسولوں سے دریافت کرلیں جو ہم نے آپ سے پہلے مبعوث فرمائے، کیا ہم نے رب رحمٰن کے علاوہ ایسے معبود بنائے ہیں جو قابلِ عبادت ہوں۔

<u>وجہ استدلال</u>: اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ پہلے رسولوں سے استفسار فرمالیں اور ان سے استفسار اور سوال بغیر ان کی حیواۃ کے ممکن نہیں۔ نیز یہ سوال دار تکلیف یعنی دار دنیا میں تحقیق توحید اور نفی شرک کے لئے ہے، لہٰذا اخروی زندگی پر اس کا محمول کرنا بھی باطل ہے تو عالم برزخ میں انبیاء ورسل علیہم السلام کے لئے حیواۃ ثابت ہوگئی وھو المطلوب فی ھذا المقام۔

(نوٹ) اس کے علاوہ بہت سی آیات عذاب قبر، حیواۃ برزخ پر صراحۃً دلالت کرنے والی قرآن کریم میں موجود ہیں۔ خوفِ طوالت سے انہیں اور ان کے وجوہ استدلال کو یہاں درج نہیں کیا گیا؛ البتہ عربی رسالہ میں قدر معتد بہ زائد ذکر کیا گیا ہے۔

<u>احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام</u>

(۱) اخرج البخاری عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ

وسلم۔ عذاب القبر حق۔ شرح صدور ص۶۶ - مشکوٰۃ باب اثبات عذاب القبر ص۲۵

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عذاب قبر حق ہے۔

(۲) اخرج الشیخان وبن ابی شیبۃ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا انّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال انّ اهل القبور یعذّبون فی قبورهم عذاباً تسمعه البهائم وکذا عن ام مبشر قالت یارسول اللہ وانهم لیعذبون فی قبورهم قال نعم عذابا تسمعه البهائم۔ کتاب الروح لابن القیم ص۸۲۔

ترجمہ۔ بخاری مسلم اور ابن ابی شیبہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل قبور کو قبروں میں عذاب دیا جاتا ہے جسے چار پائے سنتے ہیں اور ایسے ہی حضرت ام مبشر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے عرض کی یارسول اللہ کیا اہل قبور عذاب دیئے جاتے ہیں، تو آپ نے فرمایا، ہاں انہیں ایسا عذاب دیا جاتا ہے جس کو چارپائے سنتے ہیں۔

(۳) اخرج بن ابی شیبۃ والشیخان عن بن عباس رضی اللہ عنهما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرّ علیٰ قبرین فقال انهما لیعذبان وما یعذّبان فی کبیر اما احدهما فکان لایستتر من البول واما الآخر فکان یمشی بالنمیمۃ ثم اخذ جریدۃ رطبۃ فشقها باثنین فجعل علیٰ کل قبر واحدۃ فقالوا یارسول اللہ لم فعلت هذا قال لعلّه یخفف عنهما مالم ییبسا۔ کتاب الروح ص۸۲ ۔بخاری شریف۔ باب عذاب القبر۔ مشکوٰۃ شریف۔

ترجمہ: ابن ابی شیبہ اور امام بخاری و امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں پر گزرے اور فرمایا کہ ان دو قبروں والوں کو عذاب دیا جارہا ہے اور کسی ایسے جرم میں عذاب نہیں دیئے جارہے جس سے بچنا ان کے لئے

مشکل تھا۔ ان میں سے ایک پیشاب کے چھینٹوں سے اپنے آپ کو نہیں بچاتا تھا اور دوسرا چغلیاں کھایا کرتا تھا۔ پھر آپ نے کھجور کی ایک شاخ لے کر اسے دو حصوں میں تقسیم کردیا اور ہر ایک قبر پر ایک حصہ رکھ دیا۔ صحابہ نے عرض کی جناب نے اس طرح کیوں کیا، تو آپ نے فرمایا جب تک یہ دونوں حصے خشک نہیں ہوں گے، امید ہے کہ ان کے عذاب میں تخفیف کردی جائے گی۔

(۴) قال علیہ الصلوٰۃ والسلام القبر روضۃ من ریاض الجنۃ اوحفرۃ من حفر النیران ۔ رواہ الترمذی عن ابی سعید والطبرانی عن ابی هریرۃ۔ نبراس ص۳۲۰ وشرح عقائد۔ مشکوٰۃ شریف باب البکاء والخوف۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قبر جنت کے باغات اور سبزہ زاروں میں سے ایک باغ و سبزہ زار ہے اور یا آگ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا۔

(۵) قال علیہ الصلوٰۃ والسلام اذا قبر المیت اتاه ملکان اسودان ازرقان یقال لاحدهما المنکر وللآخر النکیر فیقولان ماکنت تقول فی هذا الرجل فیقول هو عبداللہ ورسوله اشهد انّ لا الٰه الّا اللہ وانّ محمدا عبده ورسوله فیقولان قد کنا نعلم انک تقول هذا یفسح له فی قبره سبعون ذراعا فی سبعین ثمّ ینور له فیه ثم یقال له نم فیقول ارجع الیٰ اهلی فاخبرهم فیقولان له نم کنومة العروس الذی لا یوقظه الّا احب اهله الیه حتیٰ یبعثه اللہ من مضجعه ذالک وان کان منافقا قال سمعت الناس یقولون قولا فقلت مثله لا ادری فیقولان کنّا نعلم انک تقول ذالک فیقال للارض التئمی علیه فیلتئم علیه حتیٰ تختلف اضلاعه فلا یزال فیها معذباً حتیٰ یبعثه اللہ من مضجعه ذالک۔ رواہ الترمذی وابن ابی الدنیا والبیهقی نبراس ص۳۲۰ مشکوٰۃ بروایۃ الترمذی ص۲۵

ترجمہ: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میت قبر میں رکھا جاتا ہے، تو اس کے پاس دو فرشتے سیاہ رنگ نیلگوں آنکھوں والے آتے ہیں، ان میں سے ایک کو منکر اور دوسرے

کو نکیر کہتے ہیں۔ پس وہ دونوں میت کو کہتے ہیں کہ تو اس ذاتِ اقدس درسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم، کے متعلق کیا نظریہ اور عقیدہ رکھتا تھا، وہ جواب میں کہتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے عبدِ خاص اور رسول ہیں، اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ پس وہ دونوں فرشتے کہتے ہیں ہم پہلے ہی جانتے تھے کہ تو اس طرح کہے گا۔ اس بندۂ مومن کی قبر میں چاروں طرف ستر ستر ہاتھ توسیع کر دی جائے گی، پھر اس میں نورانیت اور روشنی پیدا کر دی جائے گی اور اسے کہا جائے گا، آرام کرو، پس وہ کہے گا میں اپنے اہل وعیال کی طرف جاتا ہوں اور انہیں اپنی کامیابی اور حسنِ انجام کی خبر دیتا ہوں، پس وہ فرشتے کہیں گے تو اس دلہن نو بیاہتا کی طرح اپنے مسکن میں آرام کر جسے سوائے اپنے محبوب ترین اہل کے کوئی اٹھا نہیں سکتا۔ پس وہ شخص اس طرح آرام میں رہے گا، حتیٰ کہ اسے اللہ تعالیٰ اس آرامگاہ سے قیامت کو اٹھائے گا۔ اگر میت منافق ہوگا تو فرشتوں کو جواب میں کہے گا میں نے لوگوں کو کچھ کہتے سنا، تو میں نے ویسے ہی کہہ دیا، میں حقیقتِ حال سے بے خبر ہوں۔ فرشتے کہیں گے ہم پہلے سے جانتے تھے کہ تو اس طرح کہے گا۔ پس زمینِ قبر کو حکم دیا جائے گا کہ اس پر سکڑ جا اور اسے دبوچ لے۔ پس زمین اس پر اس طرح مل جائے گی کہ اس کی ہڈیاں ایک دوسری میں دھنس جائیں گی اور وہ ہمیشہ قبر میں عذاب دیا جاتا رہے گا، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اسے قبر سے قیامت کے دن اٹھائے گا۔

(۶) عن البراء بن عازب رضی اللہ عنہ، عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم قال یاتیہ ملکان فیجلسانہ فیقولان لہٗ من ربّک فیقول ربی اللہ فیقولان ما دینک فیقول دینی الاسلام فیقولان ما ھذا الرجل الّذی بعث فیکم فیقول ھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم فیقولان لہٗ وما یدریک فیقول قرءت کتاب اللہ فآمنت بہ وصدقت فذالک قولہ یثبّت اللہ الذین آمنو بالقول الثابت فی الحیواۃ الدنیا وفی الآخرۃ قال فینادی منادٍ من السماء ان صدق عبدی فافرشوہ من الجنۃ والبسوہ من الجنۃ وافتحوا لہٗ باباً الی الجنۃ فیفتح

قال فیاتیہ من روحھا وطیبھا ویفسح لہ فیھا مد بصرہ واما الکافر فذکر موتہ، قال ویعاد روحہ، فی جسدہ ویاتیہ ملکان فیجلسانہ فیقولان من ربک فیقول ھاہ ھاہ لا ادری فیقولان ما دینک فیقول ھاہ ھاہ لا ادری فیقولان ما ھذا الرجل الّذی بعث فیکم فیقول ھاہ ھاہ لا ادری فینادی مناد من السماء ان کذب فافرشوہ من النار والبسوہ من النّار وافتحوا لہ باباً الی النّار قال فیاتیہ من حرھا وسمومھا قال ویضیق علیہ قبرہ حتّی تختلف فیہ اضلاعہ ثم یقیض لہٗ اعمیٰ واصم معہ مرزبۃ من حدید لوضرب بھا جبل لصار تراباً فیضربہ بھا ضربۃ یسمعھا ما بین المشرق والمغرب الّا الثقلین فیصیر تراباً ثمّ یعاد فیہ الروح۔ رواہ احمد وابوداؤد۔ مشکوٰۃ باب عذاب القبر۔

ترجمہ: براء بن عازبؓ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ میت کو قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں جو اس کو بٹھا دیتے ہیں کہتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے، وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے، وہ پوچھتے ہیں تیرا دین کیا ہے، وہ کہتا ہے میرا دین اسلام ہے۔ وہ دریافت کرتے ہیں کہ تو اس ذات کے متعلق کیا عقیدہ رکھتا ہے جو تمہاری طرف مبعوث فرمائے گئے پس وہ کہتا ہے کہ یہ اللہ کے رسول ہیں۔ فرشتے پوچھتے ہیں کہ تجھے کس طرح معلوم ہوا۔ وہ کہتا ہے میں نے کتاب اللہ کو پڑھا، اس پر ایمان لایا اور تصدیق کی۔ پس یہ ہے وعدہ اللہ تعالیٰ کا یثبت اللہ الذین آمنو، یعنی اللہ تعالیٰ ثابت قدم رکھتا ہے ایمان والوں کو حیاتِ دنیا اور آخرت میں۔ قولِ حق اور کلامِ ثابت کے ذریعے۔ حضور نے ارشاد فرمایا پس آسمان سے ندا دینے والا ندا دیتا ہے کہ میرے بندے نے سچ کہا ہے، اس کے لئے قبر میں جنتی فرش بچھاؤ، اس کو جنتی لباس پہناؤ اور اس کے لئے جنت کی طرف سے ایک دروازہ کھول دو، پھر اس کو جنت کی خوشبوئیں اور پاکیزہ ہوائیں پہنچتی ہیں اور اس کی قبر میں حدِ نگاہ تک وسعت پیدا کر دی جاتی ہے۔

بعد ازاں آپ نے کافر کی موت کا ذکر کیا اور فرمایا کہ قبر میں اس کی روح کو اس کے جسم

کی طرف لوٹایا جاتا ہے اور اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھا دیتے ہیں اور کہتے ہیں تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے افسوس افسوس میں نہیں جانتا، پھر وہ استفسار کرتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے افسوس افسوس میں نہیں جانتا، وہ پھر سوال کرتے ہیں یہ شخص جو تم میں معبوث ہوئے یہ کون ہیں؟ وہ کہتا ہے افسوس افسوس میں نہیں جانتا۔ پس آسمان سے آواز دینے والا آواز دیتا ہے اور اعلان فرماتا ہے کہ اس نے تکذیب کی اور غلط بیانی کی ہے، اس کو دوزخی بچھونا اور دوزخی لباس دے دو اور اس کے لئے آگ کی طرف ایک دروازہ کھول دو۔ پس اسے دوزخ کی گرمی اور زہریلی ہوا پہنچتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس پر قبر کو تنگ کر دیا جاتا ہے، حتیٰ کہ اس کی پسلیاں باہم ایک دوسری میں داخل ہو جاتی ہیں۔ پھر اس پر ایک اندھا اور بہرا فرشتہ مقرر کیا جاتا ہے جس کے پاس لوہے کا ایک گرز ہوتا ہے جس کے ساتھ اگر پہاڑ پر بھی ایک ضرب لگائی جائے تو وہ خاک بن جائے، وہ فرشتہ اس گرز کے ساتھ اسے مارتا ہے حتیٰ کہ وہ ضرب مشرق و مغرب تک کی تمام اشیاء کو سنائی دیتی ہے، سوائے جن اور انسان کے، پس وہ کافر خاک کی طرح ہو جاتا ہے، پھر اس کا بدن مکمل کر کے اور بکھرے اجزاء کو جمع کر کے روح کو اس کی طرف لوٹایا جاتا ہے۔

(۷) عن زید بن ثابتؓ قال بینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی حائط لبنی النجار علیٰ بغلۃ لہٗ ونحن معہٗ اذ حادت بہٖ فکادت تلقیہ واذا اقبر ستۃ او خمسۃ فقال من یعرف اصحاب ھذہ القبور قال رجل انا قال فمتی ماتوا قال فی الشرک فقال ان ھذہ الامۃ تبتلیٰ فی قبورھا فلولا ان لا تدافنوا لدعوت اللہ ان یسمعکم من عذاب القبر الذی اسمع۔ رواہٗ مسلم۔ جلد ثانی صـ۳۸۶ وکتاب الروح صـ۸۲ وفی الصحیحین عنہٗ صلی اللہ علیہ وسلّم لولا ان لا تدافنوا لدعوت اللہ ان یسمعکم من عذاب القبر ما اسمع۔ کتاب الروح صـ۱۰۵

ترجمہ: زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بنی نجار کے باغ میں اپنے دراز گوش پر سوار ہو کر تشریف لے جا رہے تھے اور ہم بھی آپ کے ساتھ تھے، جبکہ آپ کی سواری بدک

کر ایک جانب ہٹی اور قریب تھا کہ آپ کو زمین پر پہنچا دے اور ناگاہ چھ یا پانچ قبریں دکھائی دیں، آپ نے پوچھا ان قبروں والوں کو کون جانتا ہے، تو ایک آدمی نے عرض کیا میں ان سے واقف ہوں۔ آپ نے فرمایا یہ لوگ کب مرے؟ اس نے عرض کی زمانۂ شرک میں۔ آپ نے فرمایا یہ لوگ اپنی قبروں میں عذاب دیئے جا رہے ہیں۔ اگر یہ خطرہ نہ ہوتا کہ تم اس عذاب قبر کو سننے کے بعد اپنے میتوں کو دفن کرنا ترک کر دو، تو میں اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا کہ وہ تمہیں بھی عذاب قبر سنوا دے جیسا کہ میں سُن رہا ہوں۔

(۸) بخاری شریف کتاب الرویا اور سُنن بیہقی میں سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک طویل حدیث منقول ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم رویا میں دو شخصوں کی معیت میں مختلف مناظر دیکھے اور عالم برزخ کے متنوع احوال کا مشاہدہ فرمایا اور مختلف لوگوں کو مختلف عذابوں میں مبتلا پایا، پھر ان سے ساری رات کے دیکھے ہوئے مناظر کی تفصیل دریافت فرمائی اور عذاب کے وجوہ دریافت فرمائے۔

انی رأیت منذ اللیلۃ عجباً فما ھذا الذی رأیت قالا لی اما الرجل الاول الذی اتیت علیہ یثلغ راسہ بالحجر فانہٗ الرجل الذی یاخذ القرآن فیرفضہ وینام عن الصلوٰۃ المکتوبۃ یفعل بہ ذالک الیٰ یوم القیامۃ واما الرجل الذی اتیت علیہ یشرشر شدقہ الیٰ قفاہ ومنخرہ الیٰ قفاہ وعینہ الیٰ قفاہ فانہ الرجل یغدو من بیتہ فیکذب الکذبۃ تبلغ الآفاق فیصنع بہ ذالک الیٰ یوم القیامۃ واما الرجال والنساء العراۃ الذین فی مثل التنور فانھم الزناۃ والزوانی واما الرجل الذی اتیت علیہ یسبح فی النھر ویلقم حجارۃ فانہٗ آکل الربوا الحدیث وفی بعض طرق الحدیث عند الدارقطنی ذاک صاحب الربا ذالک طعامہٗ فی القبر الیٰ یوم القیامۃ۔ شرح الصدور صـ۶۸ و ۶۹

خلاصہ: آنجناب نے ان دو شخصوں کو (جو کہ جبرائیل و میکائیل تھے) فرمایا میں نے آج ساری رات عجب مناظر دیکھے، ذرا بتلایئے تو سہی میں نے جو کچھ دیکھا یہ کیا ہے، انہوں نے

غرض کی وہ پہلا آدمی جس کو آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ اس کا سر پتھر کے ساتھ پھوڑا جا رہا ہے، وہ ایسا شخص ہے جس نے قرآن یاد کیا، پھر اسے ترک کر دیا اور فرض نماز ادا نہیں کرتا تھا اور سو جاتا تھا اس کے ساتھ قیامت تک یہی سلوک کیا جاتا رہے گا، وہ دوسرا آدمی جس پر آپ تشریف لائے جبکہ اس کی باچھیں گدی تک چیری جا رہی تھیں اور نتھنے اور آنکھیں بھی گدی تک چیری جا رہی تھیں، یہ وہ شخص تھا جو صبح گھر سے نکلتا تھا اور ایسا جھوٹ بولتا جو کہ تمام اطراف عالم میں پھیل جاتا تھا" اس کے ساتھ بھی قیامت تک یہ معاملہ جاری رہے گا۔ لیکن وہ ننگے مرد اور ننگی عورتیں جنہیں آگ کے تنور میں جلایا جا رہا تھا، یہ زناکار لوگ ہیں جن کو یہ سزا دی جا رہی ہے اور وہ آدمی جو آپ نے مشاہدہ فرمایا کہ خون کی نہر میں تیر رہا ہے (اور جب کنارے کے قریب آتا ہے تو کنارے پر موجود آدمی جس کے ہاتھ میں بہت سارے پتھر تھے) وہ ایک پتھر اس کے منہ میں دے دیتا ہے تو وہ سود خوار شخص ہے۔ دارقطنی کی ایک روایت میں ہے، وہ سود خوار ہے اور وہ ہے اس کا کھانا قبر میں، قیامت ہونے تک۔

قال العلماء هذا النص فی عذاب البرزخ فان رؤیا الانبیاء وحی مطابق لما فی نفس الامر وقد قال یفعل بہ الی یوم القیامة۔ شرح الصدور ص ۶۹

امام سیوطی نے فرمایا علماء فرماتے ہیں کہ یہ حدیث عذاب برزخ میں نص صریح ہے، کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کے خواب وحی الٰہی ہوتے ہیں اور واقع کے مطابق اور اس رویا میں آپ نے فرمایا کہ ان مجرمین کے ساتھ یہ سلوک قیامت تک ہوتا رہے گا۔

اور یہ فرمان حضرت جبرائیل اور میکائیل سے آپ نے روایت فرمایا۔ فرشتے بھی معصوم اور آپ بھی معصوم، لہٰذا تین معصوموں کی شہادت سے عذاب برزخ کا ثبوت واضح ہو گیا، کیونکہ یہ عذاب نہ قیامت کے بعد والا ہے اور نہ ہی دنیا میں اس کا وقوع ہوا، لہٰذا یہ عذاب برزخ میں ہی ہے۔

بالجملہ احادیث صحاح جو کہ عذاب و ثواب قبر اور حیواۃ عالم برزخ پر دلالت کرتی ہیں، وہ بیشمار ہیں اور مشہور و معروف ہیں، ان کا قدر مشترک تواتر معنوی کے درجہ تک پہنچا ہوا ہے اور متواتر معنوی

پر ایمان لانا اسی طرح لازم ہے جس طرح کہ متواتر لفظی پر۔

قال فی مصابیح الجامع وقد کثرت الاحادیث فی عذاب القبر حتی قال غیر واحد انها متواترة لا یصح علیها التواطی وان لم یصح مثلها لم یصح شیئ من امر الدین۔ قسطلانی جلد ۲ ص ۳۷۶۔

ترجمہ: مصابیح الجامع میں فرمایا کہ احادیث عذاب قبر کے متعلق بکثرت وارد ہیں حتیٰ کہ بے شمار علماء نے ان کے تواتر کا قول کیا، جس میں راویوں کا جھوٹ پر اتفاق متصور نہیں ہو سکتا اور اگر ایسے مسائل اور روایات صحیح نہ ہوں، تو امور دین میں سے کوئی امر بھی ثابت و صحیح نہیں ہوگا۔ تمام احادیث کو درج کریں تو رسالہ مبسوط کتاب کی شکل اختیار کر لے گا؛ لہٰذا انہیں روایات کے اندراج پر اکتفا کرتا ہوں۔

خلاصہ استدلال اور فوائدِ آیات و احادیث

(۱) ان آیات اور احادیث سے میت مقبور اور غیر مقبور یعنی غریق و حریق وغیرہ کے لئے عذاب و ثواب کا حصول واضح طور پر ثابت ہے اور ثواب و عذاب کا تحقق بغیر تحقق حیواۃ ناممکن اور ناقابلِ تجویز و تصور ہے اور حیواۃ مستلزم ہے صحت ادراک و شعور کو ورنہ ادراک و شعور نہ ہونے کی صورت میں تعذیبِ میت بمنزلہ تعذیب جماد کے ہے؛ لہٰذا اموات میں حیوٰۃ اور عذاب و ثواب کا علم و ادراک تسلیم کرنا ضروری ہے، ورنہ قبر کو تنگ کرنا، ہڈیوں کا باہم ایک دوسرے میں دھنس جانا اور اندھے بہرے فرشتہ کو گرز کے ساتھ میت کو مارنے کا حکم اور دوزخ کی طرف سے دروازہ کھول کر حرارت اور زہریلی گرم ہوا میت تک پہنچانے کا کیا مقصد ہوگا یا قبر کو میت کی حدِ نگاہ تک وسیع کرنے، اس میں انوار و تجلیات پیدا کرنے اور جنت کی طرف سے دروازہ کھول کر [illegible] اور پاکیزہ ہواؤں کو میت کی حدِ نگاہ تک وسیع کرنے، اس انوار و تجلیات پیدا کرنے اور جنت کی طرف سے دروازہ کو میت تک پہنچانے کا کیا فائدہ؟ لہٰذا حیاتِ برزخیہ اور عذاب کا احساس و شعور تسلیم کرنا واجب و

لازم ہے۔ ورنہ آیات اور احادیث نبویہ کی تکذیب وانکار لازم آئے گا۔

۲، نیز ان ادلہ قاطعہ اور براہین باہرہ سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ تعذیب وتنعیم، عذاب و ثواب صرف روح ہی کو نہیں، بلکہ بدن اور روح دونوں کو ہے، کیونکہ قبر میں مدفون اور پانی میں غرق ہونے والے ابدان ہیں؛ لہٰذا وہ بھی عذاب و ثواب میں روح کے ساتھ شریک ہیں۔ قبر میں توسیع وتنویر اور جنتی دروازہ کھولنا، اسی طرح قبر میں تضییق اور تنگی اور میت کی ہڈیوں کا ایک دوسری میں دھنس جانا اور گرز سے ضرب ہمارے اس دعویٰ کی بیّن دلیل ہیں اور ارشاد نبوی فتعاد روحه فی جسده (میت کے روح کو اس کے جسم کی طرف لوٹایا جاتا ہے) ہمارے قول پر روشن برہان ہے۔ لہٰذا بدن میت کے لئے نوع حیوٰۃ تسلیم کرنا اور اس میں احساس وشعور تسلیم کرنا لازم وضروری ہے۔

(۳) علاوہ ازیں ان احادیث طیبات سے تعذیب وتنعیم کا قیامت تک مستمر رہنا بھی ثابت ہو گیا۔ تعذیب کے قیامت تک مستمر ہونے کی دلیل۔ تیسری حدیث ہے جس میں تخفیفِ عذاب کو ان دو حستہ شاخ کے خشک ہونے تک محدود فرمایا گیا تو معلوم ہوا کہ ان کے خشک ہو جانے کے بعد عذاب میں تخفیف بھی نہیں ہو گی چہ جائیکہ عذاب منقطع ہو جائے۔ اسی طرح چوتھی حدیث جس میں فرمایا کہ قبر جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا۔ اور ظاہر ہے کہ دوزخ کا گڑھا ہمیشہ کے لئے دوزخ کا گڑھا ہے؛ لہٰذا استمرارِ عذاب ثابت ہو گیا، اور جنت کا باغ ہمیشہ کے لئے جنت کا باغ ہے لہٰذا قبر میں استمرار ثواب بھی ثابت ہو گیا۔ پانچویں حدیث میں کافر کے متعلق فلا یزال معذبا حتیٰ یبعثه اللّٰہ من مضجعه ذالك۔ آٹھویں حدیث میں یفعل به ذالك الیٰ یوم القیامة اور ذالك طعامه فی القبر الیٰ یوم القیامة، ہمارے دعوے کی ناقابل تشکیک دلیلیں ہیں اور ناقابلِ تردید شہادتیں۔ اور جب عذاب برزخ کا دوام واستمرار ثابت ہو گیا، تو ثواب کا دوام تسلیم کرنا بھی لازم ہے، کیونکہ عذاب حق باری تعالیٰ ہے اور ثواب حق عبد ہے، جب اللہ تعالیٰ نے غنی اور بے نیاز ہونے کے باوجود اپنے حق کو بالکل ساقط نہیں فرمایا تو حق عبد باوجود اس کے احتیاج وافتقار کے کیسے ساقط کیا جا سکتا ہے؛ بلکہ حق عبد یعنی ثواب وجزاء

بھی بطریق اولیٰ قیامت تک مستمر ودائم ہو گا۔ عذاب وثواب کا دوام اموات اور اہل قبور میں قیام قیامت تک علم وادراک اور احساس وشعور کا دوام واستمرار تسلیم کئے بغیر ممکن نہیں: لہٰذا معلوم ہوا کہ تمام اموات میں قیامت تک حیوٰۃ اور ادراک وشعور کا متحقق ہونا واجب وضروری ہے۔

(۴) قول باری تعالیٰ یثبت اللّٰہ الذین آمنوا بالقول الثابت (الآیۃ) سے باعتبار اپنے شان نزول کے اور پانچویں اور چھٹی حدیث پاک قبر میں میت سے فرشتوں کے سوال اور میت کے جواب پر نص قطعی ہیں جس سے میت میں قوت سماع کا تحقق اور قوت گویائی کا ثبوت، وجود روز روشن کی طرح ظاہر ہو گیا اور ثابت ہو گیا کہ فرشتوں کی کلام کو میت سنتا ہے اور اس کا جواب بھی دیتا ہے اور میت مطلقاً قوتِ سماع اور قوتِ گویائی سے عاری ومحروم نہیں ہوتا۔

(۵) احادیث مبارکہ سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ میت مقبور وغیرہ کی چیخ وپکار اور اس کو دیئے جانے والے عذاب کی آواز تمام جانور سنتے ہیں جیسا کہ حدیث ثانی میں عذابا تسمعه البهائم اس پر شاہد ہے اور حدیث سادس میں فیضربه بها ضربة یسمعها ما بین المشرق والمغرب الا الثقلین اس پر گواہ ہے۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دراز گوش کا عذاب کو مشاہدہ کرنا اور اموات کی چیخ وپکار سن کر بدکنا جیسا کہ حدیث سابع میں درج ہے" بھی ہمارے اس دعوی پر دلیل ناطق ہے۔ الغرض قبر کے اندر سے آواز کا باہر سنائی دینا اور مشرق ومغرب کی تمام چیزوں کا ماسوائے جنوں اور انسانوں کے اسے سننا روز روشن کی طرح عیاں ہو گیا۔

(۶) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عذاب قبر کو ملاحظہ فرمایا اور اس کے اسباب کا مشاہدہ فرمالیا جیسا کہ تیسری اور نانویں حدیث سے ظاہر ہے اور اگر صحابہ کرام کے متعلق وہ حکمت پیش نظر نہ ہوتی تو آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کر کے انہیں بھی وہ آہ وبکا اور چیخ وپکار اور گرزوں کی ضربات سنوا دیتے جو کہ آپ خود سن رہے تھے۔

(نوٹ) چوتھا، پانچواں اور چھٹا فائدہ بحث سماع میں نہایت مفید وکار آمد ہے؛ لہٰذا انہیں اچھی طرح ذہن نشین کر لیا جائے۔ یہاں پہلا، دوسرا اور تیسرا فائدہ اس بحث سے مقصود ومطلوب تھا جو بحمد اللہ صراحت اور وضاحت کے ساتھ حاصل ہو گیا۔

تیسری دلیل اجماع امت و سلف صالحین

تیسری دلیل اجماع اُمّت وسلف صالحین

اگرچہ کتاب و سُنّت سے دلائل پیش کرنے کے بعد اس دلیل کی اتنی ضرورت نہیں تھی علی الخصوص جبکہ ابتداء مقدمہ ثالثہ میں آئمہ اعلام کی تصریحات ذکر کی جاچکی ہیں، لیکن تتمیم فائدہ اور تکمیل ادلہ کے لئے چند اور تصریحات پیش خدمت ہیں، کیونکہ عقائد میں دلیل کتاب، سنت اور اجماع ہے۔ قیاس کو اس میں دخل نہیں؛ لہذا اجماع واتفاق کی تصریحات سے ادلہ ثلاثہ کی تکمیل مقصود ہے۔

علامہ سبکی شفاء السقام میں فرماتے ہیں: قد اجمع اهل السنت علی اثبات الحیواة فی القبور وقال امام الحرمین فی الشامل، اتفق سلف الامة علی اثبات عذاب القبر واحیاء الموتی فی قبورهم وردّ الارواح الی اجسادهم۔ وقال الفقیه ابوبکر بن العربی ان احیاء المکلّفین فی القبور وسؤالهم جمیعًا لاخلاف فیه بین اهل السُنّت و وقال سیف الدّین الآمدی اتفق سلف الامّت قبل ظهور المخالف واکثرهم بعد ظهوره علی اثبات احیاء الموتیٰ فی قبورهم ومسائلة الملکین لهم واثبات عذاب القبر للمجرمین والکافرین وقال القرطبی انّ الایمان به مذهب اهل السُنّت والذی علیه الجماعة من اهل الملّت ولم یفهم الصّحابة الّذین نزل القرآن بلسانهم ولغتهم من نبیّهم غیر ذالك وکذالك التابعون بعدهم و ذهب بعض المعتزلة الی موافقة اهل السُنّت علیٰ ذالكَ - شفاء السقام، للامام السبکی ص۲۰۳۔

ترجمہ: اہل السنت کا حیواۃ قبور کے اثبات پر اجماع اور اتفاق ہے۔ امام الحرمین نے

فرمایا سلف امت اثبات عذاب قبر اور قبروں میں مردوں کو زندہ کئے جانے اور ارواح کے اجسام کی طرف لوٹائے جانے پر متفق و مجتمع ہیں۔ فقیہ ابوبکر بن العربی فرماتے ہیں۔ مکلفین اموات کا قبروں میں زندہ کیا جانا اور ملائکہ کا ان سے سوال کرنا ایسے مسائل ہیں جن میں اہل السنّت کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ علامہ سیف الدین آمدی فرماتے ہیں۔ سلف امت ظہور مخالفین سے قبل اس امر پر متفق اور ان کی اکثریت مخالفین کے ظہور کے بعد بھی اس کی قائل کہ مرنے قبروں میں زندہ کئے جاتے ہیں۔ دو فرشتے ان سے سوال کرتے ہیں اور مجرمین و کافرین کو عذاب دیا جاتا ہے۔ امام قرطبی فرماتے ہیں ان امور پر ایمان اہل السنّت کا، اور اہلِ ملّت کی جماعت کا مذہب و مسلک ہے۔ صحابہ کرام نے جن کی لسان و لغت میں قرآن نازل ہوا، انہوں نے اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے سوا اور کچھ معنی ان آیات کا نہیں سمجھا اور نہ ہی ان کے بعد تابعین نے اور بعض معتزلہ اس نظریہ و عقیدہ میں اہل السُنّت کے موافق ہیں۔

الحاصل مبتدع فرقوں یعنی خوارج و معتزلہ کے ظہور سے پہلے تمام اہل اسلام کا حیواۃ برزخ و قبر پر اجماع و اتفاق ثابت ہوگیا اور ان کے ظہور کے بعد جمہور اہل اسلام کا عقیدہ واضح ہوگیا۔

تنبیہ: جب ادلّہ ثلاثہ یعنی کتاب و سنّت اور اجماع سے حیواۃ عالم بُرزخ اور ثواب عذاب قبر اور میت کا عذاب و ثواب کو محسوس کرنا ثابت ہوگیا اور ملائکہ کے سوالات کو سمجھنا اور ان کے جوابات دینا واضح ہوگیا، تو زائرین کا علم و شعور اور ان کے سلام و کلام کا فہم اور انہیں جواب دینے کا امکان بھی واضح ہوگیا، کیونکہ جس طرح تعذیب و تنعیم امر ممکن ہے اور مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر دی ہے؛ لہذا اس کا تسلیم کرنا واجب و لازم ہے۔ اسی طرح اہل قبور کا زائرین کو پہچاننا، ان کے سلام و کلام کو سننا اور اس کا جواب دینا بھی امر ممکن ہے اور مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر دی ہے۔ لہذا اس پر بھی ایمان لانا

واجب ولازم ہے اور جس طرح تعذیب وتنعیم میں نصوص کتاب وسنت کو ظاہر پر محمول ضروری ہے۔ اسی طرح مسئلۂ سماع اموات میں بھی ظاہر ومتبادر معنی پر نصوص کا اجراء ضروری ہے اور خلاف ظاہر کا ارتکاب قطعاً روا نہیں اور میں پھر عرض کردوں کہ حیوات برزخیہ ملزوم ومتبوع ہے اور ادراک وشعور اور احساس وسماع اور فہم سلام وکلام توابع ہیں اور جعل ملزوم ومتبوع جعل لوازم وتوابع ہے؛ لہٰذا حیواۃ برزخیہ بالفعل مان لینے کے بعد لوازم وتوابع کو ناممکن اور محال کہنا قطعاً لغو اور باطل ہے، بلکہ عذاب قبر پر دلالت کرنے والی آیات واحادیث، اور اس نظریہ پر اجماع امت اور اکابرین کی تصریحات (قطع نظر سماع موتیٰ پر پیش کی جانے والی آیات واحادیث اور اکابرین امت کی تصریحات کے) بجائے خود ثبوت سماع پر بھی واضح دلیل اور بیّن بُرہان ہیں، لیکن ہم اس مسئلہ کو صریح الدلالت آیات اور واضح الدلالت احادیث کے ساتھ روزِ روشن سے بھی زیادہ واضح کردیتے ہیں تاکہ منکرین کے لئے کوئی حیلہ وبہانہ باقی نہ رہے۔

دلائل امکان سماع الاموات واہل القبور

تمہید: اعتقادیات اور مسائل کلامیہ میں کسی بھی دعویٰ پر نقلی دلائل قائم کرنے سے پہلے عقلاً اس کا امکان وجواز ثابت کرنا ضروری ہوتا ہے، ورنہ ادلۂ نقلیہ کی تاویل لازم ہوجاتی ہے جس طرح کہ الرحمٰن علی العرش استویٰ میں تاویل متعین ہے اور ظاہری معانی پر حمل کرنا درست نہیں۔ لہٰذا اس مسئلہ پر بھی دلائل قائم کرنے سے پہلے اس کا امکان وجواز ثابت کرنا ضروری ہے۔ اس کے بعد نصوص سے اس کے ثبوت وتحقق پر استدلال کیا جاسکے گا لہٰذا سب سے پہلے ہم امکانِ سماع کو ثابت کرتے ہیں۔

(۱) **دلیل اوّل:** مسئلۂ سماع اہلِ قبور حیواۃ اہل قبور پر مبنی اور متفرع ہے اور حقیقی مدرک سامع فاہم اور متکلم روح ہے جس کا ابدان کے ساتھ تعلق موت کے بعد بھی قائم رہتا ہے اور روح وجسم دونوں کے لئے عذاب وثواب قبر ثابت ہے؛ لہٰذا قبر کے اوپر جو شخص بھی زیارت کے لئے آئے، اس کی معرفت اور اس کے سلام وکلام کا سماع اور فہم بالفعل نہیں تو کم از کم ممکن وجائز ضرور ہوگا (وقد مر تقرير هذا الوجه وتحريره بعنوان التنبيه)۔

(۲) **دلیل ثانی:** جب ملائکہ کے سوالات سننے سمجھنے کی اہلیت میت میں ثابت ہوگئی تو انسانوں کی کلام سُننا سمجھنا بھی ممکن ہوگا۔

(۳) **دلیل ثالث:** جب قبر کے اندر سے باہر آواز سنا جاسکتا ہے جیسا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سُنا اور آپ کی سواری نے سنا اور آپ کے فرمان کے مطابق تمام جانوروں کو عذاب سنائی دیتا ہے، تو باہر سے قبر کے اندر آواز کا سُنائی دینا بھی ممکن ہوگا۔

(۴) دلیلِ رابع : قال اللّٰہ تعالیٰ واذ قال ابراھیم ربّ ارنی کیف تحی الموتیٰ قال اولم تومن قال بلیٰ ولکن لیطمئن قلبی قال فخذ اربعۃ من الطیر فصرھن الیک ثم اجعل علیٰ کل جبل منھن جزءً ثم ادعھن یاتینک سعیا واعلم ان اللّٰہ علیٰ کل شیئ قدیر۔

ترجمہ : اے حبیبِ خدا صلی اللّٰہ علیہ وسلم اس وقت کو یاد کرو جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی اے میرے رب مجھے دکھلا کہ تو کس طرح مُردے زندہ کرتا ہے۔ اللّٰہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تیرا اس پر ایمان نہیں ہے۔ عرض کی ہاں کیوں نہیں، لیکن سوال اس لئے کیا ہے تاکہ مشاہدہ کے بعد اطمینانِ قلب ہو جائے۔ اللّٰہ تعالیٰ نے فرمایا چار پرندے پکڑ کر انہیں اپنے قریب کرو اور انہیں اچھی طرح پہچان لو، پھر انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہر ایک کا ایک ایک ٹکڑا آس پاس کے پہاڑوں پر رکھ دو پھر انہیں بلاؤ، وہ اپنے پاؤں پر دوڑتے ہوئے تمہارے پاس آجائیں گے اور جان لو کہ اللّٰہ تعالیٰ ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے۔

مفسرینِ کرام فرماتے ہیں کہ حضرت خلیل اللّٰہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حسبِ ارشادِ خداوندی چار پرندے لئے، انہیں ذبح کیا اور ان کے اجزاء کو آپس میں ملا دیا۔ ان کے سروں کو اپنے ہاتھ میں روک لیا اور باقی اجزا کو اطراف وجوانب کے پہاڑوں پر رکھ دیا۔ ثم نادیٰ وصاح تعالین باذن اللّٰہ فاخذ کل جزء یطیر الی الاٰخر حتیٰ تکاملت الجثث ثم اقبلت جثۃ الیٰ راسھا وانضم کل راس الیٰ جثۃ وصار الکل احیاء باذن اللّٰہ تعالیٰ — بیضاوی وتفسیر کبیر وغیرہ۔

پھر آپ نے آواز دی کہ اے پرندو اللّٰہ کے امر سے آجاؤ۔ پس ہر جُز اپنے جثہ والے دوسرے اجزاء کی طرف اڑنے لگی، حتیٰ کہ جثے اور اجسام مکمل ہو گئے۔ پھر ہر جسم اپنے سر کی طرف متوجہ ہوا اور ہر سر اپنے جسم کے ساتھ منضم ہو گیا اور اللّٰہ تعالیٰ کے امر سے زندہ ہو گئے۔

وجہِ استدلال : امام رازیؒ نے ارشاد فرمایا قد احتج اصحابنا بھذہ الاٰیۃ

علیٰ ان البنیۃ لیست شرطاً فی صحۃ الحیوٰۃ وذالک لانہ تعالیٰ جعل کل واحد من تلک الابعاض والاجزاء حیاً فاہما للنداء قادراً علی السعی والعدو فدل ذالک علیٰ ان البنیۃ لیست شرطاً فی صحۃ الحیوٰۃ وقال ایضا۔ لما دلت الاٰیۃ علیٰ حصول فہم النداء والقدرۃ علی السعی لتلک الاجزاء حال تفرقہا کان دلیلاً قاطعاً علیٰ ان البنیۃ لیست شرطاً فی الحیوٰۃ۔ تفسیر کبیر جلد ثانی ص ۳۲۹

ترجمہ : ہمارے علمائے متکلمین نے اس آیت کو اپنے اس دعوی پر حجت بنایا ہے کہ بنیادِ جسمانی اور اس کی ہیئت کذائیہ کا محفوظ رہنا تحققِ حیوٰۃ کے لئے شرط نہیں بلکہ ہیئت وصورت بدل جانے، اجزاء وابعاض متفرق ہو جانے کے باوجود بھی حیوٰۃ وزندگانی متحقق ہو سکتی ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ جب اللّٰہ تعالیٰ نے ان ابعاض واجزا کو زندگی بخشی، انہیں سماعِ خطاب کے قابل اور اہلِ فہم بنایا اور انہیں دوڑنے پر قدرت عطا فرمادی تو معلوم ہوا کہ کسی جسم کی ہیئت وشکل کا تحفظ اس کی حیوٰۃ کے لئے شرط نہیں۔ نیز جب آیت کریمہ سے ان اجزاء میں افتراق وانتشار کے باوجود آواز سننے اور دوڑنے پر قدرت ثابت ہو گئی، تو اس سے قطعاً ثابت ہو گیا کہ جسم حیوانی کا محفوظ رہنا زندہ ہونے کے لئے ضروری نہیں۔

الحاصل اس آیتِ کریمہ سے ان اجزاءِ متفرقہ اور ابعاض منتشرہ میں حیوٰۃ، سماعِ خطاب، فہم ندا، اور قدرت سعی وطیران کا ثبوت بالفعل نص قطعی سے ثابت ہو گیا اور دیگر اجسام کے اجزاءِ متفرقہ میں ان امور کا امکان واضح ہو گیا اور مجتمع اجزاء اور سالم اجسام میں ان امور کا امکان بطریقِ اولیٰ علی الوجہ الاتم ثابت ہو گیا۔ وھذا ھو المقصود فی ھذا المقام۔

(۵) دلیلِ خامس : قال اللّٰہ تعالیٰ، واذن فی الناس بالحج یاتوک رجالاً وعلیٰ کل ضامر یاتین من کل فج عمیق۔

ترجمہ : اللّٰہ رب العزت نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فرمایا لوگوں میں حج کا اعلان کر دو وہ تمہارے پاس حاضر ہوں گے پیدل چل کر اور ہر دبلی اونٹنی پر سوار ہو کر جو کہ دور دراز کی مسافت

طے کر کے آتی ہیں۔

وجہ استدلال: مفسرین کرام کی تصریحات کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کوہ ابوقبیس پر کھڑے ہو کر اعلان فرمایا اور آواز دی یاایھا النّاس حجوا بیت ربکم (اے لوگو اپنے رب کے گھر کی حج و زیارت کرو) تو انہیں تمام انسانوں نے "جن کے مقدر میں حج تھا" لبیك اللّھمّ لبیك کے پیارے کلمات کے ساتھ جواب دیا، حتیٰ کہ وہ انسان جو ابھی اپنے آباؤ اجداد کی پشتوں میں موجود تھے اور ابھی نطفوں وغیرہ کی شکل میں تھے، انہوں نے بھی اس اعلان کو سنا اور لبیّك اللّھمّ لبیك کا جواب دیا۔ جب انسانی اجسام میں مکمل ہونے سے پہلے اور آباؤ اجداد کی پشتوں میں موجود ہونے کے باوجود سماع خطاب اور فہم ندا، اور تعمیل حکم کے لئے آمادگی کا اظہار نص قرآنی کے ساتھ ثابت ہو گیا، تو قبروں میں موجود اجساد و اجسام کے لئے سماع، فہم اور جواب کا امکان بطریق اولیٰ ثابت ہو جائے گا۔

جب ان ادلہ قاطعہ واضحہ اور صریحہ سے امکان سماع و فہم وغیرہ ثابت ہو گیا، تو اب ان آیات و احادیث کو جو کہ ثبوت سماع پر دلالت کرتی ہیں، اپنے ظاہر و متبادر معنی پر محمول کرنا واجب و لازم ہو گا اور اس کا خلاف لغو اور باطل ہو گا لانّھا امور ممکنۃ اخبربھا الصّادق صلی اللہ علیہ وسلم کما قال العلامۃ التفتازانی وانّ النصوص تحمل علیٰ ظواھرھا ما لم تکن من قبیل المتشابھات کما قال العلی القاری فی شرح الفقہ الاکبر۔

دلائل ثبوت سماع اموات و اہل قبور

ثبوت از قرآن کریم (۱) قال اللہ تعالیٰ واسئل من ارسلنا من قبلك من رسلنا أجعلنا من دون الرحمٰن آلھۃ یعبدون۔

ترجمہ: وہ رسول و نبی جو ہم نے آپ سے پہلے مبعوث فرمائے ہیں، ان سے پوچھیئے کیا ہم نے ذات رحمٰن جلّ و علیٰ کے بغیر کئی معبود مقرر کئے ہیں، جن کی عبادت و پرستش کی جائے؛ یقیناً ایسا نہیں ہے۔

وجہ استدلال: اگر انبیاء کرام، رسل عظام میں حیواۃ نہ ہوتی، وہ خطاب و ندا کو نہ سمجھتے ہوتے اور جواب کی قدرت ان میں متحقق نہ ہوتی، تو اللہ تعالیٰ اپنے محبوب و مطلوب سیّد الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کو انبیاء و رسل سے دریافت و استفسار کا حکم نہ فرماتا، ورنہ یہ امر و حکم اللہ تعالیٰ کے لحاظ سے مستلزم عبث ہو گا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے امتناع امتثال کو مستلزم ہو گا۔ جب دونوں لوازم کا بطلان ظاہر ہے تو بطلان ملزوم بھی واضح ہو گا اور انبیاء کرام و رسل میں حیواۃ، قدرۃ سماع و فہم اور استطاعت جواب قطعی طور پر ثابت ہو گئی۔

عن بن عباس رضی اللہ عنھما لما اسری بہ صلی اللہ علیہ وسلم الی المسجد الاقصیٰ بعث اللہ لہ آدم علیہ السلام وجمیع المرسلین من ولدہٖ فاذن جبرائیل علیہ السلام ثمّ اقام فقال یا محمّد تقدم فصل بھم فلمّا فرغ صلی اللہ علیہ وسلم من الصّلوٰۃ قال لہ جبرائیل علیہ السلام واسئال من ارسلنا من قبلك من رسلنا الآیۃ فقال صلی اللہ علیہ وسلم لا اسئال لانّی لست شاکًا فیہ۔ تفسیر کبیر جلد سابع

ضہ۴۳ خازن و معالم جلد سادس ص۱۱۴

ترجمہ: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جب شب اسریٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد اقصیٰ پہنچایا گیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اور ان کی اولاد میں سے تمام رسولوں کو آپ کے لئے مسجد اقصیٰ میں جمع فرمایا۔ جبرائیل علیہ السلام نے اذان دی اور اقامت کہی اور عرض کیا اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھیئے اور انہیں نماز پڑھایئے۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے، تو حضرت جبرائیل نے عرض کیا ان رسولوں سے جو ہم نے آپ سے پہلے بھیجے ہیں دریافت کرلیجئے، تو آپ نے فرمایا لا اسئل لانی لست شاکا فیہ (میں نہیں پوچھتا، کیونکہ مجھے اس میں کوئی شک نہیں ہے)، وکذا فی روح المعانی، جلد ۲۵ ص۷۹

نیز اسراء و معراج میں باہم تسلیم و دعا اور موسیٰ علیہ السلام کا نمازوں کے متعلق مکالمہ اس استدلال کی واضح تائید ہیں۔

(۲) قال اللہ تعالیٰ۔ وقالو یا صالح ائتنا بما تعدنا ان کنت من المرسلین فاخذتہم الرجفۃ فاصبحو فی دارھم جاثمین فتولّیٰ عنہم وقال یقوم لقد ابلغتکم رسالۃ ربی ونصحت لکم ولکن لا تحبّون الناصحین۔

ترجمہ: قوم صالح علیہ السلام نے ان سے کہا اے صالح جس عذاب کا تو ہمیں وعدہ دیتا ہے، وہ ہمارے پاس لے آ، اگر تو درحقیقت مرسلین میں سے ہے، تو زلزلہ نے انہیں اپنے گھیرے میں لے لیا۔ پس وہ لوگ اپنے اپنے گھروں میں تباہی و بربادی سے دوچار ہوگئے۔ پھر فوراً حضرت صالح علیہ السلام ان سے الگ ہوگئے اور علیحدہ ہوتے وقت ان سے مخاطب ہوکر کہا اے میری قوم میں نے تمہیں رب کے پیغام پہنچاتے اور نصیحت کی، لیکن تم تو نصیحت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔

اب ذرا تصریحات مفسرین ملاحظہ فرمایئے:

(۱) امام رازی نے فرمایا: القول الاوّل انہٗ تولیٰ عنہم بعد ما ماتوا والدلیل

علیہ ان الفاء فدل علی التعقیب فدل علیٰ انہٗ حصل ھذا التولی بعد جثومہم (الیٰ) وھو انّ صالحاً علیہ السّلام خاطبہم بعد کونہم جاثمین کما ان نبیّنا علیہ السلام خاطب قتلیٰ بدر فقیل تتکلم مع ھؤلاء الجیف فقال ما انتم با سمع منہم ولکن لاّ یقتدرونَ علی الجواب جلد رابع ص۲۵۵

ترجمہ: پہلا قول یہ ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام کی علیحدگی ان کی ہلاکت کے بعد پائی گئی اور اس کی دلیل یہ ہے کہ لفظ فا تعقیب اور فوری ترتیب پر دلالت کرتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ان کا اعراض قوم کی ہلاکت کے بعد متحقق ہوا اور انہوں نے قوم کے ہلاک ہونے کے بعد انہیں خطاب فرمایا جیساکہ ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے مقتول کفار کو خطاب فرمایا۔ آپ سے عرض کیا گیا کہ آپ ان مُرداروں کے ساتھ کلام فرما رہے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں، لیکن وہ لوگ ایسے جواب پر قدرت نہیں رکھتے جو تم سُن سکو۔

(۲) قال ابو السعود خاطبہم علیہ الصلوٰۃ والسلام بذالک خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اھل قلیب بدر حیث قال انّا وجدنا ما وعدنا ربّنا فہل وجدتم ما وعدکم ربّکم حقاً۔ جلد رابع ص۲۱۸

ترجمہ: ابوالسعود حنفی فرماتے ہیں حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی ہلاک شدہ قوم کو ایسے ہی خطاب فرمایا جیساکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے کنوئیں میں پھینکے ہوئے کفار کو خطاب فرمایا جبکہ فرمایا ہمارے ساتھ ہمارے رب نے جو وعدہ فرمایا تھا، ہم نے اسے پالیا، کیا تم نے بھی اس وعدہ کو سچ پایا جو رب تبارک و تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا تھا۔

(۳) قال فی الخازن فی وقت ھذا التولی قولان۔ احدھما انہٗ تولّیٰ بعد ما ماتوا و یدل علیہ قولہ فاصبحوا فی دارھم جاثمین فتولیٰ عنہم والفاء للتعقیب (الیٰ) خاطبہم بعد ھلاکہم وموتہم توبیخا و تقریعا کما خاطب النبیّ صلی اللہ علیہ وسلّم الکفار من قتلیٰ بدر حین القوا فی القلیب فجعل ینادیہم باسمائہم الحدیث

فی الصحیح وفیہ فقال رجل یا رسول اللہ تکلم اقواما قد جیفوا فقال ما انتم باسمع لما اقول منھم ولکن لا یجیبون ۔ تفسیر خازن ومعالم التنزیل جلد ثانی ص۲۰۹

ترجمہ: خازن اور معالم تنزیل میں ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام کے اس قوم سے الگ ہونے کے وقت میں دو قول ہیں۔ اوّل یہ ہے کہ آپ اس قوم کی ہلاکت اور موت کے بعد ان سے علیحدہ ہوئے اور اس کی دلیل ارشاد خداوندی ہے فاصبحوا فی دارھم جاثمین فتولی عنھم۔ پہلے ان کا ہلاک ہونا بیان فرمایا پھر لفظ فا کے ساتھ حضرت صالح علیہ السلام کے اعراض و تولی کو بیان فرمایا اور لفظ فاؔ تاخر و ترتب بیان کرنے کے لئے ہوتا ہے، تو اس دلیل کے پیشِ نظر آپ نے اپنی قوم کی ہلاکت اور موت کے بعد زجر و توبیخ کے لئے انہیں خطاب فرمایا جیسے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میدانِ بدر میں قتل ہونے والے کفار کو خطاب فرمایا، جبکہ انہیں کنوئیں میں پھینک دیا گیا تھا۔ آپ نے ان میں سے ہر ایک کا نام لے کر ندا، اور خطاب فرمانا شروع کیا، پوری حدیث صحیح بخاری میں ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ ایک آدمی نے عرض کی یا رسول اللہ آپ ایسے لوگوں سے خطاب فرما رہے ہیں جو کہ مردار بن چکے ہیں، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں جو کچھ کہہ رہا ہوں تم ان کی نسبت زیادہ سننے والے نہیں ہو، لیکن وہ ایسا جواب نہیں دیتے جو تم بھی سُن سکو۔

ان تفاسیر اور دیگر مفسرین کی تصریحات اور خود قرآن و کریم کے انداز و اسلوب اور عربی قواعد و ضوابط کی رُو سے واضح ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کی ہلاکت و بربادی کے بعد ان سے خطاب فرمایا اور ان میں حیواۃ، علم و ادراک اور اہلیت سماع اور قدرت فہم نہ ہوتی تو یہ خطاب عبث اور بے مقصد ہو جاتا اور ایسی کلام کسی عقلمند کو بھی زیب نہیں دیتی، چہ جائیکہ ایسی ہستی سے سرزد ہو جو کہ سرچشمۂ رشد و ہدایت ہیں اور جن کا قول و فعل حجت و دلیل شرعی ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں مفسرین کرام کا اس خطاب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطاب سے تشبیہ دینا اور اور اس خطاب کو سرزنش اور زجر و توبیخ پر حمل کرنا بھی ان میں علم و ادراک کے وجود کی واضح دلیل ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو واضح طور پر فرمایا تھا کہ تم ان لوگوں سے زیادہ نہیں سُن

رہے۔ نیز کلام و خطاب سے زجر و توبیخ مخاطب کے سُننے بغیر کیسے ہو سکتی ہے؟

سوال: مفسرین کرام نے بیشک یہ تقریر کی ہے، مگر دوسرا قول بھی ذکر کیا ہے کہ پہلے انہیں خطاب فرمایا اور آخری بار انہیں متنبہ کیا اور بعد میں ان پر عذاب نازل ہوا اور وہ تباہ و برباد ہو گئے؛ لہذا جب دونوں قول موجود ہیں تو استدلال درست نہ ہوا۔ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔

جواب: مفسرین کا جو قول ہم نے ذکر کیا ہے، وہی ظاہر و متبادر، نظم قرآن کے مطابق اور قواعد عربیہ کے موافق ہے۔ دوسرا قول خلاف ظاہر اسلوب عبارت اور قواعد کے خلاف ہے اور نصوص کو ظاہر معنی پر محمول کرنا واجب و لازم ہے۔ نیز متعدد تفاسیر میں سے ایک تفسیر کے ساتھ استدلال میں اور متعدد وجوہ محتملہ میں سے ایک وجہ کے ساتھ استدلال میں فرق بیّن ہے جیسا کہ فاضل سیالکوٹی مولانا عبدالحکیم صاحب حاشیہ بیضاوی میں تحریر فرماتے ہیں (حاشیہ بیضاوی للمولیٰ السیالکوتی ص۱۵۰) استدلال باحد وجھی التفسیر ولیس استدلالا بالمحتمل۔
علاوہ ازیں اگر مفسرین کرام کے نقل کردہ متعدد اقوال میں سائل کے اس قاعدہ "اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال" کو جاری کر دیا جائے تو کسی بھی آیت کریمہ سے استدلال درست نہ ہوگا۔ الا ماشاء اللہ کیونکہ ہر آیت میں حضرات مفسرین متعدد وجوہ اور معانی بیان فرماتے ہیں؛ لہذا یہ شبہ ناقابلِ التفات و اعتبار ہے۔ نیز اکابرین امت کے یہ اقوال تفسیر قرآن ہونے سے قطع نظر سماع موتیٰ کے متعلق ان کے مذہب و مسلک کو واضح کرتے ہیں۔ اگر ان مفسرین کرام و علمائے اعلام کے نزدیک سماع موتیٰ کا عقیدہ حق نہ ہوتا، تو اس آیت کو اس معنی پر محمول نہ کرتے اور ہلاکت قوم کے بعد انہیں خطاب کرنے والا قول سرے سے ذکر ہی نہ کرتے، حالانکہ انہوں نے سب سے پہلے اسی قول کو ذکر کیا ہے۔

(۳) قال اللہ تعالیٰ وقال الملاء الذین کفروا من قومہ لئن اتبعتم شعیبا انکم اذا لخاسرون فاخذتھم الرجفۃ فاصبحوا فی دارھم جاثمین (الیٰ) فتولیٰ

عنهم وقال يٰقوم لقد ابلغتكم رسٰلٰتِ ربّي ونصحت لكم فكيف آسيٰ علىٰ قوم الكٰفرين۔

ترجمہ: حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا فر گروہ نے دوسروں کو کہا اگر تم شعیب کی اتباع کرو گے تو خسارہ پانے والوں میں سے ہو جاؤ گے، تو انہیں زلزلہ نے اپنی لپیٹ میں لے لیا، تو فوراً حضرت شعیب علیہ السلام ان سے الگ ہوئے اور فرمایا اے میری قوم میں نے تمہیں اپنے رب تبارک وتعالیٰ کے احکامات پہنچا دیئے اور تمہیں نصیحت کی تو اب کفر اختیار کر کے ہلاک ہونے والوں پر کیونکر افسوس کروں۔

وجہ استدلال: پہلی آیت کریمہ کی طرح یہاں بھی قوم شعیب علیہ السلام کی سرکشی و تمرد اور اُن کا عذاب خداوندی میں مبتلا ہونا ——— پہلے بیان فرمایا پھر حضرت شعیب علیہ السلام کے اعراض و رُوگردانی اور ندا وخطاب کو بیان فرمایا اور خطاب بغیر اسماع وفہم مخاطب کے عبث ہے اور فعل عبث کا پیغمبر سے سرزد ہونا قطعاً بعید ہے؛ لہٰذا قوم شعیب علیہ السلام کے ان مرداروں میں سماع و فہم اور ادراک وشعور ثابت ہو گیا۔ نیز ان اموات اور دوسرے اہل قبور میں وجہ فرق موجود نہیں؛ لہٰذا سب اموات اور اہل قبور میں اہلیت خطاب ونداء اور قدرت فہم وادراک اور استطاعت سماع ثابت ہو گئی۔

علاوہ ازیں اس آیت کریمہ میں فکیف آسیٰ علیٰ قوم کافرین ہمارے استدلال پر واضح دلیل ہے اور وجہ دلالت یہ ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کفار پر افسوس وتاسف کی نفی فرمادی ہے اور غم وحزن کرنے سے انکار فرمایا ہے؛ حالانکہ جب تک کوئی سرکش وکافر زندہ ہے اس کی توبہ کا احتمال وامکان موجود ہے اور اخروی نجات کی امید ہے؛ لہٰذا اتنی نامیدی ومایوسی اسی صورت میں ہو سکتی ہے، جبکہ وہ حالتِ کفر وعناد میں دار بوار کو جا پہنچیں اور ان کے لئے عذابِ خداوندی سے خلاصی کا کوئی ذریعہ باقی نہ رہے۔ اگرچہ ان کا نسبی تعلق اور قومی رشتہ ان پر اظہار رنج کا متقاضی تھا، مگر ان کے کفر وعناد اور جحود واستکبار کی انتہا اور آخری دم تک اسی پر اصرار نے

رحمت کے ان جذبات کو بھی ختم کر دیا اور آپ کے دل میں ان کے لئے ہمدردی کا کوئی پہلو نہ چھوڑا، اسی لئے فرمایا کہ میں ان پر افسوس کیسے کروں۔

تنبیہ: مفسرین کرام نے حضرت شعیب علیہ السلام کے خطاب کو بھی حضرت صالح علیہ السلام اور حبیب خدا علیہ التحیۃ والثناء کے خطابوں سے مماثل ومشابہ قرار دیا ہے؛ لہٰذا ان دونوں آیتوں سے جس طرح دونوں پیغمبروں کا اپنے ہلاک شدہ مخالفین کو زجر وتوبیخ کرنا اور نداء و خطاب فرمانا ثابت ہو گیا، اسی طرح مفسرین کرام کی رائے سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطاب کا مفہوم ومعنی واضح ہو گیا۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطاب کو واقعۂ حال اور جزوی صورت پر حمل کر کے عموم سے انکار کرنے والوں کا بھی رد ہو گیا، کیونکہ اموات کو خطاب صرف ایک جزوی واقعہ نہیں، بلکہ ازمنۂ قدیم سے رسل وانبیاء کی سنت جاریہ ہے۔ نیز ثابت ہوا کہ اموات کے لئے علم وشعور اور فہم وسماع تسلیم کرنا پیغمبران کرام کا نظریہ وعقیدہ ہے اور ان کے اس نظریہ و عقیدہ کو قرآن کریم نے واضح فرمایا ہے؛ لہٰذا اس میں شک وتردد کی بھی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی، چہ جائیکہ نفی وانکار کی۔ واللہ الہادی۔

(۴) قال اللہ تعالیٰ: والنّٰزعٰتِ غرقًا والنّٰشطٰتِ نشطًا والسّٰبحٰتِ سبحًا فالسّٰبقٰتِ سبقًا فالمدبّرٰتِ امرًا۔

ترجمہ: قسم ان نفوسِ قدسیہ کی سختی سے جان کھینچیں اور نرمی سے بند کھولیں اور آسانی سے تیریں، پھر آگے بڑھ کر جلد پہنچیں، پھر کام کی تدبیر کریں۔

وجہ استدلال: مفسرین کرام نے صفاتِ مذکورہ کو ملائکہ کے علاوہ نفوسِ کاملہ اور ارواح فاضلہ پر بھی منطبق فرمایا ہے اور ان کے لئے موت وحیات، ہر دو حالت میں نزع ونشط، سبح وسبق اور تدبیر امورِ خلق کا منصب تسلیم فرمایا ہے اور یہ امر بدیہی ہے کہ وفات ووصال کے بعد اگر علم و ادراک اور سماع ورؤیت ہی ثابت نہ ہو تو تدبیر وتصرف اور انتظام وانصرام کائنات متصور نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا یہ ماننا پڑے گا کہ نفوسِ قدسیہ کو عزرائیل، جبرائیل، میکائیل واسرافیل علیہم

السلام کی مانند کائنات پر اطلاع بھی ہے اور ان میں باذنِ الباری تدبیر و تصرف کی قدرت بھی لہذا عقیدۂ سماع کی حقانیت واضح ہوگئی۔

تصریحات اکابرین ملاحظہ فرمائیں اور اُن کا عقیدۂ و نظریہ معلوم کریں۔

۱۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تفسیر فتح العزیز میں فرماتے ہیں:

حضراتِ صوفیہ قدس اللہ اسرارہم گویند کہ مراد از والنازعات غرقاً قلوب اہل سلوک است کہ نفوس امارۂ خود را کہ در اتباع شہوات غرق شدہ اند بزور می کشند (تا) از مدبرات امراً قلوب کاملین مکملین کہ بعد از وصول برائے دعوت خلق بحق نزول می فرمایند و بہ صفات الٰہیہ متصف شدہ رجوع میکنند۔ صہ ۲۳ تفسیر فتح العزیز، پارہ عم۔

ترجمہ: حضراتِ صوفیہ قدس اسرارہم فرماتے ہیں کہ والنازعات غرقاً سے مراد اہلِ سلوک کے دل ہیں جو اپنے امارہ و سرکش نفوس کو جو کہ اتباعِ خواہشات میں مستغرق رہتے ہیں، زبردستی کھینچ کر اتباعِ شرع اور راہ سلوک و وصول پر گامزن کرتے ہیں اور الناشطات نشطاً سے مراد بھی بارگاہِ خداوندی کے وصول و حصول کی خواہش و آرزو رکھنے والے مقدس دل ہیں جن کے نفسوں میں منازعت و مخاصمتِ حق ختم ہوگئی ہے اور عبادتِ خداوندی میں کوئی امر مانع نہیں رہا اور وہ کمال نشاط سے اپنے اوقات کو فرائض و نوافل کی ادائیگی میں مصروف و مشغول رکھتے ہیں اور السابحات سبحاً سے مراد بھی دریائے معرفت میں شناوری کرنے والے دل ہیں، کیونکہ عرفان کے دریائے ناپید اکنار میں داخل ہونا مجاہدِ نفس کا انعام ہے اور احوال و مقاماتِ عالیہ تک رسائی اس پیراکی کا نتیجہ ہے۔ السابقات سبقاً سے مراد بھی واصلین کے دل ہیں جو سلوک کی منزلوں کو طے کر کے قرب و وصول کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہوتے ہیں اور قرب و وصول کے میدانوں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کے درپے ہوتے ہیں اور المدبرات امراً سے مراد کامل و مکمل دل ہیں جو مرتبۂ وصول تک رسائی حاصل کرنے

کے بعد اور فنا فی اللہ کے بعد بقا باللہ سے مشرف ہو کر مخلوق کو خالق سے ملانے اور انہیں پستی سے بلندی کی طرف لے جانے کے درپے ہوتے ہیں اور صفاتِ الٰہیہ سے متصف ہو کر مخلوق کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

یہی تقریر علامہ اسماعیل حقیؔ نے علامہ قاشانی سے اسی آیت کے تحت روح البیان جلد ۱۰ صہ ۳۱۶ پر نقل کی ہے اور علامہ آلوسی نے روح المعانی جلد ۳۰ صہ ۲۴ پر نقل کی ہے۔

اور یہ امر بدیہی ہے کہ صفاتِ الٰہیہ سے موصوف نفوس موت کے بعد بھی متصف رہتے ہیں، موت کی وجہ سے زندگی میں حاصل کئے ہوئے کمالات ضائع نہیں ہوتے بلکہ بقاءِ روح کی وجہ سے وہ باقی رہتے ہیں۔ لہٰذا صفاتِ باری تعالیٰ میں سے سمع بھی ہے اور بصر بھی، علم بھی ہے اور قدرت بھی۔ لہذا یہ نفوس ان تمام کمالات میں مظہر صفات الٰہیہ بن جاتے ہیں۔

(۲) علامہ سید محمود آلوسی رُوح المعانی میں اس آیتِ کریمہ کے تحت فرماتے ہیں:

قیل اقسام بالنفوس الفاضلة حالة المفارقة لابدا نها بالموت فانها تنزع عن الابدان غرقا ای نزعا شدیدا لعسر مفارقتها ایاها حیث الفته وکان وکان مطیة لها لاکتساب الخیر ومظنة لازیادة فتنشط شوقا الی عالم الملکوت وتسبح به فتسبق الی حظائر القدس فتصیر لشرفها وقوتها من المدبرات ای ملحقة بالملائکة او تصلح لان تکون مدبرة کما قال الامام انها بعد المفارقة قد تظهر لها آثار واحوال فی هذا العالم دالی، ولذا قیل ولیس بحدیث کما توهم اذا تحیرتم فی الامور فاستعینوا من اهل القبور ای اصحاب النفوس الفاضلة المتوفین ولاشك فی انه یحصل لزائرهم مدد روحانی ببرکتهم وکثیرا ما تنحل عقد الامور بانامل التوسل الی الله بحرمتهم وحمله بعضهم علی الاحیاء منهم الممتثلین امر موتوا قبل ان تموتوا۔ روح المعانی جلد ۳۰ صہ ۲۴ مطبوعہ تہران ایران۔

آیت مذکورہ میں ان نفوس فاضلہ کے ساتھ قسمیں ذکر کی گئی ہیں جو موت کی وجہ سے ابدان سے بزور الگ کئے جاتے ہیں، کیونکہ بدن سے الفت ومحبت کی وجہ سے اُن کی جدائی بہت مشکل ہوتی ہے، جبکہ بدن اعمالِ خیر میں ان کے لئے بمنزلہ سواری کے ہوتا ہے اور بدن میں رہنا مزید خیر وبرکت حاصل کرنے کا ذریعہ ہوتا ہے (اس لئے اس جدائی کو نزع سے تعبیر کیا گیا)، تب وہ بدنوں سے جدائی کے بعد عالم ملکوت کی طرف بصد شوق گامزن ہوتے ہیں اور عالم ملکوت میں پرواز کرتے ہوئے بارگاہ قدس میں سبقت لے جاتے ہیں، تب اپنے مرتبہ ودرجہ اور قدرت وطاقت کی وجہ سے کارکنان قضاوقدر میں سے ہوجاتے ہیں یعنی یادر حقیقت اس جماعت میں داخل ہوجاتے ہیں کہ ان میں صلاحیتِ تدبیر و تصرف کی آجاتی ہے (گویا چاہیں تو تصرف کرسکتے ہیں اور نہ کریں تو جواب دہ نہیں ہوتے)، جیساکہ امام رازی فرماتے ہیں کہ نفوس کاملۂ انسانی کے بعد از وفات اس جہان میں مختلف آثار وافعال ظاہر ہوتے ہیں جیساکہ کبھی ایک شخص اپنے شیخ کو وصال کے بعد دیکھتا ہے کہ وہ اس کی اہم امور میں رہنمائی فرمارہے ہیں، اور جالینوس سے منقول ہے کہ اسے ایسا مرض لاحق ہوگیا جس سے سب حکماء عاجز آگئے تو اسے خواب میں علاج بتلادیا گیا۔ جب بیدار ہوا تو اس نے وہ علاج کرکے صحت پائی، جیساکہ امام غزالی نے ذکر فرمایا اور اسی لئے کہا گیا ہے اذا تحیرتم فی الامور فاستعینو من اھل القبور۔ بعض نے اس کو حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم گمان کیا ہے، لیکن یہ درست نہیں۔ بہرکیف مقصد یہ ہے کہ جب تم مشکلات میں گھر جاؤ اور راہِ نجات نہ پاؤ، تو اہلِ قبور (یعنی فوت شدہ بزرگانِ دین) کے پاس جاؤ اور ان سے مدد چاہو اور اس میں شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں ہے کہ ان کی بارگاہ میں حاضری دینے والوں کو اُن کی روحانی امداد نصیب ہوتی ہے اور بسا اوقات بارگاہِ خداوندی میں ان کی حرمت وعزت کا واسطہ دینا مشکل کشائی کا موجب بن جاتا ہے اور بعض مفسرین کے نزدیک ان صفات

کاملہ کے موصوف وہ زندہ نفوس قدسیہ ہیں جنہوں نے موتوا قبل ان تموتوا پر عمل کر کے اپنے آپ کو ارادی اور اختیاری موت سے مار کر ابدی اور غیر فانی حیات حاصل کرلی ہے۔

لا ینبغی التوقف فی ان اللہ قد یکرم من شاء من اولیاءہ بعد الموت کما یکرمہ قبلہ بما شاء فیبرئ سبحانہ المریض وینقذ الغریق وینصر علی العدو وینزل الغیث وکیت وکیت کرامۃ لہ۔ روح المعانی جلد ۳۰ صفحہ ۲۵

اس امر میں توقف وتردد کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ اللہ رب العزت اپنے اولیاءٔ کو وصال کے بعد بھی کرامتوں سے نوازتا ہے، جیساکہ حالتِ حیات میں پس کبھی مریض کو ان کے ہاتھ پر بطورِ کرامت شفا بخشتا ہے، کبھی کسی کو غرق ہونے سے بچاتا ہے، کبھی دشمنوں پر غلبہ دیتا ہے، تو کبھی ان کے عرض کرنے پر بارش برساتا ہے وغیرہ وغیرہ

۳۔ علامہ اسماعیل حقی صاحب روح البیان اس آیتِ کریمہ کے تحت علامہ قاشانی کا قول نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

ثم ان النفوس الشریفۃ لا یبعد ان یظھر منھا آثار فی ھذا العالم سواء کانت مفارقۃ عن الابدان اولا فتکون مدبرات۔ روح البیان۔ جلد ۱۰ صفحہ ۳۱۶

پھر تحقیق نفوس شریفہ سے یہ امر بعید نہیں ہے کہ ان سے اس عالم میں مختلف آثار وافعال ظاہر ہوں، خواہ وہ اپنے ابدان سے جدا ہوں یا ابدان کے اندر محبوس ومقید اموات کی مختلف صورتوں میں امداد واعانت کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

قد یدخل بعض الاحیاء من جدار ونحوہ علی بعض من لہ حاجۃ فیقضیھا وذالک علی خرق العادۃ فاذا کان التدبیر بید الروح وھو فی ھذا الموطن فکذا اذا انتقل الی البرزخ بل ھو بعد المفارقۃ اشد تاثیرا و

تدبیرا لان الجسد حجاب فی الجملۃ الا تری ان الشمس اشد احراقا اذا
لم یحجبہا غمام او نحوہ - ص۳۱۶ جلد ۱۰

کبھی بعض زندہ دلی دیواروں پہاڑوں وغیرہ کے حجابات کو عبور کرکے حاجتمندوں کے پاس پہنچتے ہیں اور ان کی حاجات کو برلاتے ہیں اور یہ خرق عادت و کرامت سے ہے اور جبکہ تدبیر و تصرف روح کے ہاتھ میں ہے اور وہ اس وطن میں ہوتے ہوئے اس قدرت کا مالک ہے تو اسی طرح مفارقت بدن کے بعد بھی اور دار برزخ میں بھی اس کو تدبیر و تصرف کی یہ طاقت رہے گی، بلکہ اس سے بھی زیادہ کیونکہ دنیوی زندگی میں بدن (تمام تر مجاہدات و ریاضات اور انوار محبوبیت کے ساتھ منور ہونے اور نور خداوندی کے سمع و بصر اور دست و بازو بن جانے کے باوجود) بہرحال کچھ نہ کچھ حجاب و نقاب بنا رہتا ہے۔ دیکھتے نہیں سورج بادل وغیرہ نہ ہوں تو کتنی روشنی و حرارت کا موجب ہوتا ہے، مگر معمولی بادل کے ہوتے ہوئے یہ حالت حاصل نہیں ہوتی۔

۴۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے قاضی بیضاوی سے نقل کرتے ہوئے فرمایا:

تفسیر کردہ است بیضاوی آیت کریمہ والنازعات غرقاً الآیۃ را بصفات نفوس فاضلہ در حالت مفارقت از بدن کہ کشیدہ میشوند از ابدان و نشاط میکنند بسوئے عالم ملکوت و سیاحت می کنند بحظائر قدس پس میگردند بشرف و قوت از مدبرات امر۔ اشعۃ اللمعات جلد سوم ص۱۰۴

بعینہٖ یہی مفہوم عربی عبارت میں علامہ آلوسی کے کلام میں موجود ہے اور عبارت مع ترجمہ گزر چکی ہے اور واضح ہو گیا کہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بھی علامہ بیضاوی کے ساتھ متفق ہیں جیساکہ دوسرے اکابر۔

اب آخر میں ہم امام رازی کا کلام نقل کرکے اس تقریر کا اختتام کرتے ہیں۔

والحق کلام الامام امام الکلام - والوجہ الثالث فی تفسیر ہذہ الکلمات الخمس

انہا ھی الارواح (الی)، ثم ان ہذہ الارواح الشریفۃ العالیۃ لایبعد ان یکون فیہا ما یکون لقوتہا و شرفہا یظہر منہا آثار فی احوال ہذا العالم فہی المدبرات امرا (الی)، ألیس ان الغزالی قال ان الارواح الشریفۃ اذا فارقت ابدانہا ثم اتفق انسان مشابہ للانسان الاول فی الروح والبدن فانہ لا یبعد ان یحصل للنفس المفارقۃ تعلق بہذا البدن حتیٰ یصیر کالمعاونۃ للنفس المتعلقۃ بذالک البدن علی اعمال الخیر فتسمی تلک المعاونۃ الہاما ونظیرہ فی جانب النفوس الشریرۃ وسوسۃ وہذہ المعانی وان لم تکن منقولۃ عن المفسرین الا ان اللفظ یحتمل لہا جدا۔

ان پانچوں کلمات یعنی نازعات، ناشطات، سابحات، سابقات اور مدبرات کی تفسیر میں تیسری صورت یہ ہے کہ ان سے مراد ارواح انسانی ہیں (ان ارواح کے ان پانچ اقسام پر منقسم ہونے کی وجہ بیان کرنے کے بعد فرمایا) پھر یہ ارواح شریفہ بلند مرتبت بعید نہیں کہ ان میں ایسے روح بھی ہوں جو اپنے شرف و قوت کے لحاظ سے اس جہان کے احوال میں اثر انداز ہوں اور مدبرات امر کے مرتبہ پر فائز ہوں (جیساکہ کبھی شاگرد کو مشکل درپیش ہوتی ہے تو خواب میں استاد اس کی رہبری فرماتا ہے کبھی باپ فوت ہونے کے بعد بیٹے کو مدفون خزائن کی خبر دیتا ہے۔ جالینوس اپنے مرض کے علاج میں ناکام ہوا، تو خواب میں اس کی دوا بتلائی گئی جس کو استعمال کرکے وہ اس مرض سے نجات پا گیا) کیا امام غزالی نے یہ نہیں فرمایا کہ جب ارواح شریفہ اپنے ابدان سے جدا ہو جاتے ہیں۔ پھر کوئی ایسا انسان پیدا ہو جو روح اور بدن میں اس انسان کامل کے مشابہ ہو تو بعید نہیں کہ وہ پہلا کامل انسان اس پچھلے انسان کے لئے اعمال خیر میں معاون ثابت ہو اور اس معاونت کا نام الہام رکھا جاتا ہے جیساکہ نفوس شریرہ میں اس تعاون کی نظیر شیطانی وساوس اور یہ معانی اگرچہ مفسرین سے منقول نہیں مگر لفظ قرآن میں ان کا

احتمال قوی موجود ہے۔

الوجہ السادس انہ یمکن تفسیر ہذہ الکلمات بالمراتب الواقعۃ فی رجوع القلب من غیر اللہ الی اللہ دالی، فالمدبرات امرًا اشارۃ الی ان آخر مراتب البشریۃ متصلۃ باول درجات الملکیۃ فلما انتہت الارواح البشریۃ الی اقصیٰ غایاتہا وہی مراتب السبق اتصلت بعالم الملائکۃ وہو المراد من قولہ فالمدبرات امرا فالاربعۃ الاول ہی المرادۃ من قولہ یکاد زیتہا یضیئ والخامسۃ ہی النار فی قولہ ولو لم تمسسہ نار۔

چھٹی وجہ ان کلمات کی تفسیر میں یہ ہے کہ یہاں قلب وروح کے غیر اللہ سے اعراض وروگردانی کرکے وصول الی اللہ کے منصب پر ہونے کے دوران پیش آنے والے پانچ مراتب مراد ہیں (امام کی تقریر ان مراتب خمسہ کے متعلق وہی ہے جس کا ترجمہ شاہ عبدالعزیز نے تفسیر عزیزی میں نقل کیا ہے اور ہم نے ابتدا میں اس کو ذکر کردیا ہے) پس مدبرات امرًا میں اس طرف اشارہ ہے کہ بشریت کا آخری مرتبہ ملکیتہ کے پہلے مرتبہ سے متصل ہے پس جب ارواح بشریہ اپنے مراتب کی آخری حد یعنی مراتب سبقت تک رسائی حاصل کرلیتے ہیں، تو عالم ملائکہ سے متصل ہوجاتے ہیں اور یہی مراد ہے فالمدبرات امرا سے پس چار پہلے استعدادی مراتب ہیں، جن کو کلام مجید نے یکاد زیتہا یضیئ (یعنی قریب ہے کہ ان کی مخفی صلاحیتیں اور استعدادیں بطون سے ظہور کی طرف آئیں) سے تعبیر فرمایا ہے اور پانچواں مرتبہ وہ ہے جس کو اللہ رب العزت نے اپنے کلام پاک میں ولو لم تمسسہ نار کے اندر بیان فرمایا ہے، یعنی لفظ نار سے تعبیر فرمایا جس سے مراد مرتبہ تاثیر وتدبیر ہے اور قوتِ تصرف جو استکمال کے بعد تکمیل و ارشاد کے مرتبہ پر فائز ہونے سے عبارت ہے۔

سوال: مفسرین کرام ؒ نے ان صفات کا محمل ومصداق ان ملائکہ کو قرار دیا ہے جو اللہ رب العزت کی طرف سے مختلف امور میں تدبیر وتصرف پر مامور ہیں اور یہی معنی بالاجماع مراد ہے جیسا کہ مختلف کتب تفسیر میں تصریح موجود ہے لہٰذا دوسرے معانی کا کوئی جواز نہیں۔

جواب: امام رازی کی کلام سے اس سوال کا جواب پہلے بھی آچکا ہے۔ مزید توضیح کے لئے انہی کی عبارت ملاحظہ ہو:

واعلم ان الوجوہ المنقولۃ عن المفسرین غیر منقولۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نصاً فلا یمکن الزیادۃ علیہا بل انما ذکروہا لکون اللفظ محتملا لہا فاذا کان احتمال اللفظ لما ذکرناہ لیس دون احتمالہ للوجوہ التی ذکروہا لم یکن ما ذکروہ اولیٰ مما ذکرناہ۔ تفسیر کبیر جلد ۸ ص ۳۱۸

خیال رکھنا چاہیئے کہ جو وجوہ مفسرین نے بیان فرمائے ہیں، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بطور نص ثابت نہیں تاکہ ان پر زیادتی جائز نہ ہو، بلکہ مفسرین نے محض لفظ کو اس کے محتمل معنی پر حمل کیا ہے۔ پس وہ معانی جو ہم نے بیان کئے ہیں، وہ جب محتمل الفاظ ہونے میں مفسرین کے بیان کردہ معانی سے مرتبہ میں کم نہیں ہیں، تو ہم سے متقدم، مفسرین کے بیان کردہ معانی ہمارے بیان کئے ہوئے معانی سے عمدہ واولیٰ نہیں ہیں۔

اقول: مفسرین کرام کا اجماع اس پر ہے کہ ملائکہ مراد ہیں نہ کہ ماسوا مراد نہیں اور خاص کا بالاجماع مراد ہونا عام کے ارادہ سے مانع نہیں، بشرطیکہ لفظ محتمل ہو اور لفظ کا محتمل ہونا متعدد مفسرین کرام کی کلام سے واضح کرچکا ہوں۔ لہٰذا یہ سوال مندفع ہوگیا۔

سوال: نفوس انسانی اور ارواح بشری مراد لینا درست نہیں ہے، کیونکہ اس طرح عوام مومنین کے اس فاسد عقیدہ کی تائید وتقویت لازم آتی ہے کہ اللہ

رب العزت نے امورِ کائنات کو اولیاء کی تدبیر و تصرف میں دے دیا ہے اور خود معطل ہو گیا اس کا کسی امر میں دخل نہیں رہا۔

علامہ آلوسی روح المعانی میں فرماتے ہیں: وکذا فی حملها علی النفوس الفاضلة المفارقة ایهام صحة ما یزعمه کثیر من سخفة العقول من ان الاولیاء یتصرفون بعد وفاتهم (الیٰ) علی معنی ان الله فوض الیهم ذالك الخ

روح المعانی جلد ۳۰ ص۲۵

جواب: عوام کے عقیدہ فاسدہ کی اصلاح ضروری ہے اور ان کو حقیقتِ حال سے آگاہ کرنا نہ کہ صحیح معنیٰ کا انکار کر دینا۔ نیز تفویض اور تعطیل کے ابطال و بطلان سے تصرفاتِ اولیاء کا زندگی میں یا بعد از وصال ابطال و بطلان لازم نہیں آسکتا، ورنہ مطلقاً کرامات کا انکار کرنا پڑے گا جو قرآن و حدیث اور اجماع اہل السنت کی رُو سے باطل ہے اور خود علامہ آلوسی نے چند سطر بعد تصریح فرمائی ہے کہ بطورِ کرامت اور بعد از وصال کسی کو اولیاء کرام کے طفیل مشکلات سے نجات ملنا محل توقف و تردد نہیں (عبارت پہلے گذر چکی ہے) نیز علامہ آلوسی خود اولیاء کرام کے باذن اللہ مدبر و متصرف ہونے کی روح المعانی جلد ۱۱ ص۹۸ پر بھی تصریح فرما رہے ہیں۔

قد یعتذر عنهم بان مرادهم انه المدبر باذن الله وجاء اطلاق المدبر بهذا المعنیٰ علیٰ غیره تعالیٰ فی قوله فالمدبرات امرًا۔

(یعنی جو لوگ قطب وقت کو آسمانوں زمینوں میں متصرف مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر وہ نہ ہو تو آسمان زمین پر گر جائیں، ان کا مطلب یہ ہے کہ قطبِ وقت باذن اللہ امورِ کائنات میں متصرف ہے۔ نہ یہ کہ اللہ تعالیٰ معطل ہے یا قطبِ وقت اس پر غالب نعوذ باللہ) اور اس لحاظ سے غیر اللہ کو مدبر و متصرف خود قرآن کریم میں کہا گیا ہے فالمدبرات امرًا۔

نیز اگر اولیاء کرام میں تدبیر و تصرف کی قدرت ماننے سے عقیدۂ تفویض و تعطیل کی تائید و تقویت لازم آتی ہے تو ملائکہ مقربین میں بھی تدبیر و تصرف ماننے سے یہ تائید و تقویت لازم آئے گی، پھر اس کا بھی انکار کر دینا چاہیئے حالانکہ وہ بالاجماع درست ہے، بلکہ ان کو بھی مدبر نہ مانا جائے تو سرے سے ان کلماتِ خمسہ کا محمل و مصداق ہی کوئی شئی نہ بن سکے گی اور العیاذ باللہ یہ کلمات بے معنی ہو کر رہ جائیں گے۔ نیز فوت شدہ بزرگانِ دین اور اولیاء کرام کی تعیین بھی بے سود ہے، کیونکہ مدبر باذن اللہ ماننا (زندہ ہوں یا فوت شدہ) دونوں میں درست ہے اور خود بخود متصرف ماننا یا اللہ تعالیٰ کا انہیں اختیار سونپ کر خود فارغ ہو جانے کا اعتقاد رکھ کر مدبر و متصرف ماننا زندہ اولیاء اور فوت شدہ ہر دو میں باطل بلکہ کفر ہے لہٰذا یہ دونوں سے باطل ہیں اور مدبراتِ امرًا میں اَرواح کاملین بھی داخل ہیں اور علامہ آلوسی کا وہ مقصد نہیں جو ان کی کلام سے کشید کیا گیا ہے۔

قاضی ثناء اللہ تفسیر مظہری میں قول باری تعالیٰ ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل الله اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون کے تحت فرماتے ہیں:

یعنی ان الله یعطی لارواحهم قوة الاجساد فیذهبون من الارض والسماء والجنة حیث یشاءون وینصرون اولیاءهم ویدمرون اعداءهم انشاء الله (الیٰ)، فذهب جماعة من العلماء الیٰ ان هذه الحیواة مختص بالشهداء والحق عندی عدم اختصاصها بهم بل حیاة الانبیاء اقوی منهم واشد ظهورا آثارها فی الخارج حتی لا یجوز النکاح بازواجهم النبی صلی الله علیه وسلم بعد وفاته بخلاف الشهید والصدیقون ایضا اعلیٰ درجة من الشهداء والصالحون یعنی الاولیاء ملحقون بهم کما یدل علیه الترتیب فی قوله تعالیٰ من النبیین والصدیقین والشهداء والصالحین ولذالك قالت الصوفیة العلیة ارواحنا اجسادنا واجسادنا ارواحنا

قد تواتر عن کثیر من الاولیاء انھم ینصرون اولیاءھم ویدمرون اعداءھم ویھدون الی اللہ من یشاء اللہ الخ ۔ تفسیر مظہری جلد اوّل. ص ۱۵۲

بے شک اللہ تعالیٰ ارواح شہداء کو اجساد و اجسام والی قوت عطا فرماتا ہے، پس وہ زمین و آسمان اور جنت میں سے جہاں بھی چاہتے ہیں تشریف لے جاتے ہیں، اپنے متعلقین کی مدد فرماتے ہیں اور ان کے دشمنوں کو نیست و نابود فرماتے ہیں، انشاء اللہ (تا)، ایک جماعت علماء کی اس طرف مائل ہے کہ یہ زندگی صرف شہداء کو حاصل ہے ۔ لیکن میرے نزدیک حق یہ ہے کہ یہ زندگی صرف ان سے مختص نہیں، بلکہ انبیاء کرام علیہم السلام کی زندگی ان سے بھی قوی ہے اور اس حیاتِ طیبہ کے آثار خارج میں زیادہ ظاہر و باہر ہیں، حتیٰ کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرہ کے ساتھ آپ کے وصال شریف کے باوجود نکاح جائز نہیں رکھا گیا، جبکہ شہیدوں کی بیویوں سے نکاح درست ہے ۔ نیز صدیقین بھی حیاتِ برزخی میں شہداء سے اعلیٰ مرتبہ کے مالک ہیں اور صالحین یعنی اولیاء کرام بھی انہیں شہداء کے ساتھ لاحق ہیں۔ جیسا کہ کلام مجید میں ان مقدس ہستیوں کا اسی ترتیب کے ساتھ (من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین) مذکور ہونا اس پر واضح دلیل ہے۔ اسی بناء پر صوفیائے کرام نے فرمایا ہمارے روح ہمارے جسم ہیں اور ہمارے جسم ہمارے روح ہیں اور بے شمار اولیاء کرام سے بطریقِ تواتر ثابت ہے کہ وہ اپنے دوستوں کی مدد فرماتے ہیں اور ان کے دشمنوں کو تباہ فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مشیّت و اذن سے جسے چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف رہنمائی فرماتے ہیں اور اس کی ذات تک واصل فرماتے ہیں۔

قاضی صاحب کی اس تفسیر سے شہداء کرام اور اولیائے کرام کا اپنے متعلقین و متوسلین کی مدد فرمانا، ان کے دشمنوں کو تباہ کرنا اور زمین و آسمان اور جنات میں

جہاں جانا چاہیں جا سکنا واضح ہو گیا اور صدیقین و انبیاء کی حیاتِ مقدسہ کا ان سے اقویٰ ہونا بھی واضح ہو گیا، تو ان کے لئے بھی نصرتِ اولیاء اور اہلاکِ اعداء اور اطرافِ عالم میں ہر جگہ رسائی کی قوت بھی علی الوجہ الاتم ثابت ہو گئی اور علم و ادراک، سماع و ابصار کا ثبوت بھی واضح ہو گیا ۔ نیز سائل کے توہم کا بھی ازالہ ہو گیا، کیونکہ متواتر کے انکار کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی اور اولیاء کرام کے لئے بعد از وصال تدبیر و تصرف تواتر کے ساتھ ثابت ہے، ایسی صورت میں ان کے مدبراتِ امر ہونے کا انکار گویا دوپہر کے اُجالے میں اندھے کا سورج سے انکار کر دینے کا ہم معنی ہے ۔

الغرض جب اکابر مفسرین کی تصریحات سے اولیاء کاملین کا حیاتِ ظاہرہ اور حیاتِ برزخیہ میں مدبر و متصرف ہونا ثابت ہو گیا اور قرآن کریم کی دلالت بھی اس معنی پر واضح ہو گئی اور یہ امر بدیہی ہے کہ علم و ادراک اور سماع و ابصار کے بغیر تدبیر و تصرف اور حاجات و مشکلات میں خلق کی مددگاری و اعانت متصور نہیں ہو سکتی ۔ لہٰذا اس آیتِ کریمہ سے کاملین اولیاء کا سماع اور علم و ادراک ثابت ہو گیا، نیز انبیاء کرام علیہم السلام کا بطریقِ اولیٰ اور علی الخصوص سید الخلق امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا لہٰذا نفی سماع علی الاطلاق باطل ہو گئی ۔ فافہم وتدبر۔

(۵) قال اللہ تعالیٰ: ان اللہ یسمع من یشاء وما انت بمسمع من فی القبور ان انت الا نذیر ٥

ترجمہ: بیشک اللہ تبارک و تعالیٰ سنواتا ہے اور قوۃ سماع عطا فرماتا ہے جس کو چاہے اور آپ ان کو سنانے والے نہیں ہیں جو کہ قبروں میں موجود ہیں ۔ آپ صرف عذابِ خداوندی سے ڈرانے والے ہیں ۔

وجہ استدلال: اللہ رب العزت نے اسماع کو اپنے ساتھ مخصوص فرمایا ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی نفی فرما دی ہے، لہٰذا قاعدہ حصر و قصر کی رو سے جس

اسماع کی نفی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے، اسی کا ثبوت اللہ تعالیٰ کے لئے ہوگا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نفی اہل قبور کو سنانے کی ہے تو لامحالہ ان اللہ یسمع من یشاء میں اس کا ثبوت اللہ تعالیٰ کے لئے ہوگا اور اسماع مستلزم سماع کو ہے؛ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے سنوانے سے اہلِ قبور کے لئے سماع کا تحقق لازم آگیا۔ اگر اللہ تعالیٰ کے سنوانے کے باوجود اہلِ قبور نہ سُن سکیں تو باری تعالیٰ کا عجز لازم آجائے گا اور عجز محال ہے؛ لہٰذا ملزوم یعنی عدم سماع (نہ سننا اہل قبور کا) بھی محال ہوگا۔ لہٰذا ہمارا دعویٰ یعنی سماع اہل قبور و اہل برزخ قطعی طور پر ثابت ہوگیا۔ اس آیت کریمہ سے سماع اموات کا ثبوت امام رازی کی تقریر سے انشاء اللہ مزید واضح ہوجائے گا جیسا کہ اس آیت کریمہ کی تحقیق مفسرین کی زبانی عرض کی جائے گی (دیکھئے منکرین کی دوسری نقلی دلیل کا جواب)

سوال: اس آیت سے تو صرف اتنا ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ جن کو سناتا ہے وہ مردے سُن لیتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ نے فلاں کے حق میں یا سب کے حق میں سنانے کا ارادہ فرمایا یہ کس طرح معلوم ہوگا اور جب یہ معلوم نہیں ہوسکتا تو اموات اور اہلِ قبور کا بالفعل سننا کیسے ثابت ہوگا۔

جواب: آپ حضرات نفی کرتے ہیں اور سماع کا انکار تو آپ فرمایئے تمہیں کیسے معلوم ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں فلاں مخصوص اہل قبر یا کسی بھی میت کے اسماع کا ارادہ نہیں فرمایا

فما هو جوابكم فهو جوابنا۔ نیز حضرت صالح علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب اہل بدر کفار سے ان کی ہلاکت کے بعد مسلمان اہل قبور پر سلام بطورِ خطاب مسنون ہونا اور قبر میں دفن کے فوراً بعد مومن و کافر سے ملائکہ کا سوال اور اہلِ قبر کا جواب اور اس کے علاوہ دوسری احادیثِ صحیحہ جن کا ذکر عنقریب آرہا ہے۔ یہ سب امور واضح دلیل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ و مشیّت کا بالفعل تعلق اسماع اہل قبور کے ساتھ ہوتا تھا، ہوتا ہے اور ہوتا رہے گا؛ لہٰذا اہل قبور سنتے تھے، سنتے ہیں اور سنتے رہیں گے۔ وهو المُراد۔

<u>نکتہ لطیفہ و لطیفہ عجیبہ</u>: اللہ تعالیٰ نے اموات اور اہلِ قبور کے سنانے اور سنوانے کو اپنے لئے مختص فرمایا اور اس کے سُنوانے کو سننا لازم ہے، لیکن موحدین نے اس کو ماننے سے انکار کردیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسماع کی نفی کرتے ہوئے فرمایا وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِي الْقُبُورِ اور اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى تو یار لوگوں نے کہا کہ اسماع کی نفی سماع کی نفی کو مُستلزم ہے؛ لہٰذا اہل برزخ اور اصحابِ قبور نہیں سنتے۔ اس اُلٹی منطق پر ارشادِ خداوندی أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ (کیا تم کتاب اللہ کے ایک حصّہ پر ایمان لاتے ہو اور دوسرے سے انکار کرتے ہو) تو سچا آتا ہی ہے، مگر اس کے ساتھ ساتھ ان کی توحید اور حق پرستی کا بھانڈا بھی بیچ چوراہے کے پھوٹ گیا، کیونکہ ان کے زعمِ باطل کے مطابق لازم یہ آیا کہ اللہ تعالیٰ کے سُنوانے کے باوجود ایک میت بھی نہ سُن سکا اور نہ ہی سُن سکتا ہے، لیکن نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اگر سنواتے سناتے تو پھر میت اور اہل قبور سن لیتے، تو ان کے عقیدہ کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قدرت و طاقت (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ سے زیادہ ہوگئی، کیونکہ ان کے عدم اسماع (نہ سنانے) سے عدم سماع (اہل قبور کا نہ سننا) لازم آگیا، مگر اللہ تعالیٰ کے اسماع (سنانے) کے باوجود اہل قبور کا سماع (سننا) لازم نہ آیا، بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ سے زیادہ بااختیار و بااقتدار ماننے کے ساتھ ساتھ انہیں باری تعالیٰ کی خالقیت کا انکار بھی لازم آئے گا اور یہ لزوم اتنا واضح ہے کہ ادنیٰ سمجھ رکھنے والا بھی اس سے بے خبر نہیں رہ سکتا چہ جائیکہ عالم و فاضل یا کوئی شیخ القرآن اور ایسے لازم بین کا اعتراف و اقرار بمنزلہ التزام ہے جب انکارِ فعل اور خلق باری تعالیٰ کفر ہے تو یہاں التزامِ کفر متحقق ہوجاتے گا، نعوذ باللہ من ذالک۔ اور بالفرض انکارِ سماع کفر نہ بھی ہو تو الحاد و بدینی ضرور ہے کما قال الشاہ عبد العزیز۔

<u>تنبیہ نبیہ</u>

خلاصۃ المرام یہ کہ ان آیات کریمہ سے بدن حیوانی اور جسم انسانی کے متفرق اور بکھرے ہوئے

اجزاء و حصص میں سننے اور سمجھنے کا امکان اور فی الواقع سننا اور سمجھنا ثابت ہو گیا۔ نیز مجتمع اور یکجا اجزاء و حصص میں سننے سمجھنے کا امکان بطریقِ اولیٰ ثابت ہو گیا اور اس کے بعد ثبوت سماع پر دلائل کا بیان آگیا اور سننے سمجھنے کی توفیق کا فقط اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونا نہ کسی غیر سے حتیٰ کہ نہ اُس کے پاک محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے لہٰذا عقیدۂ سماع قرآنِ پاک سے واضح ہو جانے کے بعد احادیث نبویہ کو اپنے ظاہری معانی پر محمول کرنا اور ان میں تاویل اور خلاف ظاہر کے ارتکاب سے گریز واجب و لازم ہو گیا اور ان احادیث کے متبادر و واضح معانی یعنی "اموات کا سننا اور جواب دینا" کو خلافِ قرآن سمجھ کر مَن مانے مفہوم و معنی کا جواز پیدا کرنا بالکل لغو اور باطل ہو گیا۔

نیز یہ توہم بھی مندفع ہو گیا کہ عقائد کو احادیث اور اخبار آحاد سے ثابت نہیں کیا جا سکتا بلکہ قرآن سے ثابت کرنا ضروری ہے اور جب قرآن سے یہ عقیدہ ثابت نہیں بلکہ اس کی نفی اور انکار ثابت ہے تو احادیث سے استدلال لغو اور باطل ہوگا، کیونکہ عقیدۂ سماع قرآن کریم سے ثابت ہے اور احادیث اس کی تفصیل و تشریح کے لئے بیان کی جاتی ہیں اور توضیح و تلویح کے لئے نہ کہ بطورِ مستقل دلیل کے۔

علاوہ ازیں احادیث نبویہ جو سماع اہل قبور پر دلالت کرتی ہیں، وہ تواتر معنوی کے درجہ تک پہنچی ہوئی ہیں لہٰذا ان سے قطعی عقیدہ پر استدلال ابتداءً بھی صحیح ہے اور اگر اس عقیدہ کو ہی ظنی تسلیم کر لیا جائے تو صحت استدلال بھی زیادہ واضح ہو جاتے گی اور عقائد جس طرح قطعی ہیں، اسی طرح ظنی بھی ہیں جیسا کہ علمِ کلام کی ابحاث سے واضح ہے۔

ثبوت سماع از احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) عن صالح قال حدثنی نافع ان عمر رضی اللہ عنہما اخبرہ قال اطلع النبی صلی اللہ علیہ وسلم علیٰ اھل القلیب فقال وجدتم ما وعد ربکم حقًا فقیل لہٗ تدعوا امواتا قال ما انتم باسمع منھم ولکن لا یجیبون۔ بخاری مع فتح الباری جلد خامس ۵ صفحہ ۲۰۰ باب ماجاء فی عذاب القبر۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بدر کے کنوئیں میں پھینکے ہوئے مقتولین کفار پر جا کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا کیا تم نے اپنے رب کے وعدہ کو صحیح اور سچ پا لیا ہے؟ تو آپ سے عرض کیا گیا آپ مُردوں کو پکار رہے ہیں؛ (یعنی وہ سن نہیں سکتے، انہیں خطاب و نداء کا کیا مقصد؟) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو، لیکن وہ جواب نہیں دیتے (ایسا جواب جو تمہیں سنائی دے سکے)

(۲) عن انس بن مالک رضی اللہ عنہٗ قال کنا مع عمر بین مکۃ والمدینۃ (الیٰ) ثم انشاء یحدثنا عن اھل بدر فقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یرینا مصادع اھل بدر بالامس یقول ھذا مصرع فلان غدًا ان شاء اللہ قال فقال عمر والذی بعثہ بالحق ما اخطأوا الحدود التی حد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فجعلوا فی بئر بعضھم علیٰ بعض فانطلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتّٰی انتھیٰ الیھم فقال یا فلان بن فلان و یا فلان بن فلان ھل وجدتم ما وعدکم اللہ و رسولہ حقا فانی قد وجدت ما وعدنی اللہ حقا قال عمر یا رسول اللہ کیف تکلم اجسادا لا ارواح فیھا قال ما انتم باسمع لما اقول منھم

غیرا نہم لا یستطیعون ان یردوا علیّ شیئاً ۔ مسلم شریف جلد ثانی صہ ۳۸۷

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تھے مکہ اور مدینہ کے درمیان (تا) پھر آپ نے ہمیں اہل بدر کے متعلق حدیث بیان فرمائی، تو فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں کفار کے ساتھ لڑائی شروع ہونے سے پہلے روز قتل ہونے والے کفار کی جائے، ہلاکت کی نشان دہی فرما رہے تھے، آپ فرماتے جاتے تھے' یہ انشاء اللہ کل فلاں کافر کا مقتل ہوگا اور یہ فلاں کا۔ حضرت عمر فرماتے ہیں اس ذاتِ اقدس کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ ان کفار کے متعلق جو حدود آپ نے متعین فرمائی تھیں، وہ ان حدود سے ذرہ بھر اِدھر اُدھر نہ گرے، پھر انہیں یکے بعد دیگرے ایک دوسرے کے اوپر بدر والے کنوئیں میں پھینک دیا گیا تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم چلے حتیٰ کہ ان کے پاس پہنچ گئے اور فرمایا اے فلاں بن فلاں اور اے فلاں بن فلاں کیا تم نے اس وعدہ کو صحیح پالیا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے تمہارے ساتھ کیا تھا۔ تحقیق میں نے اس وعدہ کو درست پالیا جو اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ کیا۔ حضرت عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ ان اجسام کے ساتھ کیسے کلام فرما رہے ہو جن میں روح نہیں ہیں۔ محبوبِ خدا علیہ التحیۃ والثناء نے فرمایا میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، تم اسے ان کفار مرداروں سے زیادہ نہیں سُن رہے، مگر یہ کہ وہ مجھے جواب دینے کی استطاعت نہیں رکھتے۔

(۳) عن قتادہ قال لنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ عن ابی طلحۃ رضی اللہ عنہ، قال لما کان یوم بدر و ظہر علیہم نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امر ببضعۃ وعشرین رجلا وفی حدیث روح باربعۃ وعشرین رجلا من صنادید قریش فالقوا فی طوًی من اطواء بدر وساق الحدیث بمعنیٰ حدیث ثابت عن انس ۔ مسلم شریف جلد ثانی ۔ صہ ۳۸۷

ترجمہ: قتادہ سے مروی ہے کہ ہمیں انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو طلحہ

رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ جب کارزار بدر کا دن تھا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کفار پر غالب آگئے تو آپ نے بیس سے زیادہ اور حدیثِ روح میں ہے کہ چوبیس آدمی جو کہ قریش کے سرداروں میں سے تھے۔ بدر کے کنوؤں میں سے ایک کنوئیں کے اندر پھینک دینے کا حکم فرمایا اور اس کے بعد اسی طرح حدیث بیان کی، جیسا کہ پہلی روایت ہے، معنی میں اتحاد و اتفاق ہے اگرچہ لفظوں میں اختلاف ہے۔

بخاری و مسلم کی متفق علیہ صحیح حدیث کے ساتھ اور میدان بدر میں موجود چشم دید گواہوں حضرت عمرؓ اور حضرت ابو طلحہؓ کی شہادت سے واضح ہوگیا کہ بدر کے کنوئیں میں پھینکے جانے والے کافر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطاب و ارشاد کو اسی طرح سُن رہے تھے جیسا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ جب ان کفار میں سماع ثابت ہوگیا، تو دیگر کفار میں بھی سماع ثابت ہو جائے گا، کیونکہ کوئی امر فارق یہاں موجود نہیں۔ جب کافر کی موت ادراک و شعور اور فہم و سماع سے مانع نہیں ہے تو مومنین اور علی الخصوص اولیاء کرام اور رُسل عظام میں کیونکر مانع ہو سکتی ہے۔

نیز یہاں رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا کہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے زندہ فرمایا ہے۔ دوسرے اموات اور اہلِ قبور کو زندگی عطا نہیں فرماتا یا انہیں میرا کلام سنوایا ہے اور کسی کا کلام نہیں سن سکتے بلکہ یہ فرمایا کہ اے میرے صحابہ تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو بلکہ جس طرح تم سن رہے ہو اسی طرح یہ بھی سُن رہے ہیں؛ لہٰذا یہاں کسی قسم کی تخصیص کا وہم و گمان درست نہیں اور تاویل وغیرہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

نوٹ: اس حدیث پاک کی تحقیق علامہ محمود آلوسی صاحب روح المعانی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ محقق حنفیہ ملا علی قاری کی زبانی بعد میں ذکر کی جائے گی۔

(۴) عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ، انہ، حدثہم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان العبد اذا وضع فی قبرہ وتولّٰی وذھب اصحابہ حتیٰ انہ، لیسمع قرع نعالہم اتاہ ملکان فاقعداہ فیقولان لہ، ماکنت تقول فی ھذا الرجل ۔ رواہ

البخاری وروی مسلم عن قتادہ عن انس وابوداؤد فی سننہ عن البراء بن عازب وفیہ اِنّہٗ یسمع خفق نعالہم اذا ولوا مدبرین۔

ترجمہ: انس بن مالک رضی اللہ عنہٗ سے مروی ہے کہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ جب میت کو اپنے مدفن وقبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے مصاحب وہمراہی اس کو دفن کر کے لوٹتے ہیں حتیٰ کہ وہ ان کی جوتیوں کی آہٹ تک سنتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آجاتے ہیں، پس اسے بٹھا دیتے ہیں اور کہتے ہیں تو اس ذاتِ اقدس کے متعلق کیا کہا کرتا تھا" یعنی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے متعلق" رواہ البخاری۔ اسی روایت کو مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔ بسند قتادہ عن انس اور ابوداؤد نے اسے براء بن عازب رضی اللہ عنہٗ سے نقل کیا ہے اور اس میں یہ ہے کہ میت دفن کر کے لوٹنے والوں کے جوتوں کی رگڑ کا آواز سنتا ہے، جبکہ وہ وہاں سے لوٹتے ہیں۔

(۵) عن قتادہ قال حدثنا انس بن مالک قال قال نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ان العبد اذا وضع فی قبرہ وتولی عنہ اصحابہ انہٗ یسمع قرع نعالہم۔

وعن قتادہ عن انس بن مالک قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ان المیّت اذا وضع فی قبرہ انہ یسمع خفق نعالہم اذا انصرفوا۔ صحیح مسلم شریف جلد ثانی ص۳۸۶

ترجمہ: قتادہ سے مروی ہے کہ ہمیں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہٗ نے بیان فرمایا فوت شدہ آدمی جب قبر کے اندر رکھا جاتا ہے اور اس کے مصاحب اور الوداع کہنے والے جب لوٹتے ہیں، بیشک وہ میت ان کی جوتیوں سے پیدا ہونے والے خفیف آواز کو سنتا ہے۔

بخاری شریف، مسلم شریف اور ابوداؤد شریف اور دیگر کتب حدیث کی صحیح روایت حضرت انس بن مالک اور براء بن عازب رضی اللہ عنہٗ سے منقول یہ حدیث پاک میت کے سماع میں قطعی نص ہے اور اربابِ برزخ کے حواس کی قوۃ پر واضح دلیل ہے۔ زندہ آدمی بسا اوقات

توجہ کے باوجود اتنے حجاب اور حائل پردوں کے بعد اتنا خفیف آواز تو کجا اچھا خاصا شدید اور سخت آواز بھی نہیں سُن پاتا مگر روحِ انسانی کا تعلق بدن کے ساتھ جب بدل گیا اور پہلے کی طرح محبوس ومقید نہ رہا تو اس کے احساسات وادراکات میں بھی واضح فرق آگیا اور پہلے کی نسبت زیادہ سننے پر قادر ہو گیا۔ ملّا علی قاری فرماتے ہیں کہ احوال برزخ تمام تر دنیوی امور کے لحاظ سے خوارق عادات سے ہیں اور بمنزلہ کرامت ومعجزہ کے ہیں۔ الغرض اس حدیث کو تمام محدثین و فقہا نے ظاہری معنی پر حمل کیا ہے، حتیٰ کہ امام ابن ہمام نے "فتح القدیر" میں اسی حدیث سے منکرین سماع کا رد کیا ہے؛ لہٰذا یہاں تاویل وتحریف کی کوئی گنجائش نہیں۔

نیز یہاں جو سماع ذکر فرمایا گیا ہے، وہ مومن وکافر سب کے لئے ہے، اس میں مومنین کی تخصیص نہیں، لہٰذا یہ حدیث پاک عموم واستغراق میں بھی نص صحیح وصریح ہے۔

(۶) روی ابن عبد البر بسند صحیح ما من احد یمرّ بقبر اخیہ المومن کان یعرفہ فی الدنیا فیسلم علیہ الا عرفہ ورد علیہ السلام صححہ عبد الحق و رواہ ابن عبد البر فی الاستذکار والتمہید عن ابن عباس رضی اللہ عنہما شرح صدور ص۸۴۔ مواہب مع الزرقانی جلد ہشتم ص۳۰۸ طحطاوی ص۳۷۶

ترجمہ: ابن عبد البر نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے۔ کوئی شخص بھی جب اپنے مومن بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جسے کہ صاحبِ قبر دنیا کے اندر جانتا تھا، پس سلام دیتا ہے تو صاحبِ قبر اسے پہچان لیتا ہے اور اس کے سلام کا جواب بھی دیتا ہے۔ اس روایت کو محدث عبد الحق نے صحیح قرار دیا ہے اور اسے ابن عبد البر نے استذکار وتمہید میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

(۷) اخرج ابن ابی الدنیا فی کتاب القبور عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من رجل یزور قبر اخیہ ویجلس عندہ الا استانس بہ ورد علیہ حتیٰ یقوم۔ شرح الصدور ص۸۴

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں کوئی بھی ایسا شخص جو کہ اپنے بھائی کی قبر کی زیارت کرتا ہے اور اس کے پاس بیٹھتا ہے، مگر اسے اس کے ذریعہ انس اور راحت و سکون میسّر آتا ہے اور وہ سلام کا جواب بھی دیتا ہے اور انس و سکون اس وقت تک حاصل رہتا ہے، جب تک کہ بیٹھا رہے، جب وہاں سے رخصت ہوگا تو وہ حالت ختم ہو جائے گی۔

(۸) عن بن ابی ملیکۃ قال لما توفی عبد الرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما بالحبشی فحمل الی مکۃ فدفن بھا فلما قدمت عائشۃ رضی اللہ عنہا اتت قبر عبد الرحمٰن بن ابی بکر فقالت ؎ وکنا کندمانی جذیمۃ حقبۃ۔ من الدھر حتی قیل لن یتصدعا۔ فلما تفرقنا کانی ومالکًا۔ لطول اجتماع لم نبت لیلۃ معًا ثمّ قالت واللہ لو حضرتک ما دفنت الا حیث مت ولو شھدتک ما زرتک۔ رواہ الترمذی، مشکوٰۃ شریف ص ۱۴۹

ترجمہ: ابن ابی ملیکہ سے مروی ہے کہ جب عبد الرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما مقام حبشی میں فوت ہو گئے، تو انہیں وہاں سے مکہ شریف کی طرف منتقل کر کے وہاں دفن کر دیا گیا جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مکہ شریف تشریف لائیں تو اپنے بھائی عبد الرحمٰن کی قبر پر تشریف لائیں اور دو شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے: ہم جذیمہ کے دو مصاحبوں کی طرح زمانہ کا ایک طویل حصّہ اکٹھے رہے، حتیّٰ کہ کہا گیا کہ یہ ہرگز جُدا نہ ہوں گے اور جب ہم جدا ہو گئے تو گویا میں اور مالک باوجود عرصہ دراز تک اکٹھے رہنے کے یوں معلوم ہوتا ہے کہ ایک رات بھی اکٹھے نہیں رہے تھے۔

پھر اپنے بھائی سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا بخدا اگر میں اس وقت موجود ہوتی جبکہ آپ کا انتقال ہوا تھا، تو آپ وہیں دفن کئے جاتے جہاں آپ کا انتقال ہوا تھا اور اگر اس وقت حاضر ہوتی تو اب تیری زیارت نہ کرتی۔

اقول: حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا چونکہ بھائی کے انتقال کے وقت انہیں مل نہ

سکی تھیں اور الوداع نہ کہہ سکیں لہٰذا قبر پر تشریف لے جا کر اس حق کو ادا فرمایا اور چونکہ ازواج مطہرات کو بغیر کسی ضرورت و مجبوری کے اپنے گھروں سے نکلنا روا نہیں تھا، اس لئے فرمایا کہ میں اگر اس وقت آپ کو الوداع کر لیتی، تو اب زیارت نہ کرتی، کذا قال الشیخ فی اشعۃ اللمعات۔

حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا خطاب اور الوداع کہنے کے لئے قبر پر تشریف لے جانا اس بات پر واضح دلیل ہے کہ صاحبِ قبر کو زائر کا علم ہوتا ہے اور وہ زائرین سے اُنس حاصل کرتا ہے اور ان کی کلام کو سنتا ہے۔ یہ روایت ابن ابی الدنیا والی روایت کی مؤید ہے اور جب امام ترمذی کی روایت سے اس روایت کی تصدیق و تائید ہو گئی تو یہ عذر لنگ ختم ہو جاتے گا کہ ابن ابی الدنیا ضعیف محدّث ہے اس کی روایت کا کیا اعتبار۔ ویسے جب نیت ہی فاسد ہو اور عقیدہ کی بنیاد ہی غلط مفروضہ پر قائم کر لی گئی ہو تو پھر کوئی بھی روایت اس کے خلاف ہو وہ ضعیف ہی ہوتی چلی جائے گی، کیونکہ عقیدہ کو روایت اور حدیث کے تابع کرنا تو فطرتی ہٹ دھرمی اور ضد کے خلاف ہے، اس لئے روایات اور احادیث کو ہی اپنے نظریہ کے تابع کرنا ہے؛ لہٰذا اگر ابن ابی الدنیا یا امام سیوطی اس عقیدہ فاسدہ کے خلاف کتابیں تصنیف کر کے مستقل باب منعقد کر کے ایسی روایات کو جمع فرمائیں جو مزاجِ اقدس پر گراں گزریں تو ظاہر ہے یہ محدثین قوی کیسے ہو سکتے ہیں بہرحال مقصود یہ ہے کہ ترمذی شریف کی صحیح روایت ابن ابی الدنیا کی روایت کے لئے جو انہوں نے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نقل کی ہے مؤید قوی ہے اور اسی طرح احمد و حاکم کی روایت متعلق بہ زیارت روضہ اقدس بھی اس کی تصدیق کرتی ہے؛ لہٰذا اس روایت میں کسی قسم کے ضعف کا دعویٰ لغو اور باطل ہے۔

(۹) اخرج احمد والحاکم عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت کنت ادخل البیت فاضع ثوبی واقول انما زوجی وابی فلما دفن عمر معھما ما دخلتہ الا وانا مشدودۃ علیّ ثیابی حیاء من عمرؓ۔ شرح الصدور ص ۸۳ و مشکوٰۃ شریف ص ۱۵۴

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، میں اپنے اس حجرہ اقدس

میں داخل ہوتی تھی جس میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم مدفون اور آرام فرما ہیں، تو پردہ کا اہتمام نہ کرتی تھی اور دل میں کہتی تھی کہ یہ تو میرے خاوند ہیں اور دوسرے میرے باپ ہیں، پردہ کی کیا ضرورت ہے، اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ اس حجرۂ اقدس میں مدفون ہوئے تو بخدا میں بغیر اچھی طرح پردۂ و حجاب کرنے کے ہرگز داخل نہ ہوئی حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ سے حیاء کرتے ہوئے۔

اقول: اس روایت سے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا عقیدہ و نظریہ اہلِ قبور اور عالمِ برزخ والوں کے متعلق واضح و ظاہر ہے۔ وہ سمجھتی ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہٗ مجھے بوقتِ زیارت دیکھتے ہیں، لیکن ان سے پردہ کی کیا ضرورت ہے، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ دفن ہوتے، تو اب زیارت کرتے وقت اچھی طرح پردہ و حجاب کا اہتمام کرتی ہیں اگر ان کے عقیدہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ بوقتِ زیارۃ انہیں دیکھتے نہیں تھے تو اس اہتمام کی ضرورت محسوس نہ ہوتی۔

ذرا شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی زبانی شرم و حیاء اور اہتمامِ حجاب کی وجہ سُنیئے:

قولہا حیاء من عمر اوضح دلیل علیٰ حیوٰۃ المیت و علیٰ انہٗ ینبغی احترام المیت عند زیادتہ، مہما امکن لاسیما الصالحون بان یکون فی غایۃ الحیاء والتادب بظاھرہٖ و باطنہ، فان للصالحین مددا ظاھرا بالغاًلزوارھم بحسب ادبھم ونیتھم وقبولھم۔ لمعات، حاشیہ مشکوٰۃ ص۱۵۴

ترجمہ: حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد حیاء من عمر حیوٰۃ میت کی واضح دلیل ہے اور اس امر کی بھی واضح ترین دلیل ہے کہ میت کی زیارت کے وقت اس کا حتی الامکان احترام کرنا لازم ہے، خصوصاً صالحین بزرگانِ دین کا بایں طور کہ ظاہر و باطن کے ساتھ انتہائی باشرم و حیاء اور باادب ہو کر کیونکہ صلحاءِ کرام کی طرف سے مدد ظاہر اور حد نہایت تک بالغ تعاون حاصل ہوتا ہے۔ ان تمام لوگوں کے لئے جو ادب و نیازمندی اور خلوص کے ساتھ ان کی زیارت کرتے ہیں جتنا قدر ادب و نیاز اور انکسار و عجز اور خلوصِ قلب زیادہ ہوگا

اتنی مدد و اعانت اور فیض و برکت ان کی طرف سے زیادہ ہوگی۔

سوال: جن کی نگاہ منوں مٹی کے اندر سے باہر دیکھ سکتی ہے، کیا وہ حجاب و ستر کے اندر نہیں دیکھ سکتی، پھر اس اہتمام کا مقصد کیا ہوگا۔

جواب: جتنا قدر بندے کے بس میں ہے، اس قدر اس کے مطابق اہتمام و انتظام لازم ہے اور شیخ نے مہما امکن سے اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے، مثلاً خلوۃ اور تنہائی میں بھی بندہ پر لازم ہے کہ وہ اپنی شرمگاہ کو ڈھانپے، انسانوں وغیرہ سے نہ سہی، اللہ ربّ العزت سے حیا کرتے ہوئے اس پر لازم ہے جو جواب اللہ علیم و خبیر کی طرف سے یہاں دیا جائے گا، وہی جواب اہلِ قبور سے بھی سمجھ لیا جائے، حدیث پاک ملاحظہ ہو:

وعن یعلیٰ قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم رایٰ رجلا یغتسل بالبراز فصعد المنبر فحمد اللہ و اثنیٰ علیہ ثم قال ان اللہ حیی ستیر یحب الحیاء والتستر فاذا اغتسل احدکم فلیستتر۔ رواہ ابوداؤد والنسائیؒ۔

ترجمہ: حضرت یعلیٰ رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایک آدمی کو کھلی جگہ میں بغیر پردہ کے غسل کرتے دیکھا تو آپ منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ شرمیلا، پردہ پوش، حیاء اور پردہ کو پسند فرمانے والا ہے لہٰذا تم میں سے کوئی شخص جب بھی غسل کرے، تو ستر و پردہ کے اندر کرے۔

ملا علی قاری حنفی نے ابن حجر سے نقل کرتے ہوئے فرمایا من ثمّ قال ائمتنا یحرم کشف العورۃ فی الخلوۃ لغیر الحاجۃ لان فیہ ترک الحیاء من اللہ تعالیٰ۔ اسی وجہ سے ہمارے ائمہ نے فرمایا کہ تنہائی اور علیحدگی میں بھی بلاوجہ ستر و حجاب کا ترک حرام ہے، کیونکہ اس میں بارگاہ خداوندی کے لائق شرم و حیاء کو ترک کرنا لازم آتا ہے۔

ائمہ پر وارد ہونے والے اس سوال کا کہ اللہ تعالیٰ علیم و خبیر ہے مستور غیر مستور کو یکساں جانتا ہے لہٰذا اس سے شرم و حیا کرتے ہوئے پردہ و حجاب اس کے علمِ محیط کے مقابل

کیا معنی رکھتا ہے) جواب دیتے ہوئے فرمایا وردوہ بانہ تعالیٰ وان احاط علمہ بھما الا انہ یری المستور علیٰ حالۃ تقتضی الادب وشتان مابینھما۔ ص ۳۹ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ

آئمہ نے اس سوال کو یوں رد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم اگرچہ مستور وغیر مستور دونوں کو محیط ہے، لیکن شرم و حیاء والے مستور کو ایسی حالت میں دیکھتا ہے جس کا ادب تقاضا کرتا ہے بخلاف غیر مستور کے اور دونوں طرح کے دیکھنے میں بڑا فرق ہے۔

لہٰذا جس طرح علم باری تعالیٰ کے محیط ہونے کے باوجود ستر کا حکم دیا گیا ہے اور شرم و حیاء والی حالت کو اختیار کرنا لازم کیا گیا ہے۔ اسی طرح ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بھی ادب اور شرم و حیا والی ہئیت کو اختیار فرمایا اور جس طرح اللہ تعالیٰ مستور کے ساتھ تقاضائے ادب کے مطابق سلوک فرماتا ہے، یہی حالت اہل قبور کی بھی سمجھنی چاہیئے۔

جواب دوم: حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا وانبئکم بما تاکلون وما تدخرون فی بیوتکم (میں تمہیں ان چیزوں پر مطلع کر دیتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو کچھ گھروں میں ذخیرہ کر کے رکھتے ہو) اس آیت کریمہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نگاہِ اقدس کی تیزی اور ان کا معدہ میں موجودہ اشیاء پر مطلع ہونا نص قطعی سے ثابت ہے اور جس کی نگاہ پیٹ کے پردوں کے اندر دیکھ سکتی ہے کیا کپڑوں کے اندر نہیں دیکھ سکتی ہوگی۔ مگر آپ کی خدمت میں حاضر ہونے والوں کو کبھی یہ خیال بھی آیا کہ یہاں کپڑوں میں ملبوس ہو کر آنے کا کیا فائدہ؟

اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اقیموا صفوفکم وتراصو فانی اراکم من وراء ظھری۔ (اپنی صفیں درست کر کے ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کھڑے ہوا کرو، کیونکہ میں تمہیں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے اسی طرح دیکھتا ہوں) اور بعض روایات میں ہے انی اراکم من خلفی کما اراکم من بین یدی میں تمہیں پیٹھ کے پیچھے سے اس طرح دیکھتا ہوں جس طرح سامنے سے دیکھتا ہوں۔

تو جس ذات اقدس سے پچھلی جانب میں موجود لوگ حتیٰ کہ آخری صف والے بھی پوشیدہ نہیں رہتے تھے اور نہ ان کے رکوع و سجود وغیرہ، تو لباس والا خفیف سا حجاب ان کی نگاہوں کو ادراک سے کیسے مانع ہو سکتا تھا، مگر کیا کسی صحابی کو یہ خیال گزرا کہ ان کے سامنے شرم و حیاء کی حالت اور ادب و نیاز مندی والے طریقہ کو اپنانے کی ضرورت نہیں اور ستر کی حاجت نہیں۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

اس اعتراض سے ان لوگوں کی ذہنیت اور آیات و احادیث کے متعلق اور ارشادات صحابہ کے متعلق ان کی یاوہ گوئی اور ہرزہ سرائی کا اندازہ کر لیجئے اور اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ ان کے نزدیک اصلی دلیل ان کا اپنا عقل ہے نہ کہ قرآن و حدیث اور اقوال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم۔

جواب سوم: نیز مخلوق میں ادراکات محض خلق باری تعالیٰ سے ہیں، حواس ان ادراکات میں مستقل نہیں، لہٰذا جو ذات اقدس قبر کے اندر سے اتنے کثیف حجاب و مانع کے باوجود انہیں دکھلانے پر قادر ہے، وہ کپڑے جیسے خفیف مانع کے ہوتے ہوئے نہ دکھلانے پر بھی قادر ہے۔ ولیس ذالک علی اللہ بعزیز وھو علیٰ کل شیئ قدیر۔

نوٹ: عقلی شبہات کے ضمن میں اس کی مزید تحقیق و تفصیل بیان کی جائے گی۔

(۱۰) روی مسلم عن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ قال لابنہ وھو فی سیاق الموت اذا انا مت فلا تصحبنی نائحۃ ولا نار فاذا دفنتمونی فشنوا علی التراب شنا ثم اقیموا حول قبری قدر ما ینحر جزور ویقسم لحمہ حتیٰ استانس بکم واعلم ماذا اراجع بہ رسل ربی۔ مشکوٰۃ شریف ص ۱۴۹ باب دفن المیت۔ مسلم شریف۔ جلد اوّل ص ۷۶

ترجمہ: مسلم شریف میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب وہ قریب المرگ تھے، انہوں نے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا۔ جب میں فوت ہو جاؤں تو کوئی نوحہ کرنے والی عورت میرے ساتھ نہ چلے اور نہ آگ میرے ہمراہ لائی جائے (جیسا کہ رسم جاہلیت تھی) جب مجھے دفن کر چکو تو مجھ پر آہستہ آہستہ مٹی ڈالنا پھر میری قبر کے پاس اتنی دیر کھڑے رہنا جتنی

اونٹ ذبح کرکے اس کا گوشت تقسیم کیا جاسکتا ہے تاکہ میں تم سے انس حاصل کروں اور پورے وثوق کے ساتھ اپنے رب کے بھیجے ہوئے ملائکہ کو ان کے سوالوں کا جواب دے سکوں۔

اس روایت کی صحت میں تو کلام نہیں ہو سکتا: البتہ مانعین یہ کہہ سکتے ہیں، یہ صحابی کا قول ہے اور ان کا نظریہ ہم اس کے پابند نہیں ہیں کہ ان کے اقوال و اعمال کی بھی پابندی کریں، تو ان سے اتنی گذارش ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم (میرے صحابہ رضی اللہ عنہم ستاروں کی مانند ہیں، ان میں سے جس کی بھی اتباع کرو گے ہدایت پاجاؤ گے)، لہٰذا جب صحابہ کرام میں سے کسی کی بھی اتباع موجب ہدایت ہے، تو حضرت عمرو بن العاص کی اتباع بھی عین ہدایت ہے۔ نیز صحابہ کرام کے اجتہاد و قیاس کا جہاں دخل نہ ہو، اُن کا وہ قول حدیث مرفوع کے حکم میں ہوتا ہے اور یہاں بھی قیاس و اجتہاد کو دخل نہیں، عقل احوال برزخ کا ادراک نہیں کرسکتا؛ لہٰذا یہ فرمان بھی حدیث مرفوع کے حکم میں ہے جیسا کہ کتب اصول میں اس اصل و قاعدہ کو واضح کیا گیا ہے، پھر ان کا یہ ارشاد اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمرو کے لئے ہے جیسا کہ ظاہر ہے اور وہ بھی جلیل القدر صحابی ہیں، ان کا اس وصیت پر انکار نہ کرنا اور اسے قرآن و سنّت کے خلاف نہ سمجھنا بھی ہمارے لئے واضح دلیل ہے کہ صحابہ کرام کے نزدیک اہل قبور کے لئے زائرین کو پہچاننا اور ان سے آرام و سکون حاصل کرنا مشہور و معروف تھا اور اسی بناء پر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی۔ اگر اہلِ قبور زائرین کو جان پہچان نہ سکیں تو قبر پر لاکھوں افراد کی موجودگی بھی ان کے لئے قبر کی دہشت و ہولناکی اور فرشتوں کی رعب دار آواز غیر مانوس ڈراؤنی اور دل کو لرزا دینے والی شکلوں کے مقابل کیا فائدہ پہنچا سکتی ہے؛ لہٰذا یہ روایت علم میّت اور اس کے شعور و ادراک کی واضح دلیل ہے۔ نیز ابن ابی الدنیا والی روایت کی مؤید و مصدّق ہے۔

امام نووی نے شرح مسلم میں اسی روایت کے تحت فرمایا وفیہ انّ المیّت حینئذٍ یسمع من حول القبر۔ اس حدیث پاک کے جملہ فوائد میں سے ایک یہ فائدہ بھی ہے کہ میّت اس وقت قبر کے ارد گرد کی آوازیں سنتا ہے۔ مسلم شریف جلد اوّل ص۷۶ یعنی جہاں میّت قوّت بصر

ان اشخاص کی ذاتوں کو پہچانتا ہے اور انس حاصل کرتا ہے، ایسے ہی قوتِ سامعہ سے ان کی آوازوں کو پہچانتا اور انس حاصل کرتا ہے۔

(۱۱) صح عن عمرو بن دینار رضی اللہ عنہ قال ما من میت یموت الا وھو یعلم مایکون فی اھلہ بعدہ وانھم یغسلونہ ویکفنونہ وانہ لینظر الیھم وقد اخرج احمد والطبرانی وبن ابی الدنیا والمروزی وبن مندہ عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ انّ النبی صلی اللہ علیہ وسلّم قال ان المیت یعرف من یغسلہ ومن یحملہ ومن یکفنہ ومن یدلیہ فی حفرتہ الحدیث مرقاۃ جلد رابع (۴) ص۴۲ باب المشی بالجنازۃ وصح عن مجاھد انہ قال ان الرجل لیستبشر فی قبرہ بصلاح ولدہ من بعدہ۔ کتاب الروح ص۱۶

ترجمہ (۱): عمرو بن دینار رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ جو آدمی بھی فوت ہو جاتا ہے، وہ ان تمام امور کو جانتا ہے جو اس کے بعد ہوتے ہیں اور تحقیق لوگ اسے غسل دے رہے ہوتے ہیں اور کفن پہنا رہے ہوتے ہیں اور وہ میّت ان کی طرف دیکھ رہا ہوتا ہے۔ احمد، طبرانی۔ ابن ابی الدنیا اور مروزی ابن مندہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا بیشک میّت اپنے غسل دینے والوں، اٹھانے والوں، کفن پہنانے والوں اور قبر میں لٹکانے والوں کو جانتا ہے۔ مجاہد سے بسند صحیح ثابت ہے کہ میّت اپنی قبر میں اولاد کی نیکی کی وجہ سے خوش ہوتا ہے۔

(۱۲) عن عائشۃ رضی اللہ عنھا اُم المومنین ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کسر عظم المیت ککسرہ حیاً۔ رواہ مالک وابوداؤد وبن ماجہ مشکواۃ ص۱۴۹

ترجمہ: امّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ روایت فرماتی ہیں کہ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا میّت کی ہڈی کو توڑنا ایسے ہی ہے جیسا کہ زندہ کی ہڈی کو توڑنا۔

شیخ عبدالحق قدس سرہٗ العزیز فرماتے ہیں: ابن عبدالبر گفتہ است ازیں جا مستفاد

میگرددکہ میت متالم میگردذ بجمیع آں چہ متالم میگردد بداں حی ولازم ایں است کہ متلذذ گردد بتمام آنچہ متلذذ میگرددباآں زندہ۔ اشعۃ اللمعات جلد اول ص۷۰۲

ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ اس حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کو ہراس چیز سے رنج ودرد پہنچتا ہے جس سے زندہ آدمی کو دکھ درد پہنچتا ہے اور اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ اسے ان تمام امور سے لذت وراحت حاصل ہوتی ہے جن سے زندہ آدمی کو آرام وسکون حاصل ہوتا ہے۔

ملا علی القاری حنفی مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں؛ قال الطیبی اشارۃ الی انہ لایہان حیاً قال ابن الملک والی ان المیت یتالم قال بن حجر ومن لازمہ انہ یستلذ بما یستلذ بہ الحی وقد اخرج ابن ابی شیبۃ عن بن مسعود رضی اللہ عنہ قال اذی المومن فی موتہ کاذاہ فی حیوٰتہ۔ مرقاۃ۔ جلد رابع ص۷۹

ترجمہ؛ علامہ طیبی شارح مصابیح نے فرمایا۔ اس حدیث پاک میں اشارہ ہے کہ جیسے زندہ آدمی کی عزت وعظمت کے خلاف کوئی کام نہیں کیا جاتا، اسی طرح میت کی عزت وحرمت کے منافی کوئی فعل نہیں کرنا چاہیئے۔ ابن الملک نے فرمایا کہ اس حدیث پاک میں اس طرف اشارہ ہے کہ میت کو ایسے افعال سے رنج والم لاحق ہوتا ہے۔ علامہ بن حجر شارح بخاری شریف نے فرمایا کہ یہاں سے لازم یہ آتا ہے کہ میت ہراس شی سے لذت اندوز ہوتا ہے جو کہ زندہ آدمی کے لئے موجب لذت ہوتی ہے اور امام مسلم صاحب صحیح کے استاد ابوبکر بن ابی شیبہ نے نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن مسعود صحابی رضی اللہ عنہ نے فرمایا مومن کو حالت موت میں تکلیف دینا یوں ہے جیسے کہ اسے حالتِ حیات میں تکلیف دینا دونوں حالتوں میں فرق نہیں ہے۔

حدیث پاک کا معنی ومفہوم واضح تھا، مگر بایں ہمہ ہم نے ان اکابر کی تصریحات نقل کرکے مزید وضاحت اس لئے کردی ہے کہ مخالفین ومنکرین کے لئے ہیر پھیر اور ایچ پیچ کی گنجائش نہ رہے اور روز روشن سے بھی زیادہ عیاں ہو جائے کہ محدثین کرام اور شارحین عظام نے اس حدیث پاک سے یہی معنی سمجھا کہ میت میں علم وادراک اور فہم وشعور موجود ہے اور اسے تکلیف دہ امور سے تکلیف

پہنچتی ہے اور موجبات فرحت وسرور سے لذت وراحت حاصل ہوتی ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے مقرب بارگاہ نبوی کا بھی یہی ارشاد ہے۔

نوٹ؛ حضرت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا سے منقول ان صحیح روایات پر خصوصی توجہ رہے کیونکہ مخالفین نے بھی انہیں کی ایک روایت سے استدلال کرکے سماع اموات کی نفی کی ہے۔

(۱۳) اخرج بن ابی الدنیا عن عقبۃ بن عامر الصحابی قال لان اطأ علی جمرۃ او علی حد سیف حتی تخطف رجلی احب الی من ان امشی علی قبر رجل وما ابالی انی القبور قضیت حاجتی ام فی السوق بین ظہرانیہ والناس ینظرون۔ شرح الصدور ومرقاۃ شرح مشکوٰۃ۔

ترجمہ؛ بن ابی الدنیا عقبہ بن عامر صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میرے نزدیک انگاروں پر پاؤں رکھنا یا تلوار کی دھار پر حتی کہ وہ پاؤں کو جلا ڈالے یا قطع کردے زیادہ پسندیدہ ہے، اس سے کہ کسی آدمی کی قبر پر پاؤں رکھوں اور مجھے اس بات میں کوئی فرق نظر نہیں آتا ہے کہ میں قبرستان کے اندر قضائے حاجت کروں یا بازار کے درمیان جبکہ لوگ دیکھ رہے ہوں۔

(۱۴) اخرج بن ابی الدنیا عن سلیم بن غفرانۃ انہ مر علی مقبرۃ وھو حاقن قد غلبہ البول فقیل لہ لو نزلت فبلت قال سبحان اللہ واللہ انی لاستحی من الاموات کما استحی من الاحیاء۔ شرح الصدور۔ مرقاۃ باب زیارۃ القبور ص۱۱ قال ابن القیم لولا ان المیت یشعر بذالک لما استحی منہ۔

ترجمہ؛ سلیم بن غفرانہ سے ابن ابی الدنیا نے نقل کیا ہے کہ وہ ایک قبرستان سے گزر رہے تھے اور پیشاب نے ان پر غلبہ کیا ہوا تھا، ان سے عرض کیا گیا کاش کہ آپ اتر کر پیشاب کرلیتے (قبرستان میں)، انہوں نے کہا سبحان اللہ بخدا میں اموات سے اسی طرح شرم کرتا ہوں جس طرح کہ زندہ لوگوں سے علامہ بن قیم نے کہا اگر ان کے نزدیک میت میں شعور وادراک نہ ہوتا، تو

قبرستان میں قضائے حاجت کرنے سے شرم نہ کرتے۔

(١٥) اخرج العقیلی عن ابی ھریرۃ قال ابورزین یارسول اللہ ان طریقی علی الموتیٰ فھل من کلام اتکلم بہ اذا مررت علیھم قال قل السلام علیکم یا اھل القبور من المسلمین والمومنین انتم لنا سلف ونحن لکم تبع وانا انشاء اللہ بکم لاحقون قال ابورزین یسمعون قال یسمعون ولکن لایستطیعون ان یجیبوا قال یا ابارزین الاترضیٰ ان یرد علیک بعددھم من الملائکۃ۔ شرح الصدور صہ۸۴ ومرقاۃ باب زیارۃ القبور صہ۱۱۶

ترجمہ: حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ، سے عقیلی نے نقل کیا کہ حضرت ابورزین نے عرض کی یارسول اللہ میرا آنے جانے کا راستہ قبرستان میں سے ہے ایسی کلام آپ مجھے بتلائیں جسے میں وہاں سے گزرتے وقت پڑھوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم یوں کہا کرو، تم پر سلام ہو اے اہل قبور مسلمانو اور مومنو تم ہمارے اسلاف اور پیش رُو ہو اور ہم تمہارے اخلاف اور تابع اور ہم انشاء اللہ تمہیں آملیں گے۔ حضرت ابورزین صحابی نے دیہ دیکھتے ہوئے کہ ایسی کلام خطاب اور ندا پر مشتمل تو ان لوگوں سے کی جاتی ہے جو سنتے سمجھتے ہوں، حالانکہ وہ تو مردہ ہیں، کیونکر سن سکتے ہیں، عرض کیا یارسول اللہ کیا وہ اموات اور اہلِ قبور سنتے ہیں، آپ نے فرمایا، ہاں سنتے ہیں، لیکن جواب کی استطاعت نہیں رکھتے اور فرمایا اے ابورزین کیا تو اسے پسند نہیں کرتا کہ اہلِ قبور کی گنتی وشمار کے مطابق ملائکہ تجھے جواب دیں۔ وکذا فی شرح الصدور صہ۸۴۔

اس حدیث کی تائید وتقویت بخاری ومسلم کی متفق علیہ حدیث ما انتم باسمع لما اقول منھم ولکن لایجیبون سے حاصل ہو جانے کے بعد اس پر سند کے لحاظ سے جرح لغو وباطل ہے۔ علی الخصوص جبکہ تمام محدثین نے احادیث سلام میں اہل قبور کے سماع کی تصریح کی ہے اور عدم سماع کی صورت میں سلام کو فعل عبث اور غیر معقول قرار دیا ہے۔

ملا علی قاری نے فرمایا ای جوابا یسمعہ الحی والا فھم یردون حیث لانسمع یعنی اموات

سلام کا جواب دیتے ہیں مگر ایسے نہیں کہ زندہ جن وانسان اس کو سُن سکیں۔

(١٦) عن الصدیقۃ عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت کیف اقول تعنی فی زیارۃ القبور قال قولی السلام علی اھل الدیار من المومنین والمسلمین ویرحم اللہ المستقدمین والمستاخرین وانا انشاء اللہ بکم للاحقون۔ رواہ مسلم۔ مشکوٰۃ صہ۱۵۴ باب زیارۃ القبور۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں زیارت قبور کے وقت کیا کہوں۔ آپ نے فرمایا اس طرح کہو، سلام ہو اہلِ دیار (اہل قبور) مسلمانوں اور مومنوں پر اللہ تعالیٰ رحمت فرماتے ہمارے پہلے گزرنے والوں اور پیچھے آنے والوں پر اور ہم انشاء اللہ تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں۔

(١٧) عن ابن عباس مر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بقبور بالمدینۃ فاقبل علیھم بوجھہ فقال السلام علیکم یا اھل القبور الحدیث۔ رواہ الترمذی۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں چند قبروں کے پاس سے گزرے تو ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا سلام ہو تم پر اے اہلِ قبور!

(١٨) عن عائشۃ قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کلما کانت لیلتھا من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخرج من آخر اللیل الی البقیع فیقول السلام علیکم دار قوم مومنین واتاکم ماتوعدون غدا مؤجلون وانا انشاء اللہ بکم لاحقون اللھم اغفر لاھل البقیع الغرقد۔ رواہ مسلم، مشکوٰۃ صہ۱۵۴

ترجمہ، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی میری باری آتی ہر اس رات کے آخری حصہ میں جنت البقیع کی طرف تشریف لے جاتے اور فرماتے۔ سلام ہو تم پر اے قوم مومنین آگیا تمہارے پاس جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا تھا۔ فردائے قیامت تک تمہیں مہلت دی گئی ہے اور ہم بے شک انشاء اللہ تمہارے ساتھ آملنے والے ہیں۔

اے اللہ بقیع غرقد والوں کے لئے مغفرت فرما۔

حضرت ابو رزین، حضرت عائشہ صدیقہ اور تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جو طریقہ اہل قبور کو سلام دینے کا آپ نے سکھلایا، اس میں اہل قبور کو ندا اور خطاب ہے جیسا کہ زندہ لوگوں کو سلام دیتے وقت خطاب کا صیغہ اختیار کیا جاتا ہے۔ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب اہل قبور کو سلام دیتے تو خطاب و ندا والی صورت کو اختیار فرماتے، بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف متوجہ ہو کر سلام فرماتے جیسا کہ زندہ شخص کی طرف متوجہ ہو کر اسے سلام دیا جاتا ہے۔ اگر وہ سنتے سمجھتے نہیں اور انہیں علم و شعور نہیں تو سلام میں یہ طریقہ اختیار کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ یہی محدثین کرام اور دیگر علمائے کرام نے تصریح فرمائی ہے اور امت مسلمہ نے یہی کچھ اس سے سمجھا ہے۔ اگر اموات و احیاء میں سلام و کلام سننے سمجھنے میں تفاوت ہوتا تو لازماً وہ طریقہ اموات اور اہل قبور کے حق میں ترک کر دیا جاتا جو زندہ اہل اسلام کے لئے شریعت میں جاری فرمایا گیا ہے تاکہ مسلمانوں کو اندازِ تخاطب اور کیفیت سلام میں یکسانیت و موافقت سے سماع اموات کا وہم نہ پیدا ہو جائے۔

نیز اس سلام و خطاب کے لئے وقت کی بھی کوئی تخصیص نہیں فرمائی گئی، بلکہ جب کبھی اور جس وقت کوئی شخص قبرستان میں داخل ہو اسے سلام کہنا چاہیئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل قبور ہر وقت اپنے زائرین کو جانتے ہیں اور ان کے سلام و کلام کو سنتے سمجھتے ہیں۔

علامہ نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں وھو الظاھر المختار الذی تقتضیہ احادیث السلام علی القبور۔ تمام اموات کا سماع و شعور ظاہر ہے اور یہی مختار ہے جیسا کہ احادیث سلام اس کی مقتضی ہیں۔ شرح مسلم جلد ثانی ص ۳۸۷

قال ابن القیم قد شرع النبی صلی اللہ علیہ وسلم لامتہ اذا سلموا علی اھل القبور ان یسلموا علیھم سلام من یخاطبونہ فیقولوا السلام علیکم دار قوم مؤمنین وھذا خطاب لمن یعقل ویسمع ولو لا ذالک لکان ھذا الخطاب بمنزلۃ خطاب

المعدوم والجماد والسلف مجمعون علی ھذا وقد تواترت الآثار عنھم بان المیت یعرف زیارۃ الحی ویستبشر بہ۔ کتاب الروح۔ ص۵

علامہ ابن القیم تلمیذ ابن تیمیہ نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لئے جب بھی وہ اھل قبور کو سلام دیں، ایسا طریقہ سلام کا مسنون فرمایا جیسا کہ وہ سامنے موجود مخاطب لوگوں کو سلام دے رہے ہوں۔ پس وہ یوں کہیں السلام علیکم دار قوم مومنین اور یہ اندازِ اسلوب اس شخص کے لئے ہوتا ہے جو کلام کو سنتا اور سمجھتا ہو اور اگر اہل قبور میں علم و شعور اور ادراک و احساس اور فہم و سماع موجود نہ ہو تو یہ خطاب بمنزلہ خطاب معدوم و جمادات کے ہو جائے گا جو کہ غیر معقول ہے، حالانکہ اسلاف کا اس پر اجماع ہے اور ان سے تواتر کے ساتھ آثار و روایات ثابت ہیں کہ میت زندہ لوگوں کی زیارت کو جانتا ہے اور ان کی وجہ سے خوش ہوتا ہے۔ کتاب الروح ص۵ المسئلۃ الاولی وھی ھل تعرف الاموات زیارۃ الاحیاء وسلامھم ام لا"

امام سیوطی نے بشری الکئیب میں فرمایا قال ابن القیم الاحادیث والآثار تدل علی ان الزائر متی جاء علم بہ المیت ویسمع سلامہ وانس بہ وردّ علیہ وھذا عام فی حق الشھداء وغیرھم فانہ لا یوقت وھو اصح من اثر الضحاک الدال علی التوقیت قال قد شرع النبی صلی اللہ علیہ وسلم لامتہ ان یسلموا علی اھل القبور سلام من یخاطبونہ ممن یسمع ویعقل ص۱۰۲ بشری الکئیب علی حاشیۃ شرح الصدور

ترجمہ: امام جلال الدین سیوطی نے فرمایا کہ ابن قیم نے فرمایا ہے کہ احادیث و آثار اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ جب بھی میت کی قبر پر زیارت کرنے والا آتا ہے میت اسے جان لیتا ہے اور اس کے سلام کو سنتا ہے، اس کے ساتھ انس حاصل کرتا ہے اور اسے سلام کا جواب دیتا ہے اور شہداء اور غیر شہداء میں اتنا شعور و ادراک برابر و یکساں ہے کیونکہ ان احادیث و آثار میں ان کی معرفت اور علم و شعور کے لئے تعیین و تخصیص نہیں کی گئی اور یہ قول ضحاک والے اثر و روایت سے زیادہ

صحیح ہے جس میں تعیین و توقیت پائی گئی ہے، پہلے قول کے اصح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لئے اہلِ قبور پر سلام دینے کا جو طریقہ مسنون فرمایا، وہ ایسے لوگوں کو سلام دینے والا اندازِ واسلوب ہے جو کہ سنتے اور سمجھتے ہوں۔

علامہ طحطاوی حنفی نے مراقی الفلاح شرح نور الایضاح کے حاشیہ میں علامہ ابن القیم کے اسی قول کو نقل کیا اور اختیار فرمایا ہے۔ یہی مختار شیخ عبد الحق محدث دہلوی اور علامہ ملا علی قاری اور علامہ نووی وغیرہم اکابرین ملت کا ہے۔ ان کی عبارات بعد میں ذکر کی جائیں گی۔ فانتظر مفتشا۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں: ولا یختص السماع فی السلام عند الزیارۃ لیلۃ الجمعۃ او یومھا (الی)، بل یکون ذالك فی اسلام مطلقا عند الزیارۃ فالمیت یسمع اللہ روحہ اسلام علیہ من زائرہ فی ای وقت کان۔ روح المعانی جلد ۲۱ ص ۵۱ و ۵۲

ترجمہ: میت کا زیارت کرنے والے کے سلام کو سننا جمعہ کی رات اور جمعہ کے دن سے خاص نہیں ہے بلکہ سلام کا سننا بوقت زیارت کسی وقت سے مخصوص نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ میت کی روح کو زندہ کا سلام سنواتا ہے، جب بھی زیارت کرے اور سلام دے۔

(۱۹) اخرج الطبرانی فی الاوسط عن ابن عمرو واخرج الحاکم وصححہ والبیہقی عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ وقف علی مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ حین رجع من احد فوقف علیہ وعلی اصحابہ فقال اشھد انکم احیاء عند اللہ فزوروھم وسلموا علیھم فوالذی نفسی بیدہ لا یسلم علیھم احد الا ردوا علیہ الی یوم القیامۃ۔ شرح الصدور ص ۸۵

ترجمہ: طبرانی نے اوسط میں عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے نقل کیا اور حاکم و بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا اور حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جبکہ احد سے مراجعت فرما ہوئے تو حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے مزارات پر تشریف لے

گئے اور فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ تم اللہ تعالیٰ کے نزدیک زندہ ہو، پھر اپنے امتیوں صحابہ کرام اور بعد میں آنے والوں کو حکم فرمایا کہ ان شہداء کرام کی زیارت کرو اور ان پر سلام بھیجو۔ مجھے اس ذاتِ اقدس کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے جو شخص بھی قیامت تک انہیں سلام دے گا یہ شہداء کرام اس کا جواب دیں گے۔

اس روایت سے شہداء کرام کا زائرین کو جاننا ان کے سلام کو سننا اور انہیں جواب دینا اور اس علم و معرفت اور صلاحیت سماع و فہم اور قدرۃ جواب کا قیامت تک ان کے لئے ثابت ہونا واضح و ظاہر ہے۔ جب شہداء کرام میں یہ صلاحیت ثابت ہو گئی تو اولیاء کاملین صدیقین اور انبیاء و مرسلین علیہم السلام میں بطریقِ اولیٰ یہ قدرت ثابت ہو جائے گی، کیونکہ شہداء فضیلت کے مراتب میں سے تیسرے درجہ میں ہیں اور صالحین میں بھی کیونکہ وہ ملحق بالشہداء ہیں۔ کما قال صاحب التفسیر المظہری

(۲۰) عن عطاء الخراسانی قال حدثتنی ابنۃ ثابت بن قیس بن شماس قالت لما کان یوم الیمامۃ خرج مع خالد بن الولید رضی اللہ عنہ الی مسیلمۃ فلما التقوا انکشفوا فقال ثابت وسالم مولی ابی حذیفۃ ما ھکذا کنا نقاتل مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم حفر کل واحد لہ حفرۃ فثبتا وقاتلا حتی قتلا وعلی ثابت یومئذ درع لہ نفیسۃ فمر بہ رجل من المسلمین فاخذھا بینما رجل من المسلمین نائم اذ اتاہ ثابت فی منامہ فقال لہ اوصیك بوصیۃ فایاك ان تقول ھذا حلم فتضیعہ انی لما قتلت بالامس مر بی رجل من المسلمین فاخذ درعی ومنزلہ فی اقصی الناس وعند خبائہ فرس یستن فی طولہ وقد کفأ علی الدرع برمۃ وفوق البرمۃ رحل فأت خالدا فمرہ ان یبعث الی درعی فیاخذھا واذا قدمت المدینۃ علی خلیفۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم یعنی ابا بکر الصدیق رضی اللہ عنہ فقل لہ ان علی من الدین کذا وکذا وفلان من رقیقی عتیق

وفلان فاتی الرجل خالدا رضی اللہ عنہ فاخبرہ فبعث الی الدرع فاتی بہا وحدث ابابکر برؤیاہ فاجاز وصیتہ ۔ کتاب الروح لابن القیم ۔ صـ۲۱

قال مالک بن انس لا اعلم وصیۃ اجیزت بعد موت صاحبہا الا ھذہ ۔ خازن جمل

ترجمہ : عطاء خراسانی سے منقول ہے کہ مجھے حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضؓ کی بیٹی نے بیان کیا کہ جنگ یمامہ (جو کہ مسیلمہ کذاب کے ساتھ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں لڑی گئی تھی)، کا دن تھا۔ میرے والد حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسیلمہ کذاب کی طرف نکلے، جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوئے ثابت بن قیس بن شماسؓ اور سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہما نے کہا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں اس طرح جنگ نہیں لڑا کرتے تھے۔ پھر ہر ایک نے اپنے لئے ایک گڑھا کھود لیا اور اس میں کھڑے ہوکر دونوں نے ثابت قدمی کے ساتھ جہاد کیا، حتیٰ کہ دونوں شہید ہوگئے اور اس دن حضرت ثابت کے بدن پر ایک نفیس زرہ تھی۔ مسلمانوں میں سے ایک آدمی ان کے پاس سے گزرا، تو اس نے زرہ کو اتار لیا۔

حضرت ثابت رضی اللہ عنہ، خواب میں ایک مسلمان کو جبکہ وہ سویا ہوا تھا، ملے اور فرمایا میں تجھے وصیت کرتا ہوں اور تو اس خیال سے دور رہنا کہ اسے خواب و خیال سمجھ کر ضائع کردے۔ فرمایا، میں جب گزشتہ دن شہید ہوگیا تو میرے پاس سے ایک مسلمان گزرا، تو اس نے زرہ کو اتار لیا۔ زرہ اتارنے والے کی نشان دہی کرتے ہوئے فرمایا اس کا ٹھکانا سب لوگوں کے ٹھکانوں کے آخر میں ہے اور اس کے خیمہ کے پاس ایک گھوڑا اپنی لمبی رسّی کے ساتھ بندھا ہوا چر رہا ہے۔ اس شخص نے زرہ کے اوپر ہنڈیا کو الٹا رکھا ہوا ہے اور ہنڈیا کے اوپر پالان رکھا ہوا ہے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیجئے کہ میری زرہ کے لئے آدمی بھیج کر اسے وصول فرمالیں۔ نیز جب تو مدینہ شریف میں خلیفۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو تو ان سے عرض کرنا کہ مجھ پر اتنا قرض ہے، اسے بھی اتارا جائے اور

میرے غلاموں میں سے فلاں فلاں غلام آزاد ہیں۔ میری اس وصیت کو نافذ کرتے ہوئے انہیں آزاد کردیا جائے۔ وہ شخص حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کا پیغام پہنچایا۔ آپ نے آدمی بھیج کر اس زرہ کو منگوایا اور حضرت صدیقؓ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوکر حضرت ثابت کی درخواست پیش کی تو آپ نے ان کی وصیت کو نافذ فرمادیا۔ حضرت مالک بن انس فرماتے ہیں کہ موت کے بعد کی ہوئی وصیت کا نفاذ سوائے اس کے میرے علم میں نہیں ہے۔

اقول، حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا اس خواب پر اعتماد کرتے ہوئے زرہ اس شخص سے واپس لینا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ان کی وصیت کو نافذ فرمانا شہداء کرام کے علم و شعور اور ادراک و احساس اور آنے جانے والوں اور ان کے جملہ افعال کی معرفت پر اوّل دلیل اور روشن بُرہان ہے اور یہ روایت پہلی روایت کی مؤید ہے اور حدیثِ پاک اس واقعہ پر شاہدِ عدل والحمدللہ۔

نوٹ : حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ روایت مفصّل طور پر تفسیر جمل اور خازن وغیرہ میں سورۃ حجرات کی تفسیر میں زیر آیت ان الذین یغضون اصواتھم (الآیۃ) درج کی گئی ہے، دیکھئے جمل، جلد چہارم صـ۱۷۶ اور خازن جلد چہارم صـ۱۹۶ و صـ۱۹۷۔

(۲۱) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلّم ما من احد یسلّم علیّ الا رد اللہ علیّ روحی حتیٰ ارد علیہ السلام ۔ رواہ ابوداؤد ۔ مشکوٰۃ شریف صـ۸۶ باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۔

ترجمہ : حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کوئی شخص بھی مجھ پر سلام نہیں بھیجتا، مگر اللہ تعالیٰ میرے روح کو عالم استغراق و محویت سے باہر نکالتا ہے اور سلام دینے والے کی طرف متوجہ فرماتا ہے تاکہ میں اس کے سلام کا جواب دوں۔

یہ حدیث پاک اور دیگر احادیث صحیحہ بلکہ قرآن کریم ویکون الرسول علیکم شہیدا

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم و ادراک اور احوالِ امت کے مشاہدہ و اطلاع پر نص قطعی ہیں اور مفسرین کرام اور اربابِ سیر کی تصریحات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وسعت علم اور حالتِ حیات و ممات کے یکساں ہونے پر شاہدِ صادق اور دلیل ناطق ہیں۔ یہاں صرف دو عبارتوں پر اکتفا کرتا ہوں۔ تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں اور امت کے عوام مومنین اور شہداء کرام وغیرہ کے اندر علم و ادراک اور احساس و شعور کے ثابت ہو جانے کے بعد سید الانبیا حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس میں حاضرین کی معرفت اور ان کے سلام اور دیگر معروضات کے سماع و فہم وغیرہ میں کون سا خفا ہو سکتا ہے اور حق تو یہ ہے کہ اس روایت کے یہاں درج کرنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں تھی، مگر امتی کہلانے والوں میں ایک بدبخت ترین فرقہ ایسا بھی ہے جنہوں نے ذاتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنی بدباطنی کے باعث اپنی چیرہ دستیوں کا نشانہ بناتے ہوئے لاعلم و بے خبر ثابت کرنے کی سعیٔ ناپاک کی ہے، اس لئے کچھ اشارہ ان کے زعم فاسد اور قول باطل کے رد و ابطال کی طرف کر دیا۔ نیز امت کے حق میں اس خوش خبری کا اظہار بھی مقصود ہے کہ محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی جنابِ اقدس میں ہدیۂ سلام اور نذرانۂ عقیدت پیش کرنے والوں کے لئے کتنا بڑا انعام و اکرام ہے اور فضل و احسان ہے کہ حبیبِ خدا فخرِ انبیاء، سرورِ ہر دوسرا صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس امتیوں کے سلام کا جواب فرماتے ہیں۔

شیخ عبدالحق فرماتے ہیں اور کیا ہی خوب فرماتے ہیں: ازیں جا می تواں دانست کہ سلام برآنحضرت چہ فضیلت دارد و سلام گوینده برآنحضرت را خصوصًا بسیار گوینده را چہ شرف است اگر سلام تمام عمر را یک جواب آید سعادت است چہ جائے آنکہ ہر سلام را جواب شنود ؎

بہر سلام مکن رنجہ در جواب آں لب

کہ صد سلام مرا بس یکے جواب از تو — اشعۃ جلد اوّل ص۴۲۱

(۱) شاہ عبدالعزیز قدس سرّہٗ تفسیر عزیزی زیرِ آیت ویکون الرسول علیکم شہیدًا فرماتے ہیں: زیرا کہ او مطلع است بنورِ نبوت بر رتبہ ہر متدین بدینِ خود کہ در کدام درجہ از دینِ من رسیدہ و حقیقتِ ایمان او چیست و حجابے کہ بداں از ترقی محجوب ماندہ است کدام است پس او میشناسد گناہان شمارا و درجاتِ ایمان شمارا و اعمال نیک و بد شمارا و اخلاص و نفاق شمارا۔ تفسیر عزیزی سورۃ بقرہ ص۵۱۸۔

کیونکہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ۔ اپنے نورِ نبوت کے ساتھ (یعنی بذاتِ خود نہ کہ محض اطلاع ملائکہ کی وجہ سے ورنہ شاہ صاحب کے او مطلع است بنورِ نبوت کہنے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا، بلکہ یوں کہتے بہ اطلاعِ ملائکہ) اپنے دین میں داخل ہونے والے ہر شخص پر مطلع ہیں کہ وہ میرے دین میں کون سے درجہ تک پہنچا ہوا ہے اور اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے اور جس حجاب کی وجہ سے وہ ترقی سے محروم ہو گیا وہ کون سا ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے گناہوں کو جانتے ہیں، تمہارے ایمان کے مراتب و درجات کو جانتے ہیں، تمہارے اچھے برے اعمال کو جانتے ہیں اور تمہارے اخلاص و نفاق سے باخبر ہیں۔

(۲) علامہ قسطلانی شارح بخاری مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں: لا فرق بین موتہ و حیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مشاھدتہ لامتہ و معرفتہ باحوالھم ونیاتھم و عزائمھم وخواطرھم و ذالک جلی عندہ لاخفاء بہ۔ مواھب لدنیہ مع زرقانی جلد ثامن ص۳۰۵

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیوۃ طیبہ اور عالم برزخ کی زندگی مبارک میں اپنی امت کے مشاہدہ اور ان کے احوال و کیفیات، قلبی ارادوں اور نیات، عزائم و خواطر کی معرفت میں کوئی فرق نہیں اور امت کے سب امور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر واضح و منکشف ہیں، ان میں کسی قسم کا خفا اور پوشیدگی نہیں، انتہی۔

تقریبًا یہی مضمون حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ نے حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ سے نقل فرمایا ہے۔ وہی صاحب مواہب لدنیہ نقل فرماتے ہیں:

عن عبد اللہ بن المبارک عن سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ لیس من

یوم الا و یعرض علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم اعمال امتہ غدوۃ وعشیۃ فیعرفہم بسیماہم و اعمالہم فلذالک یشہد علیہم ۔ مواہب لدنیہ ۔ جلد خامس ۔ ص۳۲۷

ترجمہ : حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں ہے جس میں صبح وشام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں امت کے اعمال پیش نہ ہوتے ہوں۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے امتیوں کو ان کے اشکال وصور کے ساتھ اور اعمال کے ساتھ جانتے ہیں، اسی لئے قیامت کے دن ان پر گواہی دیں گے ۔ وکذا فی الملہم جلد اول ۔ ص۲۱۳

خلاصہ مرام یہ کہ جب قرآن کریم کی نص قطعی اور احادیث صحیحہ اور اقوال مفسرین جو اس آیت مقدسہ کی تفسیر و تعبیر ہیں ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم محیط اور امت کے احوال و اعمال عزائم ومقاصد خیالات وخواطر کے مشاہدہ تام پر شاہد صادق ہیں تو آنجناب کی امت کے سلام ونیاز اور معروضات وگذارشات پر اطلاع بھی ثابت ہوگئی ۔ لاندراج الاخص تحت الاعم ۔

(۲۲) عن ابی امامۃ قال قال رسول اللہ علیہ وسلم اذا مات احدکم فسویتم علیہ التراب فلیقم احدکم علی راس قبرہ ثم یقول یا فلان بن فلانۃ فانہ یسمع ولا یجیب ثم لیقل یا فلان بن فلانۃ الثانیۃ فانہ یستوی قاعدا ثم لیقل یا فلان بن فلانۃ فانہ یقول ارشدنا رحمک اللہ ولکنکم لا تسمعون فیقول اذکر ما خرجت علیہ من الدنیا شہادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ وانک رضیت باللہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد نبیا وبالقرآن اماما فان منکرا ونکیرا یتاخر کل واحد منہما ویقول انطلق بنا ما یقعدنا عند ہذا وقد لقن حجتہ ویکون اللہ ورسولہ حجیجہ دونہما فقال رجل یا رسول اللہ فان لم یعرف امہ قال ینسبہ الی امہ حواء رضی اللہ عنہا ۔ کتاب الروح ص۱۷ فتح الملہم جلد دوم ص۴۶۶ ۔ شامی جلد اول ص۶۲۹ وطحطاوی ص۳۷۳

ترجمہ : حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ جب تم میں سے ایک مسلمان فوت ہو جائے اور تم اسے دفن کر کے اس پر مٹی درست کر لو تو چاہیئے کہ تم میں سے ایک آدمی اس شخص کی قبر کے سرہانے کھڑا ہو جائے اور کہے اے فلاں فلانی کے بیٹے، وہ یقیناً اس آواز کو سنے گا، مگر جواب نہیں دے گا ۔ پھر کہے اے فلاں فلانی کے بیٹے اس وقت وہ میت اٹھ کر بیٹھ جائے گا ۔ پھر کہے اے فلاں فلانی کے بیٹے تو وہ میت کہے اللہ تجھ پر رحم فرمائے ۔ ہماری رہنمائی کر لیکن تم اس کے جواب کو نہیں سن سکو گے ۔ پس وہ تلقین کرنے والا شخص کہے (اے صاحب قبر) جس اعتقاد پر تو دنیا سے نکلا ہے، اسے یاد کر یعنی شہادۃ اس امر کی کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی مستحق عبادت نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور یہ کہ تو اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر راضی ہے اور اسلام پر بحیثیت دین ہونے کے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بحیثیت نبی ہونے کے اور قرآن مجید کے ساتھ بحیثیت رہنما ہونے کے تو یقیناً منکر ونکیر (میت سے سوال کرنے والے فرشتے) پیچھے ہٹ جائیں گے اور ایک دوسرے کو کہیں گے چلو ہم اس شخص کے پاس کیوں بیٹھیں جبکہ اسے اس کی حجت ایمان اور دلیل اسلام سکھلا دی گئی (ہم اس کا امتحان کیسے لیں) اور اللہ رب العزت اس بندہ کی طرف سے دونوں فرشتوں کے آگے اس کے ایمان واسلام میں کفیل وضامن ہو جائے گا ۔ ایک آدمی نے عرض کی یا رسول اللہ اگر اس مدفون کی والدہ کا نام معلوم نہ ہو (تو پھر حالت تلقین میں نداء کیسے کرے) آپ نے فرمایا اس کو اس کی والدہ حضرت حواء رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب کر کے نداء کرے ۔ کتاب الروح ص۱۷ ۔ وکذا فی لمعات جلد اول ص۲۰ ومرقاۃ جلد اول ص۲۰۸

علامہ ابن القیم نے فرمایا : فہذ الحدیث وان لم یثبت فاتصال العمل بہ فی سائر الامصار والاعصار من غیر انکار کاف فی العمل بہ وما اجری اللہ العادۃ بان امۃ طبقت مشارق الارض ومغاربہا وہی اکمل الامم عقولا واوفرہا معارف تطبق علی مخاطبۃ من لا یسمع ولا یعقل وتستحسن ذالک لا ینکر منہا منکر بل سنہ الاول للآخر ویقتدی

فیه الآخر بالاول فلولا ان المخاطب یسمع والا کان ذالك بمنزلۃ الخطاب للتراب والخشب والحجر والمعدوم وهذا وان استحسنه واحد فالعلماء قاطبة علیٰ استقباحه واستهجانه - کتاب الروح صلا

ترجمہ: یہ حدیث بالفرض سند کے لحاظ سے یقینی نہ ہو تو بھی تمام علاقوں اور زمانوں میں امتِ مسلمہ کا اس پر عمل بغیر خلاف و انکار کے اس پر عمل کے لئے کافی ہے اور اللہ رب العزت کی عادت کریمہ اس طرح جاری نہیں ہے کہ ایسی امت جس نے اپنی کثرت کی وجہ سے زمین کے اطراف و اکناف کو بھرا ہوا ہو۔ در آں حالیکہ وہ سب امتوں سے عقول میں اکمل ہو اور معارف و علوم میں فائق ہو، وہ ایسے لوگوں کو خطاب کرنے پر متفق ہو جائے جو نہ سنتے ہوں اور نہ سمجھتے ہوں بلکہ اس خطاب و ندا کو مستحسن سمجھیں اور ان میں سے کوئی بھی اس پر انکار نہ کرے بلکہ اوائل اسے متاخرین کے لئے سنت قرار دیں اور متاخرین اس میں متقدمین کی اتباع و اقتدا کریں۔ لہٰذا اگر میت نہ سنتے ہوتے (تو کبھی بھی اس تلقین اور خطاب و ندا کو جائز نہ سمجھا جاتا اور نہ ہی سلام و خطاب اور تلقین کو مشروع کیا جاتا) ورنہ خطاب بقبور و تلقینِ میت مٹی کے ڈھیروں اور لکڑیوں پتھروں اور معدوم اشیاء کو خطاب کرنے کے مترادف ہوگا اور ایسے خطابات کو ہو سکتا ہے کسی ایک شخص نے مستحسن اور جائز سمجھا ہو، مگر تمام علماء اس کی قباحت و ناپسندیدگی پر متفق ہیں۔

الحمد للہ کہ یہاں تک نصوص قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے سماع موتیٰ کا امکان اور اس کا تحقق و ثبوت تمام اموات و مقبورین اور جمیع اہل برزخ کے لئے علی الخصوص مومنین و مسلمین کے لئے واضح و ظاہر ہو گیا اور جب عوام مومنین کو یہ قدرت و طاقت حاصل ہے تو شہداء کرام اور اولیاء صدیقین کو بطریق اولیٰ حاصل ہوگی اور انبیاء کرام و رسل عظام کو بدرجہ اتم و اکمل۔

تنبیہ نبیہ اور فائدہ عظیمہ: ہم نے متعدد صحیح احادیث و روایات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات و ارشادات نقل کئے ہیں اور سینکڑوں اس کے علاوہ

احادیثِ صحیحہ اور آثار و روایات صادقہ موجود ہیں جو کہ اہلِ قبور کی حیواۃ، قبور میں عبادت مثلاً تلاوتِ کلام پاک اور دیگر اذکار پر دلالت کرتی ہیں۔ سماع کلام و سلام اور فہم ندا و خطاب پر صریح الدلالت ہیں۔ ہم منکرین سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ صحیح نہیں، بلکہ ضعیف روایت سے ہی سہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع موتیٰ کی نفی و انکار کسی بھی صریح حدیث کے ساتھ ثابت کر دیں، مگر انشاء اللہ العزیز ایک حدیث صریح بھی پیش نہیں کر سکیں گے فماذا بعد الحق الا الضلال۔

منکرین کے عقلی شبہات کا ازالہ

منکرینِ سماع نے اپنے عقیدہ کی بناء بظاہر قرآن کریم کی آیات اور حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ایک قول پر رکھی ہے، مگر دراصل ان کے نزدیک ان کا عقل ہی اصل دلیل ہے اور اسی کا فیصلہ ہی شرعی حکم ہے اور عینِ اسلام و دین جو کچھ اس کا خلاف ہے وہ مردود و باطل ہے۔

شبہ اولیٰ : ان کا عقل یہ فرماتا ہے کہ اہلِ قبور اپنی قبروں میں مٹی کے ساتھ مٹی ہو جاتے ہیں۔ ان کے اجزاء و اعضاء پراگندہ ہو جاتے ہیں، جسم کا کوئی جز صحیح و سالم نہیں رہتا، حواس و عقل کے ذریعے ادراک اور سلام و کلام کا سُننا ہماری عقل تسلیم نہیں کرتی؛ لہٰذا یہ عقیدہ و نظریہ باطل ہے۔

تنبیہ : یہ عقلی استدلال یا توہّم و تخیل ان حضرات کا ذاتی نہیں ہے بلکہ معتزلہ کی طرف سے بطورِ وراثت حاصل ہوا ہے جس کی تقریر بحوالہ عینی گزر چکی ہے۔ انہوں نے اسی شبہ کی بناء پر عذابِ قبر اور اس کے ثواب کا انکار کر دیا۔

اور ان حضرات نے اسی شبہ کی بناء پر سماعِ موتیٰ کا انکار کر دیا۔ دلیل ایک ہے، انداز استدلال ایک ہے، صرف عنوان و تعبیر کا فرق ہے۔ انہوں نے بنیاد کو گرانا شروع کیا اور انہوں نے منڈیر سے۔ انہوں نے ملزوم و متبوع کی نفی کی اور انہوں نے لازم و تابع کی (اور لازم کی نفی ملزوم کی نفی کو مستلزم ہے) اسی بناء پر معتزلہ نے مَا انت بمسمع مَن فی القبور سے برزخی حیات کی نفی پر استدلال کیا ہے، مقصود صرف یہ ہے کہ اس لفظی اور تعبیری فرق سے لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکی جاسکے اور جب علماء کرام معتزلہ ہونے کا طعنہ دیں تو یوں دامن بچانے کی سعی لاحاصل کی جاسکے کہ ہمارے اسلاف تو حیواۃ برزخ عذاب و ثواب کے قائل نہیں۔ ہم سماعِ اموات کے منکر ہیں ہم میں اور ان میں بہت بڑا فرق ہے۔

بہرحال چونکہ یہ شبہ دراصل معتزلہ کی طرف سے عذاب و ثواب قبر اور ملائکہ کے سوال و جواب میں وارد ہے اور وہی عقیدہ۔ سماعِ اموات والے نظریہ و عقیدہ کے لئے بنیاد و مدار اور موقوف علیہ و مبنی ہے؛ لہٰذا جب یہ اعتراض اس عقیدہ سے مندفع ہو جائے گا تو لازماً اس نظریہ سے بھی رفع ہو جائے گا۔ اس لئے ہم ائمہ ملت اور اکابرینِ اہل السنت کے جوابات کو یہاں نقل کر کے اس مغالطہ اور وہم کا ازالہ کرتے ہیں۔

میّت و مقبور کے اجزاء کا افتراق مانع ادراک نہیں

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لمعات شرح مشکوات جلد اوّل صـ۱۸۹ پر فرماتے ہیں۔

واختلف فی ان المیّت یعذب باحیاءۂ فی القبر او بجعل الروح فی مقابلته او بنوع آخر مما یعلمه اللہ تعالیٰ ولا نعلمہ، والا ظہر الاصوب انہٗ بالاحیاء واعادۃ الرّوح وھو ظاھر الاحادیث ثم اختلف فی کیفیۃ الاحیاء فقیل انہٗ یعاد فی جملتہ وقیل فی اقل جزء یحتمل الحیواۃ والعقل قال الحلیمی فان صح فلا جزء اولیٰ بہ من القلب الّذی ھو ینبوع الحیواۃ ومحل العقل وقیل کل من مات وتفرقت اجزاءہ فان اللہ یعلق روحہ بجزءہ الاصلی الباقی من اول عمرہ الی الآخرہ المستمر علی النمو والذبول لانّ اللہ تعالیٰ عالم بھا کلّھا حسب مَا ھو علیھا ویَعلم مواقعھا ومحالھا کما فی الحشر والبنیۃ عندنا لیست شرطاً للحیواۃ و یکفی فی صحۃ الاعتقاد ان تعتقد ان الحق تعالیٰ یحدث فیھا الادراک بای وجہ یرید واللہ اَعلم۔

ترجمہ ، اس میں اختلاف ہے کہ اموات میں سے جس میت کو عذاب دیا جاتا ہے آیا اسے قبر میں زندہ کر کے یا روح کو اس کے مقابل رکھ کے یا کسی اور طرح پر جو اللہ تعالیٰ کے

علم میں ہے اور ہمارے علم میں نہیں دیگر ان تینوں احتمالوں میں سے) زیادہ ظاہر اور بہت ہی صحیح یہ صورت ہے کہ میت کو قبر میں زندہ کرنے اور روح کو اس کی طرف لوٹانے کے بعد ہوتا ہے اور احادیث نبویہ سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔ پھر کیفیت احیاء میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ روح تمام بدن میں لوٹایا جاتا ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ صرف اس کم سے کم جُز میں روح کو لوٹایا جاتا ہے جس میں روح کا تعلق پیدا ہونے کے بعد میت میں زندگی اور علم و ادراک کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔ علامہ حلیمی فرماتے ہیں اگر یہ قول درست ہو تو پھر تعلقِ روح کے لئے دل والے حصہ سے زیادہ کوئی جزوِ بدن اس قابل نہیں کہ روح کا تعلق اس کے ساتھ ہو سکے، کیونکہ دل ہی تو سرچشمۂ حیات اور محلِ عقل و ادراک ہے اور تیسرا قول یہ ہے کہ جو شخص بھی فوت ہو اور اس کے اجزاء و اعضاء اِدھر اُدھر بکھر گئے ہوں، اور ترکیب بدن ختم ہو گئی ہو تو تحقیق اللہ رب العزت اس کے جزو اصلی کے ساتھ روح کا تعلق قائم فرماتا ہے جو اوّل عمر سے آخر تک فربہی اور دُبلاپن ہر دو حال میں برقرار رہتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام اجزاء کو ان کی نفس الامری کیفیات کے مطابق جانتا ہے اور ان کے محلوں اور مقاموں کو بھی جانتا ہے، جیسا کہ بوقتِ حشر (اپنے علم و قدرت سے انہیں جمع فرمائے گا) رہا یہ توہم کہ جب میت کی ترکیبِ بدن ختم ہو گئی اور اجزاء و اعضاء منتشر ہو گئے، تو حیواۃ کیسے متصور ہو گی؛ تو شیخ نے اس کا جواب یوں دیا کہ ہمارے نزدیک بدنِ انسانی اور اس کی ہیئۃ کذائیہ کا محفوظ رہنا زندہ ہونے کے لئے ضروری نہیں ہے اور قبر میں عذاب و ثواب کا اعتقاد رکھنے کے لئے یہ اعتقاد کافی ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ ان اجزاء و اعضاء میں جیسے بھی چاہتا ہے علم و ادراک پیدا فرماتا ہے، یعنی ہم یہ اعتقاد رکھنے کے تو پابند ہیں کہ اہلِ برزخ کے لئے حیواۃ اور عذاب و ثواب ہے، مگر کیفیت سمجھنے اور اس کی تعیین کے ساتھ مکلّف نہیں؛ لہذا تعیین کیفیت کی ضرورت نہیں۔

(۲) امام نووی شرح مُسلم میں فرماتے ہیں:

مذھب اھل السنّۃ اثبات عذاب القبر خلافاً للخوارج ومعظم المعتزلہ و بعض المرجیہ فانّھم نفوا ذالک ثم المذھب عند اھل السنّۃ الجسد بعینہ او بعضہ بعد اعادۃ الروح الیہ او الیٰ جزء منہ وخالف فیہ محمد بن جریر وعبد اللہ بن کرام وطائفۃ فقالوا لایشترط اعادۃ الروح قال اصحابنا ھذا فاسد لان الالم والاحساس انّما یکون فی الحی ولا یمنع من ذالک کون المیت قد تفرقت اجزاءہ کما نشاھد فی العادۃ او اکلتہ السباع او حیتان البحر او نحو ذالک فکما ان اللہ یعیدہ للحشر وھو سبحانہٗ وتعالیٰ قادر علیٰ ذالک فکذا یعید الحیواۃ الیٰ جزء منہ اَو اجزاء وان اکلتہ السبّاع والحیتان فان قیل فنحن نشاھد المیت علیٰ حالہ فی قبرہ فکیف یسئال ویقعد ویضرب بمطارق من حدید ولا یظھر لہٗ اثرًا فالجواب انّ ذالک غیر ممتنع بل لہٗ نظیر فی العادۃ وھو النائم فانہ یجد لذّۃ وآلامًا لا نحس نحن شیئًا منہ وکذا یجد الیقظان لذۃ والمًا لما یسمعہ او یفکر فیہ ولا یشاھد ذالک جلیسہ منہ وکذا کان جبریل علیہ السّلام یاتی النبی صلی اللہ علیہ وسلّم و یخبرہ بالوحی الکریم ولا یدرکہ الحاضرون وکل ھذا ظاھر جلی۔

شرح النووی۔ مُسلم شریف۔ جلد ثانی۔ ص ۳۸۶

ترجمہ: اہل السنّت کا مذہب و مسلک عذاب قبر کے ثبوت و تحقق کا اعتقاد و اذعان ہے بخلاف خارجیوں اکثر معتزلہ اور بعض مُرجیہ کے انہوں نے اس کا انکار کیا ہے۔ پھر اہل السنّت کے نزدیک عذاب پورے جسم مخصوص کو ہے یا اس کے بعض کو بعد اعادۂ روح کے خواہ پورے جسم کی طرف یا اس کے کسی جُز کی طرف۔ اعادۂ رُوح میں محمد بن جریر، عبد اللہ بن کرام اور ایک طائفہ مخالف ہے۔ وہ کہتے ہیں عذاب میت کے لئے

اس کی طرف رُوح کا لوٹایا جانا شرط نہیں۔

ہمارے علماء کرام فرماتے ہیں کہ یہ قول فاسد و باطل ہے، کیونکہ درد و رنج صرف زندہ کو ہوتا ہے (اور زندگی بغیر اعادۂ روح کے متصور نہیں ہوسکتی)، (اور عذاب و ثواب و اعادۂ روح میں) میت کے اجزاء و اعضاء کا افتراق و انتشار مانع نہیں ہوسکتا جیسا کہ ہم اموات میں حسب عادت و معمول دفن کے بعد مشاہدہ کرتے ہیں یا انہیں درندے کھا جائیں یا سمندر کی مچھلیاں وغیرہ کیونکہ جس طرح اللہ تعالیٰ ان اجزاء کو قیامت اور حشر کے وقت لوٹائے گا اور وہ اس اعادہ پر قادر ہے، اسی طرح حیواۃ و روح کو میت کے ایک جزء یا متعدد اجزاء سے متعلق فرمانے پر بھی قادر ہے، اگرچہ اسے درندے اور مچھلیاں ہی کیوں نہ کھا جائیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ ہم میت کو قبر میں اپنے حال پر پڑا ہوا دیکھتے ہیں، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اس سے سوال کیا جائے، اسے بٹھایا جائے اور لوہے کے ہتھوڑوں کے ساتھ پیٹا جائے اور اس کا کوئی اثر و نشان ظاہر نہ ہو، تو جواب یہ ہے کہ ایسا ہونا محال و ناممکن نہیں ہے اور اس کی امثال و نظائر ہم اپنے روزمرّہ معمولات میں مشاہدہ کرتے رہتے ہیں، مثلاً سویا ہوا آدمی کبھی لذّت و راحت میں ہوتا ہے اور کبھی رنج و الم سے دوچار اور ہم اس میں کسی امر کا مشاہدہ نہیں کرتے اور ایسے ہی بیدار شخص جو کچھ سنتا ہے سوچتا ہے اس کی مسرت و خوشی محسوس کرتا ہے یا غم و اندوہ مگر اس کا ہمنشین اسے محسوس نہیں کرتا اور ایسے ہی حضرت جبرائیل علیہ السلام بارگاہِ رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وسلّم میں حاضر ہوتے اور وحی کریم سے مطلع کرتے، مگر صحابہ کرام نہ حضرت جبرائیل کو دیکھتے اور نہ ہی ان کے کلام کو سنتے اور یہ سب امور ظاہر و جلی ہیں۔

۲۔ علامہ قسطلانی شارح بخاری نے علامہ عسقلانی سے نقل فرمایا:

ولا مانع فی العقل ان یعید اللہ الحیواۃ فی جزء من الجسد او فی جمیع علی الخلاف المعروف بثیبہ او یعذبہ واذا لم یمنع العقل وورد بہ

الشرع وجب القبول والاعتقاد ولا یمنع من ذالک کون المیت قد تفرقت اجزاءہٗ کما یشاھد فی العادۃ او اکلتہ السباع والطیور وحیتان البحر کما ان اللہ یعیدہٗ للحشر وھو سبحانہٗ قادر علیٰ ذالک فلا یستبعد تعلق روح الشخص الواحد فی آن واحد لکل واحد من اجزاءہ المتفرقۃ فی المشارق والمغارب فان تعلقہ لیس علیٰ سبیل الحلول حتیٰ یمنعہ الحلول فی جزء من الحلول فی جزء آخر۔ قسطلانی جلد ثانی ص۳۷۶ وکذا قال العلی القاری فی المرقاۃ جلد اوّل ص۱۹۷۔

خلاصہ ترجمہ یہ ہے کہ عقلی طور پر میت کے پورے جسم یا ایک جُز میں زندگی پیدا کرکے اسے عذاب و ثواب دینا محال نہیں ہے اور جب ایک شے عقلاً محال نہ ہو اور شریعت میں ثابت ہو، تو اس کو تسلیم کرنا واجب و لازم ہے اور میت کے اجزاء کا افتراق تعلق روح و حیواۃ اور وصول عذاب و ثواب سے مانع نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ حشر کے لئے انہیں جمع فرمانے پر قادر ہے تو اب بھی قادر ہے۔ لہٰذا شخص واحد کے رُوح کا تعلق آنِ واحد میں اس کے مشرق و مغرب میں پھیلے ہوئے اجزاء بدن کے ساتھ قطعاً بعید نہیں (چہ جائیکہ محال ہو) کیونکہ روح کا تعلق ان اجزاء کے ساتھ حلول والا تعلق نہیں تاکہ ایک جز میں حلول دوسری جز کے اندر حلول سے مانع ہو جائے (بلکہ وہ تعلق یوں ہے جیسے سورج کا تعلق ان اشیاء سے جو اس سے مُستفید و مُستفیض ہیں)

(۴) علامہ ابن القیم نے معتزلہ کے اس عقلی شُبہ کا جواب دیتے ہوئے روح کے تعلقات اور ان کی نوعیت و کیفیت پر یوں روشنی ڈالی۔

والروح لم تزل متعلقۃ ببدنھا وان بلیٰ وتمزق وسر ذالک ان الروح لھا بالبدن خمسۃ انواع من التعلق متغائرۃ الاحکام۔ احدھا تعلقھا بہ فی بطن الام جنیناً۔ الثانی تعلقھا بہ بعد الخروج الیٰ وجہ الارض۔ الثالث

تعلقها به فی حال النوم فلها به تعلق من وجه و مفارقة من وجه۔ الرابع تعلقها به فی البرزخ فانها وان فارقته و تجردت عنه فانها لم تفارقه فراقاً کلیا بحیث لا یبقیٰ لها التفات الیه البتة وقد ذکرنا فی اوّل الجواب من الاحادیث والآثار ما یدلّ علیٰ ردها وقت سلام المسلم۔ وهذا الرد اعادة خاصة لا یوجب حیواة البدن قبل یوم القیامة۔ الخامس تعلقها به یوم بعث الاجساد وهو اکمل انواع التعلق بالبدن ولا نسبة لما قبله من انواع التعلق الیه اذ هو تعلق لا یقبل البدن معه موتا ولا نوما ولا فسادا (الیٰ) واذا کان النائم روحه فی جسده وهو حی وحیاته غیر حیواة المستیقظ فان النوم شقیق الموت فهکذا المیّت اذا اعیدت روحه الیٰ جسده کانت له حیواة متوسطة بین الحی و بین المیت الذی لم ترد روحه الیٰ بدنه کحال النائم المتوسطة بین الحی والمیت فتامل۔ کتاب الروح ص ٦٧

ترجمہ: روح ہمیشہ اپنے بدن سے متعلق رہتی ہے، اگرچہ وہ بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہو جائے۔ اس کا سبب و راز یہ ہے کہ روح کے بدن کے ساتھ تعلقات پانچ قسم کے ہیں، جن میں سے ہر قسم کے احکام جُداگانہ ہیں۔ پہلا تعلق جب کہ بدن والدہ کے پیٹ میں بحالت جنین موجود ہوتا ہے۔ دُوسرا تعلق پیٹ سے رُوئے زمین کی طرف نکلنے کے بعد، تیسرا تعلق نیند کی حالت میں جو ایک طرح کا تعلق بھی ہے اور علیحدگی و تجرّد بھی۔ چوتھا تعلق عالم برزخ میں کیونکہ روح بوجہ موت بدن سے الگ ہوتا ہے، لیکن اس طرح جدا نہیں ہوتا کہ اسے بدن کی طرف بالکل التفات اور توجہ نہ رہے اور ہم ابتداء جواب میں ایسے احادیث و آثار ذکر کر چکے ہیں جو بوقتِ سلام میّت کی طرف روح کے لوٹنے پر دلالت کرتے ہیں اور روح کا یہ اعادہ ایسا خاص قسم کا تعلق ہے جو قیامت سے قبل بدن کی حیات معتاد کو مستلزم نہیں پانچواں تعلق، جو قیامت کے دن حشرِ اجسام کے وقت ہوگا۔ یہ سب اقسام سے اکمل تعلق

ہے اور پہلے اقسام کو اس قسم کے ساتھ کوئی نسبت ہی نہیں، کیونکہ یہ تعلق ایسا ہے جس کے بعد بدن سرے سے موت، نیند اور تغیّر و تبدّل اور فنا و زوال کو قبول ہی نہیں کرتا (اصل مقصود یعنی جواب وہم کی طرف رجوع کرتے ہوئے فرمایا)، اور جبکہ سوتے ہوئے آدمی کا روح بدن میں ہونے کے باوجود اس کی زندگی بیدار کی زندگی سے مختلف ہے، کیونکہ نیند موت کے مماثل و مشابہ ہے۔ پس اس طرح میّت بھی جب کہ اس کے رُوح کو جسم کی طرف لوٹایا جائے گا، تو اسے ایسی درمیانی زندگی حاصل ہوگی جو نہ اس زندہ کی مانند ہے جس پر موت طاری نہیں ہوئی اور نہ اس میّت کو حاصل ہے جس کی طرف ابھی رُوح کو لوٹایا نہ گیا ہو جیسا کہ نیند والا شخص جس کو بیدار اور مردہ ہر دو کی نسبت درمیانی حالت حاصل ہے۔

ان اسلاف و اکابرینِ ملّت اور دیگر محدثین و مفسّرین کے تصنیفات معتزلہ کے اس شبہ اور ہمچوں قسم توہمات کے جوابات سے بھرپور ہیں۔ میں نے چند عبارات ذکر کر کے یہ واضح کرنا تھا کہ یہ شبہ آج پیش نہیں کیا گیا، بلکہ صدیوں سے معتزلہ نے اس کی آڑ میں عذابِ قبر کا انکار کیا اور اکابرینِ ملّت نے ان کا یہی جواب دیا کہ از روئے عقل اجزاءِ میّت کے ساتھ تعلّقِ روح میں کوئی استبعاد نہیں اور اسی پر حیواۃ برزخ کی مدار ہے، لہٰذا جب عقلاً تعلّقِ روح اس بوسیدہ بدن اور اس کے اطرافِ عالم میں بکھرے اجزاء سے ممکن اور باری تعالیٰ کی قدرت و علم اسے محیط اور قرآن و سُنّت اس پر شاہد لہٰذا اعتقاد و اذعان واجب و لازم اور تحریف و تاویل لغو و باطل۔

لہٰذا سماعِ موتیٰ پر وارد اس شبہ کا بھی یہی جواب ہے کہ مدارِ سماع و فہم یہی حیواۃ برزخ اور تعلّقِ رُوح ہے، وہ عقلاً بھی ممکن اور شرعاً بھی ثابت اور سماعِ اموات کے امکان و ثبوت پر قرآن بھی شاہد اور احادیث و آثار بھی اس کے ساتھ ناطق لہٰذا ایمان و ایقان لازم و واجب اور تحریف و تاویل بے جواز اور لغو و باطل۔ اگر یہ شُبہ سماعِ اہلِ قبور کے لئے نافی ہے تو حیواۃ برزخ اور عذاب و ثواب کے لئے بھی نافی ہے اور تفرقہ سفسطہ ہے، لہٰذا

منکرین سماع یا تو پردۂ نفاق کو اتار پھینکیں اور کُھل کر اعتزال کا اعتراف کریں یا پھر آمنو
کما آمن الناس کے مصداق قبر میں عذاب و ثواب اور سماع سلام و خطاب دونوں
پر ایمان لائیں جیسا کہ تمام اہل السنت اور جمہور اہل اسلام کا عقیدہ ہے۔

اگر میں چند اور وجہیں امکان سماع و خطاب کی پیش کردوں تو انشاء اللہ قارئین
مخلصین کے ایمان و ایقان میں قوت پیدا ہو گئی اور مانعین و منکرین کا قلعۂ توہمات
لرز جائے گا اور بنیاد مغالطہ منہدم ہو جائے گی۔

(۱) فاقول و علیٰ توفیقہ اعول۔ اگر ابدان انسانیہ کی ترکیب و ترتیب میں تحلیل و
افتراق پیدا ہو جائے اور اربعہ عناصر اپنے اپنے مراکز تک واصل ہو جائیں، تو بھی ان میں
ادراک و شعور اور احساس و علم اور قوۃ سماع و فہم کا امکان واضح ہے، کیونکہ تمام نباتات
اور جمادات وغیرہ میں علم و ادراک اور فہم و شعور اور صلاحیت سماع خطاب و جواب موجود
ہے، حالانکہ روح انسانی کا ان سے تعلق نہیں اور جب ان عناصر کے ساتھ روح انسانی
کا تعلق ہو جائے گا، تو ان میں علم و شعور اور احساس و ادراک کا تحقق بطریق اُولیٰ ثابت
ہو جائے گا۔ نصوص ملاحظہ فرمائیے:

آیات: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان من شیئ الا یسبح بحمدہ ولکن لا
تفقہون تسبیحہم۔ ہر شے اللہ تعالیٰ کی طہارت و نزاہت تمام عیوب و نقائص سے
اور تمام اوصاف کمال سے موصوف ہونا بیان کرتی ہے، مگر تم ان کی تسبیح و تقدیس کو
سمجھتے نہیں اور صرف تسبیح لسانی ہی ہے جو ہماری سمجھ میں نہیں آتی، ورنہ دلالۃً حال کے
کے لحاظ سے غیر ارادی اور غیر شعوری طور پر کائنات کی ہر شے سے صادر ہونے والی تسبیح
کو تو تمام عقلاء سمجھتے ہیں، لہذا یہاں زبان حال سے نہیں، زبان قال سے تسبیح کا بیان
مقصود ہے۔

(۲) قلنا یا نار کونی بردًا و سلامًا علیٰ ابراھیم۔ ہم نے کہا اے آگ حضرت

ابراہیم علیہ السلام پر ٹھنڈی اور موجب سلامتی بن جا۔

(۳) یا ارض ابلعی ماءک و یا سماء اقلعی۔ اے زمین اپنے پانی کو نگل جا،
اے آسمان پانی برسانے سے رُک جا۔

(۴) ائتیا طوعًا او کرھًا قالتا اتینا طائعین۔ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو
حکم دیا کہ خوشی و رضا سے یا جبر و اکراہ سے ہر حال میں میرے منشاء و رضا کے مطابق آؤ،
ان دونوں نے کہا ہم برضاء و رغبت حاضر ہیں۔

(۵) انا عرضنا الامانۃ علی السموات والارض والجبال فابین ان یحملنہا
واشفقن منہا وحملہا الانسان انہ کان ظلومًا جہولا۔ ہم نے اپنی امانت
کو تمام آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں پر پیش کیا، تو سب نے اس کے اٹھانے سے انکار
کر دیا اور اس سے خوفزدہ ہو گئے اور انسان نے اسے اٹھا لیا۔ بے شک انسان حد سے
تجاوز کرنے والا اور انجام کار سے بے خبر تھا۔

(۶) لو انزلنا ھذا القرآن علیٰ جبل لرءیتہ خاشعًا متصدعًا من
خشیۃ اللہ۔ اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر نازل کرتے تو اے مخاطب تو اسے خضوع و خشوع
کرنے والا اور خوف الٰہی سے ٹکڑے ٹکڑے ہونے والا پاتا۔

علاوہ ازیں بہت سی آیات جمادات اور نباتات وغیرہ کے علم و ادراک پر دلالت کرتی ہیں۔

احادیث نبویہ: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُحد پہاڑ ہم سے محبت
کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ مسجد میں کھجور کے خشک تنا سے بنائے ہوئے
ستون کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق میں چیخنا چلانا مشہور و معروف ہے۔ اعلانِ
نبوت سے پہلے درختوں اور پتھروں کا آپ کو سلام پیش کرنا ہر صاحب علم کو معلوم ہے
یہی اہل السنت کا مذہب ہے۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں وھو ظاھر موافق لمذھب اھل السنۃ علیٰ

مانقل البغوی ان للاشیاء کلّھا علمًا باللہ و تسبیح ولہا خشیۃ وغیرھا۔
تمام اشیاء میں علم وادراک وغیرہ کا پایا جانا ظاہر ہے اور اہل السنت کے مذہب کے موافق جیساکہ امام بغوی نے نقل فرمایا کہ تمام اشیاء میں اللہ تعالیٰ کا علم اور تسبیح اور خوف وخشیۃ وغیرہ موجود ہے۔ نیز نصوص کو ظاہر ومتبادر معانی پر منطبق کرنا ضروری ہے؛ لہٰذا ان نصوص سے جب زمین وآسمان اور آگ پانی اور ہوا وغیرہ تمام موجودات میں علم وادراک فہم وشعور اور اہلیت خطاب وجواب ثابت ہوگئی، حالانکہ وہاں رُوحِ انسانی اور نفسِ ناطقہ موجود نہیں توجب روح انسانی کا ان عناصر اوران کے اجزاء سے تعلق ہوگیا، توان میں علوم وادراکات اور صلاحیت نداء وخطاب بطریق اولیٰ علیٰ الوجہ الاتم والاکمل ثابت ہوجائے گی۔ والحمدُ للہ علیٰ ذالک۔

علامہ ابن القیم نے کہا فاذا کانت ھذہ الاجسام فیہا الاحساس والشعور فالاجسام التی کانت فیہا الروح والحیواۃ اولیٰ۔ کتاب الروح۔ ص ۱۱۵

(۲) انسانی جسم کے تحفظ اوراس کی ترتیب وہیئت کا استمرار ودوام، حیواۃ وادراک اور کلام وخطاب کے لئے شرط نہیں ہے، جیساکہ شیخ محقق محدّث دہلوی نے تصریح فرمائی البنیۃ عند نالیست شرطا للحیواۃ اور امام رازی نے ثم ادعھن یاتینک سعیًا کے تحت اس کی تصریح فرمائی اور اذا راتھم من مکان بعید سمعوا لہا تغیظًا وزفیرًا (جب جہنم کی آگ دوزخیوں کو دُور سے دیکھے گی، تو یہ لوگ اس کے غیظ وغضب اور جوش وخروش کا مشاہدہ کریں گے) سے اس پر استدلال کیا ہے، کیونکہ آگ میں دیکھنے کی قوت پر قرآن گواہ ہے، حالانکہ اس میں شکل حیوانی موجود نہیں ہے اور قرآن کریم کی بہت سی آیات اس پر شاہد ہیں۔
قال اللہ تعالیٰ الیوم نختم علیٰ افواھھم وتکلّمنا ایدیھم وتشھد ارجلھم بما کانوا یکسبون۔ ہم آج کے دن ان کے مونہوں پر مہریں لگاتے ہیں اور ان کے ہاتھ ہمارے ساتھ کلام کریں گے اوران کے پاؤں ان تمام امور پر گواہی دیں گے جو کچھ وہ کرتے رہتے تھے۔

قولہٗ تعالیٰ قالوا لجلودھم لم شھدتم علینا قالوا انطقنا اللہ الذی انطق کل شیئ۔
وہ لوگ اپنے چمڑوں اور اعضاء بدن کو کہیں گے تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی تو وہ کہیں گے ہمیں اسی ذات نے قوتِ گویائی عطا کی اور بلایا جس نے ہر شیٔ کو قوتِ گویائی عطا فرمائی ہے۔ اگر ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضاء انسانیہ میں علم وادراک نہ ہوتا اور دُنیا میں افعال واعمال کا مشاہدہ انہیں حاصل نہ ہوتا، توان سے گواہی دلوانے یا ان کے گواہی دینے کا کوئی فائدہ نہیں ہوسکے گا، کیونکہ گواہ مدّعی علیہ پر ایسی شے کے ثبوت وتحقق کا موجب بنتا ہے جو وہ تسلیم نہ کرتا ہو۔ لہٰذا گواہ موقعہ کا ہونا ضروری ہے جو اپنے مشاہدہ کی بدولت اس دعویٰ کو ثابت کرسکے اور مدّعی علیہ کے لئے انحراف وفرار کا کوئی موقعہ نہ چھوڑے۔ علاوہ ازیں ربّ العزت نے شریعت میں جس قانون شہادت کو جاری فرمایا ہے۔ وہ خود اس کا خلاف کیونکر کرے گا۔
لہٰذا ان اجزاء واعضاء میں ادراک وعلم اور احساس وشعور اور فہم کلام وخطاب اور قدرتِ جواب واضح ہے؛ لہٰذا ثابت ہوا کہ جسم انسانی کا اپنی اصلی حالت پر ہونا حیواۃ اور علم وادراک وغیرہ کے لئے شرط نہیں ہے۔

(۳) نیز جنین میں ابھی اعضاء مکمل نہیں ہوتے، بلکہ نطفہ کے استقرارِ رحم کو ابھی چار ماہ ہی گزرتے ہیں کہ رُوح کا تعلق جنین سے ہوجاتا ہے اور اس میں زندگی اور حرکت وغیرہ پیدا ہوجاتے ہیں، تو اس سے بھی واضح ہوگیا کہ مخصوص ہیئت وشکل کا تحقق حیواۃ وغیرہ کے لئے ضروری نہیں۔

---

(۴) نیز قیامت کے دن زمین کا گواہی دینا اور احجار واشجار کا گواہی دینا مؤذن اور دیگر عابدین یا بدکردار لوگوں پر، احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور ان میں بنیادِ انسانی نہاد حیوانی اور مخصوص ہیئت وشکل جسمانی موجود نہیں؛ لہٰذا ثابت ہوگیا کہ حیواۃ اور علم وادراک، شعور و احساس، صلاحیت فہم وخطاب اور اہلیت وقدرت جواب متفرق ومنتشر اجزاء میں واضح الامکان ہے اور آیاتِ قرآنِ کریم اور احادیث نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اس پر قطعی الدلالت

ہیں؛ لہٰذا مومن مخلص کے لئے بلاچون وچرا ان پر ایمان لانا واجب و لازم ہے اور عقیدۂ عذاب وثواب وسماع سلام و کلام پر اعتقاد واذعان فرض ہے اور خواہشاتِ نفس اور توہمات و شبہات سے اجتناب واحتراز لازم ہے۔ ربنا ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ۔

تنبیہ: اگر منکرین کو ضد ہی ہے اور تفرقِ اجزاء اور انتشارِ اعضا بہر حال ان کے نزدیک حیواۃ وادراک سے مانع ہے، تو ہم کہتے ہیں کہ فراعنۂ مصر وغیرہم کفار کے اجسام ازمنۂ قدیم سے محفوظ ہیں اور حیل طبیہ کی بدولت انہیں عرصہ دراز کے لئے محفوظ کر دیا گیا، لہٰذا وہاں تو آپ کے نزدیک کوئی امر مانع ادراک نہیں؛ لہٰذا وہاں تسلیم واعتراف لازم اور ماسوا میں انکار و نفی لازم حالانکہ یہ سفسطہ ہے۔ نیز اولیاء کرام، شہداء کرام اور انبیاء کرام علیہم السّلام کے ابدان و اجسام کا تحفظ روایات سے ثابت ہے؛ لہٰذا ان میں بھی ثبوت حیواۃ، علم وادراک اور فہم و سماع کا اعتقاد واعتراف لازم ہوگا، حالانکہ وہ اس کے بھی قائل نہیں۔ نعوذ باللہ۔

شبہ دوم: میت قبر کے اندر منوں مٹی کے نیچے دفن کیا جاتا ہے اور اتنے کثیف حجاب ومانع کے ہوتے ہوئے سماعِ سلام اور فہمِ کلام کا اعتقاد علی الخصوص زائرین کو دیکھنے اور پہچاننے کا اعتقاد کیونکر درست ہوگا جبکہ دیکھنے سے تو معمولی حجاب بھی مانع بن جاتا ہے۔

حجاب قبر کا دیکھنے سننے سے مانع نہ ہونا:

اَقولُ وَباللہ التوفیق۔ عقلی امکان اور کتاب وسنت کے دلائل قائم کر دینے کے بعد اس قسم کے استبعاد اور شکوک وشبہات مومن صادق کو زیب نہیں دیتے۔ یہ صرف معتزلہ جیسے گمراہ فرقہ کا طریقہ ہے کہ اپنے اوہام فاسدہ کی اتباع اور عقول قاصرہ کی اقتداء کرتے ہیں اور آیات واحادیث کو نظر انداز کر دیتے ہیں، لیکن ہم بصد خلوص اس دلیل کے ضعف اور اس شبہ کے بطلان کو واضح کرتے ہیں، ممکن ہے اللہ تعالیٰ اتباع حق کی توفیق نصیب فرمائے۔

اس شبہ کے جواب میں اَوّلاً یہ گذارش ہے کہ یہ اعتراض ہمارے عقیدہ پر اس وقت وارد ہو سکتا تھا جبکہ ہمارے نزدیک سُننا و سمجھنا اور جواب دینا وغیرہ حقیقۃً بدنِ میت کی صفات ہوتیں جو کہ طبقاتِ ارض کے نیچے مدفون ہے اور کثیف وغلیظ حجابات میں محجوب یا ہمارے نزدیک حقیقتِ انسانیہ اربعہ عناصر کی ترکیب مخصوص کا نام ہوتا یہ دونوں امر لغو و باطل ہیں؛ بلکہ ہمارے نزدیک انسان حقیقتاً وہ جسم نورانی ہے جو اس ہیکل مخصوص اور شکل محسوس میں اس طرح حلول کئے ہوئے ہے جس طرح تلوں کا تیل اس کے جسم میں یا پتّہ کی سبزی پتّہ میں اور دُودھ کی سفیدی دُودھ میں۔

امام رازی نے فرمایا انّ الانسان لیس عبارۃ عَن ھذا الھیکل بل عبارۃ عن جسم نورانی سار فی ھذا البدن۔ تفسیر کبیر۔ جلد ۷ صـ۲۹۲

اسی طرح امام رازی کی تحقیق ابتدائی صفحات میں بھی عرض کر چکے ہیں۔ نوی جمیع فرق الدنیا من الھند والروم والعرب والعجم وجمیع ارباب الملل والنحل والی، ان فطرتھم الاصلیۃ شاھدۃ بان الانسان شیئٌ غیر ھذا الجسد وانّ ذالک الشیی لا یموت بل یموت ھذا الجسد۔ کبیر جلد ۵ صـ۴۳۷۔

یعنی تمام فرق دنیا اہلِ ہند اور روم عربی اور عجمی اور تمام ارباب ملل ومذاہب یہود ونصاریٰ اور مجوس وغیرہ اور اہل اسلام کا اہلِ قبور کی زیارت کے لئے جانا۔ ان کے لئے دُعا کرنا اور ان کی طرف سے صدقہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان تمام فرقِ دنیا کی فطرت اصلیہ سلیمہ اس بات پر شاہد ہے کہ انسان اس جسدِ خاکی کے علاوہ کوئی اور شے ہے اور صرف جسم پر موت ہے حقیقی انسان پر موت نہیں۔

علامہ ابن قیم نے امام رازی کا مذہب الانسان عبارۃ عن جسم نورانی سار فی ھذا البدن نقل کر کے فرمایا: وھو الذی لا یصح غیرہ وکل الاقوال سواہ باطلۃ وعلیہ دل الکتاب والسنۃ واجماع الصحابۃ وادلۃ العقل والفطرۃ۔

سوائے اس قول کے اور کوئی قول درست نہیں، بلکہ سب باطل ہیں اور اسی مذہب واعتقاد پر کتاب وسنت دلالت کرتی ہے اور اسی پر اجماع صحابہ ہے اور دلائل عقل وفطرۃ اسی پر شاہد ہیں اور اس کے بعد علامہ ابن القیم نے ایک سو سولہ کے قریب دلائل ذکر کر کے اس قول کو ثابت کیا ہے، دیکھئے کتاب الروح صـ ۲۸۴

جب یہ واضح ہو گیا کہ حقیقت میں انسان جسم نورانی اور نفس ناطقہ اور روح مجرد متعلق بالبدن کا نام ہے اور بدن خارج از حقیقت ہے تو یہ شبہ خود بخود باطل ہو گیا کیونکہ مدفون اور محجوب بدن انسانی ہے نہ کہ وہ جسم نورانی، لہذا جب عالم ومدرک سامع وفاہم جسم نورانی ہے اور وہ محجوب ومستور نہیں، تو طبقات ارضیہ اور حجاباتِ کثیفہ اس جسم نورانی کے لئے مانع نہیں بن سکتے۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں: ان التضييق والانحصار لا يتصور في الروح وانما يكون في الجسد والروح اذا كانت لطيفة يتبعها الجسد في اللطافة فتسير بجسدها حيث شاءت وتتمتع بما شاءت وتاوي الى ماشاء الله لها كما وقع لنبينا عليه الصلوٰة والسلام في المعراج ولاتباعه من الاولياء حيث طويت لهم الارض وحصل لهم الابدان المكتسبة المتعددة وجدوها في اماكن مختلفة في آن واحد والله على كل شيئ قدير وهذا في العالم المبنى على الامر العادي غالبًا فكيف وامر الروح والاخرة كلها مبنية على خوارق العادات۔ مرقاۃ جلد ۲ صـ ۳۱

ترجمہ: محل ومقام میں تنگی اور پابندی اور حبس وقید رُوح کے لحاظ سے تصور نہیں کی جا سکتی، بلکہ فقط جسم عنصری میں ہوتی ہے، بلکہ رُوح جب لطیف اور پاکیزہ تر ہو جائے تو بدن بھی نورانیت ولطافت میں اس کے تابع ہو جاتا ہے اور روح اپنے جسم کو جہاں چاہتا ہے لے جاتا ہے اور جہاں چاہتا ہے نفع اور فائدہ اٹھاتا ہے اور جہاں تک اللہ تعالیٰ اسے

پہنچانا چاہے پہنچتا ہے جیسے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شبِ معراج یہ بلند ترین مقام نصیب ہوا اور آپ کے متبع اولیاء کرام کے لئے بھی جبکہ زمین ان کے لئے سمیٹ دی جاتی ہے، اور انہیں بہت سے مثالی بدن حاصل ہو جاتے ہیں، جنہیں وہ آنِ واحد کے اندر مختلف مکانوں میں موجود پاتے ہیں وَاللہُ علیٰ کل شیئ قدیر اور روح کے لیے یہ لطافت ونورانیت اور قدرت وطاقت اس عالم میں ہے جو کہ غالبًا امور عادیہ پر مبنی ہے اور جب یہاں ان امور میں استبعاد نہیں، تو دارِ آخرت میں کون سا استبعاد ہو سکتا ہے، کیونکہ روح اور آخرت کے معاملات خرق عادات پر مبنی ہیں۔

لہٰذا حجاب قبر ادراکات وعلوم میں حاجب ومانع نہیں ہو سکتا۔

(۲) ثانیاً: روح دُنیوی زندگی میں بدن کے اندر حلول کئے ہوئے ہے، مگر دار برزخ میں اس کا تعلق حلول والا نہیں جیسا کہ علامہ قسطلانی اور عسقلانی کے قول سے اور علامہ ابن القیم کی تحقیق سے تعلقات کی نوعیت میں تفاوت ظاہر کیا جا چکا ہے۔ نیز شہباز روح قفس عنصری میں محبوس ہونے کے باوجود مجاہدات وریاضات، اوراد ووظائف اور اذکار واشغال کی بدولت اور قربِ فرائض ونوافل کی برکت سے مقام محبوبیت پر فائز ہو جاتا ہے اور اللہ رب العزت اس کے کان آنکھیں ہاتھ اور زبان وغیرہ بن جاتا ہے جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے:

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تعالیٰ قال من عادیٰ لی ولیًا فقد آذنتہ بالحرب وما تقرب الیٰ عبدی بشیئ احب الیٰ مما افترضت علیہ ومایزال عبدی یتقرب الیٰ بالنوافل حتی احببتہ فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ ویدہ التی یبطش بھا ورجلہ التی یمشی بھا وان سألنی لاعطینہ ولئن استعاذنی لاعیذنہ، الحدیث۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جو میرے ولی کے ساتھ عداوت رکھے گا، میں اسکے ساتھ اعلانِ جنگ کرتا ہوں اور کسی بھی بندہ نے فرائض کی نسبت کسی بھی زیادہ پسندیدہ امر کے ساتھ میرا قرب حاصل نہیں کیا، یعنی ادائیگی فرض بنسبت ادائیگی نوافل کے حصولِ قرب میں زیادہ پسندیدہ ہے اور میرا بندہ ہمیشہ نفلی عبادات کے ذریعے میرے قریب ہوتا رہتا ہے، حتیٰ کہ میں اسے محبوب بنالیتا ہوں اور جب میں اسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں تو اس کے کان ہوتا ہوں جن سے سنتا ہے اور اس کی آنکھیں ہوتا ہوں جن سے دیکھتا ہے، اور اس کے ہاتھ ہوتا ہوں جن سے پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں ہوتا ہوں جن کے ساتھ چلتا ہے۔ اور بعض روایات میں ہے ولسانہ الذی یتکلم بہ اور میں اس کی زبان ہوجاتا ہوں جس کے ساتھ کلام کرتا ہے وفوادہ الذی یعقل بہ اور میں اس کا دل بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ سوچتا اور ادراک کرتا ہے اور اسی حدیث میں بعض روایات کے مطابق آخر میں یہ اضافہ ہے فبی یسمع وبی یبصر وبی یبطش وبی یمشی یعنی وہ بندہ محبوب میرے ساتھ سنتا ہے، میرے ساتھ دیکھتا ہے، میرے ساتھ پکڑتا ہے اور میرے ساتھ چلتا ہے۔ اگر یہ محبوب مجھ سے کسی شئے کا سوال کرے گا، تو میں اسے ضرور عطا کروں گا اور اگر مجھ سے پناہ طلب کرے گا، تو میں ضرور اسے پناہ بخشوں گا۔ رواہ البخاری ومشکوٰۃ باب الذکر والتقرب الی اللہ واشعۃ اللمعات جلد ثانی ص۱۹۳

امام رازی نے فرمایا اذا صار نور جلال اللہ لہٗ سمعاً سمع القریب والبعید واذا صار ذالک النور لہٗ بصراً رأی القریب والبعید واذا صار نور جلال اللہ یداً لہٗ قدر علی التصرف فی الصعب والسھل والقریب والبعید۔

تفسیر کبیر جلد ۵ ص۲۶۷

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ کا نور جلال مقام محبوبیت پر فائز بندہ کے کان بن جاتا ہے تو وہ دور و نزدیک سے سنتا ہے، اور جب وہ نور اس کی آنکھ بن جاتا ہے، تو قریب اور

بعید کو دیکھتا ہے اور جب وہ نورِ جلال ہاتھ بن جاتا ہے، تو مشکل و آسان اور نزدیک و دور میں تصرف کی قدرت حاصل ہوجاتی ہے۔

اس حدیث کا یہ معنی شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے لمعات اور شرح فتوح الغیب میں بیان فرمایا ہے اور مولوی رشید احمد دیوبندی، مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولوی اشرف علی تھانوی کے پیر و مرشد حضرت مولانا حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے ضیاء القلوب ص۳۰ پر بیان فرمایا اور یہی معنی علامہ محمود آلوسی نے روح المعانی جلد اوّل ص۱۱۱ پر بیان فرمایا۔ نیز ملا علی قاری نے مرقاۃ اور شرح شفا میں۔ علامہ خفاجی شرح شفا میں۔ نیز شیخ ابن حجر نے فتح الباری میں بیان فرمایا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کو مقام نہاوند سے دیکھ لینا اور وہاں تک اپنی آواز کو پہنچا لینا اور حضرت ساریہ کا آپ کے خطاب کو سن لینا اسی منصب محبوبیت کے اثرات ہیں اور حضرت آصف بن برخیا کا تختِ بلقیس کو پلک جھپکنے کی دیر میں صنعاء یمن سے شام میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں پیش کر دینا وغیرہ اسی مقام کے شاہد ہیں۔ الحاصل جب شہباز روح اس قفس عنصری میں مقید و محبوس ہے اور بایں ہمہ اس میں یہ قوتیں موجود ہیں اور قرب و بعد کا امتیاز ختم ہے اور حجابات و موانع اس کے حق میں معدوم ہیں تو جب روح بالفعل قیدِ بدن سے آزاد ہوجائے اور بدن کے ساتھ حلول والے تعلق کی جگہ صرف مقابلہ والی نسبت پائی جائے اور جو تعلق سورج اور اس کی ضیاؤں کو زمین سے ہے اس طرح کا تعلق ہوجائے تو ایسی صورت میں رؤیت و سماع اور دیگر احساسات و علوم کے پائے پائے جانے میں زمین کے حاجب و مانع ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

علامہ ابن القیم فرماتے ہیں: ومما ینبغی ان یعلم ان ما ذکرناہ من شان الروح یختلف بحسب حال الارواح من القوۃ والضعف والکبر والصغر

فللروح العظیمة الکبیرة من ذالك مالیس لمن دونها وانت تریٰ
احکام الارواح فی الدنیا کیف تتفاوت اعظم تفاوت بحسب تفاوت
الارواح فی کیفیاتها وقواها وابطاءها واسراعها والمعاونة لها
فللروح المطلقة من اسرالبدن وعلائقه وعوائقه من التصرف
والقوة والنفاذ والهمّة وسرعة الصعود الی الله والتعلق با لله
مالیس للروح المهینة المحبوسة فی علائق البدن وعوائقه فاذا
کان هذا وهی محبوسة فی بدنها فکیف اذا تجردت وفارقته واجتمعت
فیها قواها وکانت فی اصل شانها روحًا علیة زکیة کبیرة ذات
همة عالیة فهذه لها بعد مفارقة البدن شان آخر وفعل
آخر وقد تواترت الرویا من اصناف بنی آدم علیٰ فعل الارواح
بعد موتها ما لا تقدر علیٰ مثله، حال اتصالها بالبدن من هزیمة
الجیوش الکثیرة بالواحد والاثنین والعدد القلیل ونحو ذالك
وکم قد رأی النبی صلی الله علیه وسلم ومعه ابوبکر وعمر
رضی الله عنهما فی النوم قد هزمت ارواحهم عساکر الکفر والظلم فاذا بجیوشهم
مغلوبة مکسورة مع کثرة عددهم وعددهم وضعف المومنین وقلتهم۔
کتاب الروح ص۱۶۴و۱۶۵

ترجمہ: یہ جاننا نہایت ہی موزوں ومناسب ہے کہ ہم نے روح کا حال جو کچھ
بیان کیا ہے، وہ ارواح کے اپنے احوال یعنی قوت وضعف اور عظمت وحقارت کے
مطابق مختلف ہے۔ عظیم اور بڑی مقدار والے روح میں جو قوت وقدرت ہوتی ہے، وہ
اس سے کم مرتبہ ومقدار والے روح میں نہیں ہوتی اور ہر صاحب عقل وہوش دیکھتا ہے
کہ دنیا کے اندر ارواح کے احکام واثرات میں ارواح کے باہمی فرق کے مطابق کیفیات

وقویٰ میں اور رفتار کی نرمی اور تیزی میں تعاون وامداد میں عظیم فرق ہے۔ وہ روح جو کہ
قید بدن سے اور اس کے لوازمات وموانعات سے آزاد ہوتا ہے، اسے وہ تصرف، قوت
تسلّط وہمّت اور اللہ تعالیٰ کی طرف فوری توجّہ اور تعلق حاصل ہوتا ہے جو اس حقیر اور بدن
کی قید وبند اور اس کے لوازمات وموانعات میں محبوس ومقید روح کو حاصل نہیں ہوتا۔
پس جب روح کا یہ حال ہے جبکہ وہ بدن میں محبوس ومقیّد ہے، تو اس وقت اس کے
حال کا اندازہ کرو۔ جب وہ تعلق سے آزاد اور قید وبند سے رہا ہو جائے اور اس میں اس
کی ساری قوتیں جمع ہو جائیں اور وہ روح اصل فطرت میں بلند شان پاکیزہ فطرت عظیم
القدر اور بلند ہمّت ہو تو ایسے روح کا بدن سے علیحدگی کے بعد نرالا شان ہوگا اور انوکھے
افعال ہوں گے اور اولادِ آدم کے مختلف گروہوں سے تواتر کے ساتھ یہ مشاہدہ ثابت ہے
کہ ارواح سے موت کے بعد ایسے افعال صادر ہوئے جن پر وہ حالت حیاتِ ظاہرہ
اور بدن سے متعلق ہوتے وقت قادر نہیں تھے۔ مثلاً عظیم لشکروں کو ایک، دو یا قلیل
ترین تعداد کے باوجود شکست دے دینا اور اس کی مثل اور کتنی دفعہ نیند میں رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی معیت میں دیکھے گئے کہ ان کے ارواح
مقدسہ نے کفر وظلم کے لشکروں کو شکست دی اور وہ کثیر التعداد اور تمام تر ساز وسامان
کے باوجود مسلمانوں سے اُن کے ضعف اور قلتِ عدد کے باوجود شکست کھا گئے اور
مغلوب ہو گئے۔

اس بیان صداقت نشان سے یہ واضح ہو گیا کہ اصلی مدرک وعالم اور سامع وفاہم
روح اور حقیقت انسان ہے اور وہ محجوب ومستور نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا اہل قبور اور ارباب
برزخ اپنے زائرین کو جانتے پہچانتے ہیں اور ان کے سلام وکلام کو سنتے اور سمجھتے ہیں،
جیسا کہ نصوص قرآن اور احادیث سے واضح کیا جا چکا ہے۔

(نوٹ) اس حدیث قدسی اور روح کے مدارج ومراتب میں ترقی وبلندی پر

امام رازی اور دیگر اکابر کی تصریحات مغالطۂ پنجم کے جواب میں بھی ملاحظہ فرمائیں۔

(۳) ثالثاً: حضرت ام المومنین حبیبۂ حبیب خدا علیہ وعلی آلہ وازواجہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد فلمّا دفن عمر فواللّٰہ ما دخلتہ الّا وانا مشدودۃ علیٰ ثیابی حیاء من عمرؓ۔

یعنی حضرت صدیقہ کا یہ فرمان کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حجرۂ مقدسہ روضۂ اطہر میں دفن ہوئے تو بخدا میں ہرگز اس میں داخل نہ ہوتی جب تک کہ میں اپنے اوپر اچھی طرح کپڑوں کو لپیٹ کر حجاب وپردہ کا انتظام نہ کرلیتی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، سے شرم وحیاء کی وجہ سے۔

حضرت صدیقہ کا یہ ارشاد جس کی تائید وتقویت مسلم شریف میں منقول حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی وصیت کرتی ہے۔ اس بات پر شاہد عدل ہے کہ میت اتنے کثیف حجاب کے باوجود دیکھ لیتا ہے اور جب رویت ثابت ہوگئی تو سماع کی قدرت بطریقِ اولیٰ ثابت ہوجائے گا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اِنّہٗ لیسمع قرع نعالھم (میت کو دفن کرکے لوٹنے والوں کی جوتیوں کے آواز کو سنتا ہے) اس پر قطعی شاہد ہے۔

(۴) رابعاً: اگر حجاب قبر ادراک وسماع سے مانع ہو تو جس طرح بقولِ منکرین قبر کے اندر باہر کا آواز نہیں سنا جاسکتا، اسی طرح چاہیئے تھا کہ اندر کا آواز باہر نہ سنا جاسکتا، حالانکہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سنا اور آپ کے دراز گوش نے اسے سنا اور آپ نے فرمایا کہ اہلِ قبور کو ایسا عذاب دیا جاتا ہے کہ جسے جانور سنتے ہیں اور فرمایا کہ قبر میں جو فرشتہ میت کو گرز مارتا ہے اس کی آواز مشرق ومغرب کے درمیان بسنے والی ساری مخلوق سنتی ہے سوائے جنوں اور انسانوں کے۔ اور جنوں، انسانوں کو عذاب کا آواز اور میت کی چیخ و پکار کا آواز اس لئے نہیں سنایا جاتا کہ خوف وخشیت کی وجہ سے ان کے حواس معطل

نہ ہوجائیں اور قوائے عقلیہ وذہنیہ ماؤف نہ ہوجائیں۔ نیز ان کا ایمان، عذاب وثواب قبر پر ایمان بالغیب رہے، ایمان بالمشاہدہ نہ بن جائے۔

لہٰذا جب اندر کا آواز باہر سنائی دیتا ہے، تو باہر سے اندر آواز سنائی دینے میں کونسا امر مانع ہوسکتا ہے۔ حیواۃ دنیویہ کے ساتھ زندہ لوگوں میں جس مصلحت وحکمت کے تحت قوتِ سامعہ کو یہ آواز سننے سے اور قوتِ باصرہ کو قبر کے احوال دیکھنے سے محروم کردیا گیا تھا۔ اہل قبور اور ارباب برزخ کے حق میں وہ امر مانع نہیں، لہٰذا اس استبعاد کی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی

(۵) خامساً: اس شبہ کا جواب علامہ محمود آلوسی حنفی مفسر صاحب روح المعانی اور عارف ابن برجان کی زبانی سماعت فرمایئے:

وھھنا جواب عن ھذہ الشبھۃ وتحقیق للسماع بوجہ آخر ذکرہ العارف بن برجان فی شرح اسماء اللّٰہ الحسنیٰ وھو ان للشخص نفسا مبرءۃ من باطن ما خلق منہ الجسم وھی روح الجسم وروحًا اوجدھا اللّٰہ من باطن ما برء منہ، النفس وھی للنفس بمنزلۃ النفس للجسم والنفس حجابھا وبعد المفارقۃ تجعل فی العبد المومن الحقیقۃ الروحانیۃ عامرۃ العلو من السماءُ الدنیا الی السماء السابعۃ بل الیٰ حیث شاء اللّٰہ من العلو فی سرور ونعیم وتجعل الحقیقۃ النفسانیۃ عامرۃ السفل من قبرہ الیٰ حیث شاء اللّٰہ من الجو ولذالک لقی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم موسیٰ علیہ السلام قائمًا یصلی فی قبرہ وابراھیم علیہ السّلام تحت الشجرۃ قبل صعودہ علیہ السلام ولقیھما علیھما الصلوٰۃ والسّلام بعد صعودہ علیہ السلام فی السموات العلیٰ فتلک ارواحھما وھذہ نفوسھما واجسادھما فی قبورھما وکذا یقال فی الکافر الا ان الحقیقۃ الروحانیۃ لہ لا تکون عامرۃ العلو فلا تفتح لھم ابواب السماء بل تکون عامرۃ دار شقاءھا والعیاذ باللّٰہ

بین الحقیقتین اتصال دبواسطة ذالك و مشیته عز وجل یسمع من سلم
علیه فی قبره السلام ولا یختص السماع فی السلام عند الزیادة لیلة الجمعة
ویومها وبکرة السبت اویوم الجمعة ویوما قبله ویوما بعده بل یکون
ذالك فی السلام مطلقا عند الزیادة فالمیت یسمع الله روحه السلام علیه
من زائره فی ای وقت کان' روح المعانی جلد ۲۱ ص۵۱ و ۵۲

خلاصہ ترجمہ: اور یہاں اس شبہ کا جواب اور سماع اہل قبور کی تحقیق ایک دوسرے
طریقہ پر بھی ہے جو کہ عارف ابن برجان نے شرح اسماء الحسنیٰ میں ذکر فرمائی ہے۔ وہ یہ ہے
کہ ہر شخص کے لئے نفس ہے اور روح۔ نفس کو اللہ رب العزت نے اس مادہ کے باطن سے پیدا
فرمایا جس سے کہ جسم کو پیدا فرمایا اور یہ جسم کے لئے بمنزلہ روح ہے اور روح کو اللہ تعالیٰ نے
اس مادہ کے بطن سے پیدا فرمایا جس سے کہ نفس کی تخلیق فرمائی اور روح کا تعلق نفس سے
وہی ہے جو کہ نفس کا تعلق جسم سے ہے اور نفس روح کے لئے بمنزلہ حجاب ہے (جیسا کہ جسم
نفس کے لئے حجاب ہے) اور روح کے بدن سے جُدا ہونے کے بعد بندۂ مومن کی روح کو
عالمِ بالا یعنی آسمانِ دنیا سے ساتویں آسمان تک کے حصّہ میں ساکن اور رہائش پذیر کر
اتا ہے، بلکہ جہاں تک بلندی اللہ کی مشیت میں ہوتی ہے اور وہ سُرور و نعمت میں ہوتا ہے
اور حقیقتِ نفسانیہ کو عالمِ سفلی یعنی قبر سے فضا میں جہاں تک اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوتی ہے
مقیم کر دیا جاتا ہے اور اسی لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ
قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی حالت میں ملاقات کی اور ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ درخت
کے نیچے جب تک کہ آپ ابھی آسمانوں کی طرف محو خرام نہیں ہوئے تھے اور آسمانوں کی
بلندیوں کو سر کرتے وقت ان دونوں مقدس پیغمبروں کے ساتھ آسمانوں میں ملاقات فرمائی۔
لہٰذا آسمانوں میں جن سے ملاقات ہوئی، وہ ارواحِ مقدسہ تھے اور زمین پر جن سے ملاقات
ہوئی یہ ان کے نفوسِ طاہرہ تھے اور اجسام دونوں کے اپنی اپنی قبروں میں تھے۔

اور کافرین بھی اسی طرح کہا جائے گا، مگر یہ کہ اس کی حقیقت روحانیہ عالمِ بالا میں
اقامت پذیر نہیں ہو سکتی اور اس کی آبادی کا باعث نہیں بن سکتی، بلکہ وہ اپنے دارِ شقاوت
وسجین میں سکونت پذیر ہوگی۔ العیاذ باللہ اور حقیقتِ نفسانیہ اور حقیقتِ روحانیہ کے
درمیان اتصال ہوتا ہے۔ اس اتصال کی وجہ سے اور اللہ رب العزت کی مشیت سے جو
شخص بھی قبر پر سلام دیتا ہے؛ صاحب القبر اسے سُن لیتا ہے اور سلام کا بوقتِ زیارت
سننا جمعہ کی رات دن اور ہفتہ کی صبح کے ساتھ مخصوص نہیں اور نہ ہی جمعہ کے دن اور اس
سے پہلے اور پچھلے دنوں کے ساتھ بلکہ جس وقت جب بھی زیارت کی جائے اور سلام دیا
جائے۔ اللہ تعالیٰ میت کے روح کو اس کے زائرین کی طرف سے سلام سنا دیتا ہے جس
وقت میں بھی ہو۔

جب یہ واضح ہو گیا کہ حقیقتِ نفسانیہ اجسام سے متعلق ہے اور قبر سے لے کر زمین و آسمان
کے درمیانی جو و فضا میں اس کا قیام ہے اور اسی کے تعلق کی وجہ سے جسم میں قوتِ سماع و فہم پائی
جاتی ہے، بلکہ حقیقت میں صاحبِ علم و شعور اور سننے سمجھنے والا وہی نفس اور روح ہے تو حجابات
ہیں محجوب بدن کے حجاب و آڑ میں اہلِ قبور اور اربابِ برزخ کے علم و معرفت اور سماع سلام و کلام کا
انکار محض دھوکہ اور فریب کاری ہے؛ لہٰذا آیات و احادیث کے مقابل ایسے شبہات کو پیش
کرنا قطعاً درست نہیں ہے۔

شبہ سوم: منکرین سماع ہداہم اللہ تعالیٰ ایک اور شبہ یہ پیش کرتے ہیں کہ
بدن کی جو حالت قبر میں ہوتی ہے، وہ ظاہر ہے اور روح ہزاروں لاکھوں میلوں پر علیین
یا سجین میں موجود ہوتا ہے؛ لہٰذا نہ بدن میں علم و شعور ہو سکتا ہے اور نہ ہی روح کو لہٰذا
مطلق سماع کی نفی ہو گئی۔

"روح کا علیین یا سجین میں ہونا، زائرین کی معرفت اور سماع سلام و کلام سے مانع نہیں"

قول متو کلاً علی اللہ العلیم الخبیر۔ بدن میں احساس وشعور اور ادراک وعلم کی بحث گزر چکی۔ رہا روح کا لاکھوں میلوں کی مسافت پر ہونا تو محقق حنفیہ ملا علی قاری کی تحقیق کیف وامر الروح والاخرۃ کلّها مبنیۃ علیٰ خوارق العادات جیسا کہ پچھلے شبہ کے رد میں ذکر کر چکا ہوں" اس کے ازالہ وابطال میں کافی ہے۔

اسی طرح علامہ بن القیم کی کلام فکیف اذا تجردت وفارقت واجتمعت فیہا قواھا وکانت فی اصل شانہا علیۃ زالی، فہذہ لہا بعد المفارقۃ للبدن شان آخر وفعل آخر سے اس شبہ کا بطلان ظاہر ہے اور علامہ محمود آلوسی اور عارف بن برجان کی تحقیق نے تو اس کو بیخ وبن سے ہی اکھیڑ دیا ہے جبکہ انہوں نے روح اور بدن کے درمیان واسطۂ اتّصال حقیقتِ نفسانیہ کو بنایا اور اسی اتّصال پر سماع سلام وکلام کی بنیاد رکھی؛ لہٰذا یہ توہم بھی سابقہ توہمات کی طرح لغو وباطل اور ہبآ منثورًا ہوگیا۔

چند اور اقوال حقیقتِ حال کی وضاحت کے لئے ذکر کر دینا مناسب ہوگا۔

(۱) قال العسقلانی فی فتاواہ ارواح المومنین فی علیین وارواح الکفار فی سجین، ولکل روح بجسدھا اتصال معنوی لا یشبہ الحیواۃ الدنیویۃ بل اشبہ شیئ بہ حال النائم وان کان ھو اشد من حال النائم اتصالا وبھذا یجمع بین ما ورد ان مقرھا علیین او سجین وبین ما نقلہ ابن عبد البر عن الجمہور انہا عند افنیہ القبور قال ومع ذالک فہی ماذون لہا فی التصرف وتاوی الیٰ محلہا من علیین او سجین قال واذا نقل المیت من قبر الیٰ قبر فالاتصال المذکور مستمر وکذا لو تفرقت الاجزاء۔

مرقاۃ شرح مشکواۃ جلد ۲ ص ۲۵

ترجمہ: علامہ عسقلانی نے اپنے فتاویٰ میں فرمایا کہ مومنین کے روح علیین میں ہیں اور کفار کے سجین میں اور ہر روح کو اپنے جسم کے ساتھ معنوی اتّصال حاصل ہے جو کہ

حیاتِ دنیویہ کے مشابہ نہیں، بلکہ اس کے مشابہ ترین حالت صرف حالتِ نیند ہے۔ اگرچہ موت کے بعد روح کا اتصال بدن کے ساتھ اس حالت سے قوی ہے اور اسی قول سے ہی (یعنی اثبات اتّصال معنوی سے ہی) اس اختلاف کو دُور کیا جا سکتا ہے جو روایات اور ابن عبد البر کے قول میں ہے۔ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ارواح کا محل علیین یا سجین ہے اور ابن عبد البر نے جمہور سے یہ نقل فرمایا ہے کہ ارواح قبور کے احاطہ وصحن میں ہوتے ہیں (اقول، یعنی اتّصال معنوی کے تحت انہیں صحن قبور میں تسلیم کرنا درست ہے اور اصل مقام کے اعتبار سے علیین وسجین میں تسلیم کرنا بھی صحیح ہے۔ اقول قول جمہور اور ان روایات میں تطبیق عارف ابن برجان کے قول وتحقیق سے زیادہ واضح ہو جاتی ہے بلکہ جن روایات میں ارواح کو قبور کی طرف لوٹانے کا ذکر ہے۔ ان روایات میں بھی یہ شبہ بطریقِ احسن مندفع ہو جاتے گا) ارواح کو علیین یا سجین میں ہونے کے باوجود کائنات ارضی میں تصرّف اور آمد ورفت کی اجازت ہے اور پھر اپنے محلّ ومستقر علیین و سجین میں جاگزیں ہونے کی بھی اور جب میت کو ایک قبر سے دوسری قبر کی طرف نقل کیا جائے تو بھی یہ اتّصال برقرار رہتا ہے اور اگر اجزاء کی ترکیب ختم ہو جاتے تو بھی۔

علامہ بن القیم اس شبہ کا ازالہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

(۲) انّ للروح شاناً آخر تکون فی الرفیق الاعلیٰ فی اعلیٰ علیین ولہا اتّصال بالبدن بحیث اذا سلم المسلم علی المیت ردّ اللہ علیہ روحہ فیرد علیہ السلام وھی فی الملاء الاعلیٰ وانّما یغلط اکثر الناس فی ھذا الموضع حیث یعتقدون انّ الروح من جنس ما یعہد من الاجسام التی اذا شغلت مکانا لم یمکن ان تکون فی غیرہ وھذا غلط محض بل الروح تکون فوق السموات فی اعلیٰ علیین وترد الی القبر فترد السّلام وتعلم بالمسلم وھی فی مکانہا۔ وروح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الرفیق الاعلیٰ

دائما ویردھا اللہ سبحانہ الی القبر فترد السلام علیٰ من سلم علیہ و تسمع کلامہٗ وقد رأی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موسیٰ علیہ السلام قائما یصلی فی قبرہ ورأہ فی السماء السادسۃ او السابعۃ فاما ان تکون سریعۃ الحرکۃ والانتقال کلمح بالبصر واما ان یکون المتصل منہا بالقبر وفناءہ بمنزلۃ شعاع الشمس وجرمہا فی السماء وقد ثبت ان روح النائم تصعد حتیٰ تخترق السبع الطباق وتسجد للہ بین یدی العرش ثم ترد الیٰ جسدہ فی ایسر زمان وکذالک روح المیت تصعد بہا الملائکۃ حتیٰ تجاوز السمٰوات السبع وتقفہا بین یدی اللہ وتسجد لہٗ ویقضی فیہا قضاءہٗ ویریہ الملک ما اعد اللہ لہا فی الجنۃ ثم تہبط وتشہد غسلہ وحملہ ودفنہ - کتاب الروح ص۱۶۲

ترجمہ: روح کی شان وحالت اجسام سے مختلف ہے، وہ رفیق اعلیٰ ملاء اعلیٰ دگروہ مقربین یا حضرتِ حق جل وعلیٰ، میں ہوتی ہے اور اسے بدن کے ساتھ ایسا اتصال وتعلق حاصل ہوتا ہے کہ جب بھی سلام دینے والا قبر پر سلام دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے روح کو اس کی طرف متوجہ فرماتا ہے اور یہ روح سلام کا جواب دیتا ہے، باوجودیکہ وہ ملاء اعلیٰ میں ہوتا ہے اور اکثر لوگ اس مقام پر غلطی اس لئے کھاتے ہیں کہ روح کو اجسام کے احوال پر قیاس کر لیتے ہیں جو کہ ایک مکان میں موجود ہوں، تو دوسرے میں موجود نہیں ہو سکتے اور یہ قیاس غلط محض ہے بلکہ روح ساتوں آسمانوں سے اوپر اعلیٰ علیین میں ہوتا ہے اور قبر کی طرف بھی متوجہ ہوتا ہے سلام کا جواب دیتا ہے اور سلام دینے والے کو پہچانتا ہے باوجودیکہ وہ اپنے مقام میں بھی ہوتا ہے۔

نیز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا روحِ اقدس ہمیشہ کے لئے رفیقِ اعلیٰ اور بارگاہ حق د علیٰ میں ہے، مگر بایں ہمہ اللہ تعالیٰ اسے قبر انور کی طرف متوجہ فرماتا ہے۔ پس نذرانہ سلام ونیاز

پیش کرنے والوں کو جواب عنایت فرماتا ہے اور ان کی معروضات وگزارشات کو سماعت فرماتا ہے اور تحقیق رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے بھی دیکھا اور انہیں چھٹے یا ساتویں آسمان میں بھی مشاہدہ فرمایا۔ پس یا تو روح موسیٰ علیہ السلام کا پلک جھپکنے کی دیر میں تیزی سے آسمان کی طرف منتقل ہو گیا اور یا ان کے روح کا تعلق قبر کے ساتھ ایسا تھا جیسا کہ سورج کی شعاع کا زمین کے ساتھ حالانکہ اس کا جسم انتہائی بلندی پر ہے۔ علاوہ ازیں ثابت ہے کہ سوئے ہوئے شخص کا رُوح ساتوں آسمانوں کو عبور کر کے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچتا ہے اور اس کی بارگاہ میں عرشِ مجید کے سامنے سجدہ کرتا ہے، پھر قلیل ترین وقت میں اپنے جسم کی طرف رجوع کرتا ہے اور اسی طرح میت کا روح فرشتے ساتوں آسمانوں سے پار لے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرتے ہیں، پس روح وہاں سجدہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس میں اپنی قضاء کو نافذ فرماتا ہے اور فرشتہ اسے وہ مکان دکھلاتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے تیار کر رکھا ہوتا ہے، پھر وہ نیچے اترتا ہے اور اپنے غسل اور کفن ودفن اور اٹھانے والوں کا مشاہدہ کرتا ہے۔

(۳) دوسرے مقام پر فرمایا: لِلرّوح شانِ آخر غیر شان البدن وھذا جبرائیل صلوات اللہ وسلامہ علیہ ورآہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولہ ستۃ مأتہ اجنحۃ منہا جناحان سد بہما الافق ما بین المشرق والمغرب وکان من النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتیٰ یضع رکبتیہ بین رکبتیہ ویضع یدیہ علیٰ فخذیہ وما اظنک یتسع بطانک انہٗ کان حینئذٍ فی الملاء الاعلیٰ فوق السموات حیث ھو مستقر وقد دنا من النبی صلی اللہ علیہ وسلم ھذا الدنو فان التصدیق بھذا لہٗ قلوب خلقت لہ واھلت لمعرفتہ۔

(کتاب الروح ص۱۶۴)

ترجمہ: رُوح کا حال بدن سے مختلف ہے، دیکھئے حضرت جبرائیل علیہ السلام

کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اصل شکل میں مشاہدہ فرمایا۔ درآنحالیکہ اس کے چھ سو پر تھے، جن میں سے دو پروں نے مشرق و مغرب کے افق کو ڈھانپا ہوا تھا۔ اور بایں ہمہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری کے وقت سمٹ کر اتنا ہو گیا کہ اپنے دونوں گھٹنوں کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں گھٹنوں کے درمیان رکھ دیا اور اپنے ہاتھوں کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رانوں پر رکھ دیا۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ تیرا دل اس تصدیق کی گنجائش نہیں رکھتا کہ حضرت جبرائیل اس وقت ملأ اعلیٰ کے اندر آسمانوں سے اوپر اپنے محل و مقام پر بھی موجود تھے اور رسولِ خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں اتنے قریب بھی ہو گئے۔ لیکن اس تصدیق کے لئے ایسے دل بھی موجود ہیں جو اسی کے لئے پیدا فرمائے گئے اور ان اسرار اور غوامض کے ادراک و معرفت کے اہل بنائے گئے ہیں۔

لہٰذا روح کا علیین و سجین میں موجود ہونا اسے قبر پر حاضری دینے والوں کی معرفت اور ان کے سلام و کلام کے سننے اور سمجھنے سے مانع نہیں ہو سکتا۔

(۴) آخر میں ہم شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ العزیز کی زبانی اس شبہ کا تار و پود اور تانا بانا ادھیڑ دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں: مقام علیین بالائے ہفت آسمان و پائین آں متصل سدرۃ المنتہیٰ است و بالائے آں متصل پایۂ راست عرش مجید است وارواحِ نیکاں بعد از قبض در آں جا می رسند و مقربان یعنی انبیاء و اولیاء در آں مستقر یمانند و عوام صلحاء را بعد از نویسانیدن و رسانیدن نامہائے اعمال برحسب مراتب در آسمان دنیا یا درمیان آسمان و زمین یا در چاہ زمزم قرار می دہند و تعلق بقبر نیز ایں ارواح را می باشد کہ بحضور زیارت کنندگان و اقارب و دیگر دوستاں بر قبر مطلع و مستانس میگردند زیرا کہ روح را قرب و بُعد مکانی مانع ایں دریافت نمی شود۔ تفسیر عزیزی پارہ عم ص۱۱۳

(ترجمہ) مقام علیین ساتویں آسمان سے اوپر ہے، اس کا نچلا حصہ سدرۃ المنتہیٰ سے ملا ہوا ہے اور اوپر والا حصہ عرش مجید کے دائیں پایہ کے ساتھ متصل ہے۔ نیک لوگوں کے

روح موت کے بعد وہاں پہنچتے ہیں اور مقربین یعنی انبیاء کرام اور اولیاء عظام کے ارواحِ مبارکہ وہیں برقرار رہتے ہیں اور عوام صلحاء کے ارواح کو مقام علیین میں نام درج کرنے اور اعمال نامے پہنچانے کے بعد اپنے اپنے مراتب کے مطابق آسمان دنیا پر یا آسمان و زمین کے درمیان یا چاہ زمزم میں جگہ عطا فرمائی جاتی ہے اور قبر کے ساتھ ان کا تعلق بھی قائم کر دیا جاتا ہے تاکہ قبر پر آنے والے لوگوں اور عزیز و اقارب و دیگر دوستوں کو جان سکیں اور ان سے انس حاصل کر سکیں، کیونکہ روح کے لئے مکان کے لحاظ سے دوری یا نزدیکی اس جان پہچان میں رکاوٹ نہیں بن سکتی۔

(۵) یہی شاہ صاحب زیرِ آیت کریمہ اماتہ فاقبرہ ارشاد فرماتے ہیں:

و در دفن کردن چوں اجزاء بدن بتمامہ یکجا باشند علاقہ روح با بدن از راہ نظر و عنایت بحال میماند و توجہ روح بزائرین و مستانسین و مستفیدین بسہولت میشود کہ بسبب تعین مکانِ بدن گویا مکانِ روح ہم متعین است (تا) بنابریں است کہ استفادہ از اولیائے مدفونین و دیگر صلحائے مومنین جاری است و آنہا را افادہ و اعانت نیز متصور۔ پ۳۰ ص۵۰

ترجمہ: دفن کرنے سے چونکہ بدن کے تمام اجزاء ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں۔ روح کا تعلق بدن کے ساتھ ازراہِ نظرِ شفقت و عنایت بحال رہتا ہے اور روح کی توجہ قرب و حضور سے انس حاصل کرنے والوں اور فائدہ و فیض کے طالب و خواستگار حضرات کی طرف سہولت کے ساتھ ہو سکتی ہے، کیونکہ مکانِ بدن معین ہونے کی وجہ سے گویا مکانِ روح بھی معین ہے۔ اسی بناء پر اولیاء مدفونین اور صلحائے مومنین سے فیضان جاری ہے اور ان کو (دعا اور ایصالِ ثواب کے ساتھ اور قبر پر کھڑے ہو کر) انس و راحت پہنچانا اور امداد و اعانت کرنا بھی ممکن ہے۔

شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ العزیز کی اس عبارت سے جہاں قبورِ اولیاءؑ و صالحین پر استعانت و استمداد اور استفادہ و استفاضہ کے لئے حاضری کا جواز اور مقربانِ بارگاہِ خداوندی کے

فیض وکرم کا جاری وساری ہونا پتہ چلتا ہے، وہاں یہ حقیقت بھی واضح ہوگئی کہ قرب وبُعد مکانی جسم کے ادراکات میں اثرانداز ہوسکتا ہے، لیکن روح کے ادراکات میں اسے کوئی دخل نہیں ؛ لہٰذا مقام علیین میں موجود روح کے ادراک اور احاطۂ قبر میں موجود روح کے ادراکات میں کوئی فرق نہیں ؛ نیز یہ بھی واضح ہوگیا کہ تمام ارواح علیین میں نہیں ہیں۔ و، سیاق الکلام فیہ نقلا عن بن القیم۔

بہرحال یہ شبہ بھی لغو وباطل ہے اور نصوص قطعیہ کے مقابل اس توہم کو مریض القلب اور سقیم العقل ہی درخور اعتنا، سمجھ سکتا ہے۔ کوئی سلیم القلب اور صحیح العقل اسے قابل اعتبار والتفات نہیں سمجھ سکتا۔ ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا۔

مانعین ومنکرینِ سماع کے نقلی دلائل

مانعین ومنکرین سماع اموات کے نزدیک چونکہ نفی وانکار کی اصل مدار یہ تین شبہات تھے جو ان کے نزدیک قطعی عقلی دلائل تھے اور نقلی دلائل عقلی کے تابع ہوتے ہیں ؛ لہٰذا ہم نے پہلے ان کے دلائلِ عقلیہ کا ضعف بلکہ فساد وبطلان واضح کردیا۔ اب ادلہ نقلیہ کے جوابات ذکر کئے جاتے ہیں۔

دلیل اوّل: قال اللہ تعالیٰ انک لا تسمع الموتیٰ ولا تسمع الصم الدعاء اذا ولوا مدبرین وما انت بھاد العمیی عن ضلالتھم ان تسمع الا من یومن بآیاتنا فھم مُسلمون۔ پارہ ۲۱ سورۃ رُوم۔

ترجمہ ؛ اے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تحقیق تم نہیں سناتے، مُردوں کو اور نہیں سناتے بہروں کو جبکہ وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلیں اور نہیں تم ہدایت کرنے والے اندھوں کو گمراہی کے بعد۔ آپ صرف ان لوگوں کو سناتے ہو جو کہ ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں۔ پس وہ مسلمان ہیں۔

دلیل ثانی ؛ قال اللہ تعالیٰ وما یستوی الاحیاء ولا الاموات ان اللہ یسمع من یشاء وما انت بمسمع من فی القبور ان انت الا نذیر۔

(پ ۲۲۔ سورۃ فاطر)

ترجمہ : اور نہیں برابر زندہ لوگ اور مرے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ہی سناتا ہے جس

کو چاہتا ہے اور تم اے حبیب نہیں سنانے والے ان لوگوں کو جو کہ قبروں میں ہیں۔ آپ صرف عذابِ خدا سے ڈرانے والے ہیں۔

وَجہ استدلال: ہر دو آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اموات اور اہل قبور کو سنانے کی نفی فرما دی ہے اور سنانے کی نفی سے سننے کی نفی لازم آتی ہے لہٰذا ثابت ہو گیا کہ اموات اور اہل قبور نہیں سنتے۔

جوابات

جواب اول: سب سے پہلے ہم ان دونوں دلیلوں کے صحیح یا فاسد ہونے کی تحقیق اقوال مفسرین سے پیش کرتے ہیں اور یہی قرآن کریم کا حکم ہے فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون۔ اگر خود تمہیں علم نہیں ہے۔ تو اہلِ علم سے دریافت کرلو۔ لہٰذا قرآن کریم کی ان دو آیتوں کے معانی ہم انہیں کی زبانی بیان کرتے ہیں:

(۱) تفسیر ابن کثیر میں ہے انك لا تسمع الموتی ای لا تسمعھم شیأً ینفعھم فکذالك ھؤلاء علیٰ قلوبھم غشاوۃ وفی آذانھم وقر الکفر ولھذا قال ولا تسمع الصمّ الدعاء اذا ولوا مدبرین - ان تسمع الا من یومن بآیاتنا فھم مُسلمون ای انما یستجیب لك من ھو سمیع بصیر بالسمع والبصر النافع فی القلب والبصیرۃ الخاضعۃ للّٰہ ولما جاء عنہٗ علی السنۃ الرسل علیھم السلام۔ ابن کثیر جلد ۳ ص ۳۷۴

انك لا تسمع الموتی یعنی تم انہیں کوئی ایسی شے نہیں سنا سکتے جو انہیں نفع پونہچائے لہٰذا اسی طرح یہ کفار جو کہ مردوں کی طرح ہیں جن کے دلوں پر پردے اور جن کے کانوں میں کفر والا ثقل اور بھاری پن ہے اسی لئے فرمایا ولا تسمع الصمّ الدعاءُ اذا ولّوا مدبرین کیونکہ وہ سننا چاہتے ہی نہیں، انہوں نے دیدہ دانستہ اپنے آپ کو بہرہ بنا رکھا ہے۔ ان تسمع الا من یومن الخ یعنی آپ کی ہر بات کو وہ لوگ قبول

کریں گے جن کے دلوں کے اندر نفع دینے والے حواس (کان اور آنکھیں) موجود ہیں اور وہ لوگ ایسی بصیرت کے مالک ہیں جو اللہ تعالیٰ اور جو کچھ اس کی طرف سے اس کے رسولوں کی زبانی معلوم ہوا ہے، اس کی اطاعت واتباع کے لئے آمادہ وکمربستہ ہیں۔

(۲) تفسیر مدارک میں فرمایا: انك لا تسمع الموتی الایۃ لما کانوا لا یعون ما یسمعون ولا بہ ینتفعون شبھوا بالموتی وھم احیاء صحاح الحواس الخ

جبکہ وہ لوگ جو کچھ سنتے تھے، اسے یاد نہیں رکھتے تھے اور نہ دل میں جگہ دیتے تھے اور نہ اس کے ساتھ نفع حاصل کرتے تھے، تو انہیں اموات کے ساتھ تشبیہ دے دی گئی، حالانکہ ان کے حواس درست ہیں اور وہ زندہ ہیں الخ۔ تفسیر مدارک للعلامۃ النسفی الحنفی۔ جلد ۳ ص ۲۲۲

(۳) قولہ تعالیٰ انك لا تسمع الموتی الخ ھذہ الایۃ واردۃ فی حق الکفار وقطع الطمع للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فی ھدایتھم فان کونھم کالموتیٰ موجب لقطع الطمع وانما شبھوا بالموتیٰ لعدم انتفاعھم بما یتلیٰ علیھم من الآیات والمراد المطبوعون علیٰ قلوبھم فلا یخرج ما فیھا من الکفر ولا یدخل ما لم یکن فیھا من الایمان ملخصا من الروح - ولا دلالۃ فی ھذہ الایۃ علیٰ نفی سماع الموتیٰ کلام الاحیاء کما استدل بھا بعض الجھلۃ والاحادیث الصحیحۃ واردۃ فی باب سماع الموتیٰ ولا نذکرھا خوفا للاطناب۔ حاشیہ جلالین اصح المطابع ص ۳۲۴

ترجمہ: یہ آیت کفار کے حق میں وارد ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امید وآرزو کو ختم کرنے کے لئے جو آپ کفار کی ہدایت کے متعلق رکھتے تھے، کیونکہ ان کفار کا مردوں کی مانند ہونا امید وطمع کو ختم کرنے کا موجب ہے اور انہیں مردوں کے ساتھ صرف اس لئے تشبیہ دی گئی ہے کہ وہ ان آیات سے نفع حاصل نہیں کرتے تھے جو ان پر تلاوت

کی جاتی تھیں اور یہاں وہ کفار مراد ہیں جن کے دلوں پر مہر لگی ہوئی ہے (نہ کہ تمام کفار ورنہ بعثت کا مقصد ہی کچھ نہ ہوگا) لہٰذا اس ختم وطباع کی بدولت جو کفران کے دلوں میں ہے وہ نکل نہیں سکتا اور جو ایمان انکے دلوں سے خارج ہے، وہ ان میں داخل نہیں ہو سکتا۔ ملخص من الروح اور اس آیت میں موتیٰ کے احیاء کی کلام سننے کی نفی نہیں ہے جیسا کہ بعض جاہلوں نے اس سے استدلال کیا ہے اور احادیث صحیحہ سماع موتیٰ کے اثبات میں وارد ہیں۔ ان کے ذکر سے ہم کلام کو طوالت نہیں دینا چاہتے۔

(۱) قولہٗ تعالیٰ۔ انّ اللّٰہ یسمع من یشاء ای یھدیھم الی سماع الحجۃ وقبولھا والانقیاد لھا وما انت بمسمع من فی القبور ای کما لا ینتفع الاموات بعد موتھم وصیرورتھم الی القبور وھم کفار بالھدایۃ والدعوۃ الیھا کذالک ھولاء المشرکون الذین کتب علیھم الشقاوۃ لا حیلۃ لک فیھم ولا تستطیع ھدایتھم ان انت الّا نذیر ای انما علیک البلاغ والانذار واللّٰہ یضل من یشاء ویھدی من یشاء۔ تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۵۵۲

ترجمہ: قولہ انّ اللّٰہ یسمع من یشاء، یعنی اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت فرماتا ہے۔ حجت ودلیل کے سننے اور قبول کرنے کی طرف اور اس کی اتباع کرنے کی۔ وما انت بمسمع من القبور، یعنی مُردے فوت ہونے کے بعد اور قبور میں پہنچنے کے بعد نفع حاصل نہیں کر سکتے۔ درآں حالیکہ وہ لوگ ہدایتِ اسلام اور اس کی دعوت کے ساتھ کفر وانکار کرنیوالے تھے۔ اسی طرح یہ مشرکین لوگ جن پر شقاوت وبدبختی کو لازم کر دیا گیا ہے آپ کے لئے ان کی ہدایت میں کوئی حیلہ وذریعہ نہیں اور نہ ہی آپ ان کے راہِ راست پر لانے کی طاقت رکھتے ہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں راہِ راست سے پھیر دیا، تو اللہ کا مقابلہ اور اس کی مخالفت آپ سے کیسے ممکن؛ قولہٗ ان انت الّا نذیر۔ آپ پر تبلیغ اور عذاب خدا سے ڈرانا لازم ہے اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے، دولتِ ایمان سے محروم فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے نعمت

ایمان تک واصل فرماتا ہے۔

(۲) امام رازی نے اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں فرمایا قولہٗ ان اللّٰہ یسمع من یشاء الآیۃ۔ فیہ احتمال معنیین الاوّل ان یکون المراد بیان کون الکفار بالنسبۃ الیٰ سماعھم کلام النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم والوحی النازل علیہ دون حال الموتیٰ فان اللّٰہ یسمع الموتی۔ والنبی علیہ السّلام لا یسمع من کفر فالموتیٰ سامعون من اللّٰہ والکفار کالموتیٰ لا یسمعون من النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم۔ والثانی ان یکون المراد تسلیۃ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فانہٗ لما بین لہٗ انہٗ لا یسمعھم ولا ینفعھم قال لہٗ ھولاء لا یسمعھم الا اللّٰہ فانہٗ یسمع من یشاء ولو کان صخرۃ صماء واما انت فلا تسمع من فی القبور فما علیک من حسابھم من شیئٍ ان انت الّا نذیر۔ تفسیر کبیر۔ جلد ۷ صفحہ ۱۲

ترجمہ: امام رازی فرماتے ہیں کہ قولِ باری تعالیٰ انّ اللّٰہ یسمع من یشاء وما انت بمسمع الآیۃ کے معنی میں دو احتمال ہیں۔ اوّل یہ ہے کہ یہاں کفار کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کلام اور وعظ وتبلیغ سننے کے لحاظ سے مُردوں اور اہلِ قبور سے بھی ناقص ترین ہونے کا بیان کرنا مقصود ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ مردوں کو سناتا ہے اور وہ اللہ کے سنانے سے سنتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کفار کو نہیں سناتے نہ وہ آپ کے سنانے سے سنتے ہیں۔ اب کفار کا اہل قبور سے ابتر اور ناقص ہونا واضح ہو گیا کہ مردے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق وطاقت سے سننے والے ہیں، لیکن کفار جو کہ مردوں کی مانند ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سنانے سے نہیں سنتے، یعنی نہ ان کفار کو اللہ تعالیٰ نے سنایا اور نہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سنانے سے سنا بخلاف اہل قبور کے وہ اللہ تعالیٰ کے سنانے سے تو سنتے ہیں؛ مگر رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے سنانے نہیں سنتے۔ اقول امام کے بیان کئے ہوئے پہلے معنی میں اموات اور اہل قبور کا سننا واضح ہے۔ صرف اتنی بات ہے

کہ ان کا سماع اللہ تعالیٰ کے اسماع سے ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماع سے نہیں
لہٰذا جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ یہ آیت کریمہ سماع اموات کی دلیل ہے، کیونکہ اسماع مختص بالباری
مستلزم سماع کو ہے؛ لہٰذا امام کی کلام میں وہی استدلال موجود ہے جو ہم نے پہلے ذکر کیا ہے
فالحمد للہ۔

ثانی: معنی یہ ہے کہ اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا مقصود ہے
کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ انہیں نہیں سناتے اور نفع نہیں پہنچاتے (تو ہو سکتا تھا
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسے اپنے بیان اور اندازِ تبلیغ اور قوتِ تفہیم میں خلل پر محمول کریں
اور غمگین ہوں اور فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کوتاہی سمجھیں) اس لئے فرمایا کلام کا سنانا اور
اسے مخاطبین کے دلوں کی گہرائی میں پہنچانا میرا کام ہے۔ اگرچہ مخاطب سخت پتھر ہی کیوں نہ
ہو۔ لیکن آپ ان لوگوں کو سنانے والے نہیں جو کہ اہلِ قبور کی مانند ہیں۔ آپ پر ان کے حسابات
اور عتاب و عذاب کی ذرہ بھر ذمہ داری نہیں ہے۔ آپ تو صرف عذابِ خداوندی کے ڈرانے
والے ہیں۔

(اقول) دوسرے معنیٰ میں بھی اللہ رب العزت کی قدرتِ اسماع کا تذکرہ ہے، یعنی وہ
سنا سکتا ہے، اگرچہ مخاطب سخت پتھر ہی کیوں نہ ہو؛ لہٰذا اس معنی میں بھی اہلِ قبور کے لئے امکانِ
سماع اور اس کا تحقق و ثبوت ظاہر ہو گیا۔

(۳) امام نسفی فرماتے ہیں: وما انت بمسمع من فی القبور۔ شبہ الکفار
بالموتی حیث لاینتفعون بمسموعھم۔ مدارک جلد ۳ ص ۳۳۹

کفار کو اموات اور اہلِ قبور کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، کیونکہ وہ اپنے سنے
ہوتے آیات اور احکاماتِ نبویہ سے فائدہ نہیں اٹھاتے جیسا کہ اہلِ قبور۔

(۴) جمل علی الجلالین میں ہے: ای الکفار شبھھم بالموتی فی عدم التاثر بدعوتہ۔
تفسیر جمل جلد ۳۔ ص ۴۹۲۔

یہاں کفار کو اموات کے ساتھ دعوت سے متاثر نہ ہونے میں تشبیہ و تمثیل دی گئی ہے۔

(۵) آخر میں حنفی مفسر علامہ محمود آلوسی صاحب روح المعانی کی تحقیق زیر آیت
فانک لا تسمع الموتی ملاحظہ فرماویں اور حقیقتِ حال کی اطلاع پائیں۔

قال قدس سرہ والحق ان الموتی یسمعون فی الجملۃ وھذا علی
احد وجھین احدھما ان یخلق اللہ تعالیٰ فی بعض اجزاء المیت قوۃ
یسمع بھا متی شاء اللہ السلام ونحوہ مما یشاء اللہ اسماعہ ایاہ ولا یمنع
ذالک کونہ تحت اطباق الثریٰ وقد انحلت منہ ھاتیک البنیۃ
وانفصمت العریٰ ولا یکاد یتوقف فی قبول ذالک من یجوز ان یری اعمی الصین
بقۃ اندلس وثانیھما ان یکون ذالک السماع للروح بلا وساطۃ قوۃ
فی البدن ولا یمتنع ان تسمع بل ان تحس وتدرک مطلقا بعد مفارقتھا
البدن بدون وساطۃ قوۃ فی البدن وحیث کان لھا علی الصحیح
تعلق لا یعلم کیفیتہ وحقیقتہ الا اللہ بالبدن کلہ او بعضہ بعد الموت
وھو غیر التعلق بالبدن الذی کان لھا قبلہ اجری سبحانہ عادتہ
بتمکنھا من السمع وخلقہ لھا عند زیارۃ القبر وکذا عند حمل البدن
الیہ وعند الغسل مثلا الخ روح المعانی جلد ۲۱ ص ۵۱ فتح الملھم
شرح مسلم جلد ثانی ص ۴۷۹ (الیٰ) اما الجواب عن الآیۃ التی الکلام فیھا
ونحوھا مما یدل بظاھرہ علی نفی السماع فیعلم مما تقدم فلیفھم واللہ
اعلم۔

ترجمہ: اور حق یہ ہے کہ اموات و اہلِ قبور فی الجملہ سنتے ہیں اور یہ سماع دو میں سے
ایک وجہ پر ضرور ہے۔ اول۔ یہ کہ اللہ تعالیٰ بعض اجزاء میت میں قوت پیدا کر دے جس
کے ساتھ میت سلام و کلام وغیرہ کو سن سکے۔ جب بھی اللہ تعالیٰ چاہے اور جتنا قدر سنانا چاہے

اور اس سماع سے میت کا مٹی کے طبقات و حجابات کے نیچے پایا جانا یا اس کی بنیاد جسمانی اور ہیئت و شکل کی تحلیل اور افتراقِ اجزاء اور اعضاء مانع نہیں ہو سکتا اور اس بات کے قبول کرنے میں اس شخص کو قطعاً توقف و تردد نہیں ہو سکتا جس کا اعتقاد یہ ہے کہ اللہ چاہے تو چین کا نابینا شخص اندلس کے مچھر کو دیکھ سکتا ہے یہی اہل السنت کا مذہب ہے۔

ثانی۔ یہ کہ سماع روح کو حاصل ہو بغیر اس کے کہ بدن میں موجود کوئی قوت اس میں واسطہ بنے اور روح کا سننا ممتنع نہیں بلکہ اس کا مطلقاً صاحبِ ادراک و احساس ہونا مفارقت بدن کے کے بعد بغیر توسط قوت بدنیہ کے ممتنع نہیں ہے اور جب روح کے لئے مذہب صحیح کے مطابق بدن کے ساتھ ایسا تعلق حاصل ہے جس کی کیفیت و حقیقت سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا، خواہ سارے بدن کے ساتھ ہو اور خواہ بعض کے ساتھ" اور یہ تعلق اس تعلق سے مختلف ہے جو دنیوی زندگی کے اندر حاصل تھا، تو اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ اس طرح جاری ہے کہ بوقت زیارۃ قبر اور قبر کی طرف لے جاتے وقت اور حالتِ غسل میں روح کو سننے پر قدرت عطا فرماتا ہے اور اس میں سماع کی تخلیق فرماتا ہے۔ روح المعانی جلد ۲۱ صہ ۵۱

اس تحقیق کے بظاہر چند قرآنی آیات خلاف تھیں، تو ان کے جواب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا واما الجواب عن الایۃ الخ یعنی وہ آیت جس میں کلام ہے اور اس قسم کی دوسری آیات جو بظاہر نفی سماع پر دلالت کرتی ہیں، ان کا جواب ہماری پہلی کلام سے سمجھا جاتا ہے۔

اول ماتقدم سے انک لا تسمع الموتیٰ میں مذکور کلام کی طرف اشارہ ہے۔ علامہ مذکور نے فرمایا: واجابوا عن الایۃ فقال السہیلی انہا کقولہ تعالیٰ افانت تسمع الصم او تہدی العمی ای ان اللہ ھو الذی یسمع ویہدی۔ وقال بعض الاجلۃ ان معناہ لا تسمعھم الا ان یشاء اللہ اولا تسمعھم سماعًا ینفعھم وقد ینفی الشیی لانتفاء فائدتہ وثمرتہ کما فی قولہ تعالیٰ ولقد ذرأنا لجھنم

کثیرا من الجن والانس لھم قلوب لا یفقھون بھا ولھم اعین لا یبصرون بھا۔ روح المعانی جلد ۲۱ صہ ۴۹

ترجمہ: علماء کرام نے آیتِ مذکورہ کے مختلف جوابات دیتے ہیں۔ علامہ سہیلی نے فرمایا کہ یہ آیت یعنی انک لا تسمع الموتیٰ مثل قول باری افانت تسمع الصم او تہدی العمی کی مانند ہے۔ یعنی تحقیق صرف اللہ تعالیٰ ہی انہیں سناتا اور راہِ ہدایت دکھلاتا ہے (تم ان بہروں کو نہیں سناتے اور نہ ہی اندھوں کو راہ دکھلاتے ہو) بعض اجلہ نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ تم اموات اور اہل قبور کو نہیں سناتے، مگر جب اللہ تعالیٰ چاہے یا مطلب یہ ہے کہ تم ان کو اس طرح نہیں سناتے جو انہیں نفع دے اور کبھی ایک شیی کی نفی اس بناء پر بھی کر دی جاتی ہے کہ اس پر اس کا فائدہ و ثمرہ مترتب نہیں ہوتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ولقد ذرأنا الایہ یعنی البتہ ہم نے جہنم کے لئے بہت سے جن و انسان پیدا کئے ہیں جن کے دل ایسے ہیں کہ ان کے ساتھ سمجھ نہیں سکتے اور آنکھیں ایسی ہیں کہ ان کے ساتھ دیکھ نہیں سکتے۔ ولھم اذان لا یسمعون بھا اولئک کالانعام بل ھم اضل اولئک ھم الغافلون۔ اور ان کے لئے ایسے کان ہیں جن کے ساتھ وہ سنتے نہیں ہیں۔ وہ لوگ چارپایوں کی مانند ہیں، بلکہ ان سے بھی گئے گزرے ہیں، وہ لوگ مکمل طور پر غافل ہیں اور ان میں علم و ادراک کا کوئی ذریعہ موجود نہیں ہے۔

مفسرین کرام کے ان اقوال سے واضح ہو گیا کہ یہاں اہلِ قبور سے سماع کی نفی نہیں ہے بلکہ موتیٰ اور من فی القبور سے کفار و مشرک مراد ہیں اور ان کے حق میں سماع نافع کی نفی ہے نہ کہ مطلق سماع کی۔ یا نفی اسماع کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے استقلال کے لحاظ سے ہے یعنی آپ خود بخود بغیر اللہ کے اذن و مشیت کے موتیٰ اور اہل قبور کو نہیں سناتے اور بقول امام رازی ان اللہ یسمع من یشاء سے اہلِ قبور کا سننا اللہ تعالیٰ کے اسماع کی بدولت ثابت ہے اور کفار کے ان سے بھی ابتر ہونے کا بیان مقصود ہے اور اسی

طرح علامہ آلوسی کی تحقیق سے بھی سماعِ موتیٰ کا حق ہونا اور اس قسم کی آیات کا ظاہری معنیٰ متصور نہ ہونا ظاہر ہے۔

محدثینِ کرام کے اقوال ان آیات کے بارے میں بھی اسی طرح ہیں، جن کا ذکر بعد میں حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے استدلال کے جواب میں آئے گا۔ خلاصہ یہ کہ جمہور علمائے کرام کا مذہب یہ ہے کہ اموات اور اہل قبور سنتے ہیں۔ علامہ ابن حجر فتح الباری میں فرماتے ہیں۔

قد خالفها الجمهور فی ذالك وقبلوا حديث ابن عمر رضی الله عنهما لموافقة من رواه غيره عنه صلی الله عليه وسلم۔ فتح الباری جلد ۵ ص۲۳۵ مطبع انصاری۔

جمہور صحابہ کرام اور تابعین و تبع تابعین اور جمہور علمائے کرام نے سماعِ موتیٰ کے انکار میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مخالفت کی ہے اور انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کو قبول کیا ہے، کیونکہ ان کے علاوہ اور حضراتِ صحابہ نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس ارشاد کو نقل کیا ہے، یعنی ما انتم باسمع منهم۔ اے صحابہ تم ان اہلِ قلیب۔ مقتول کفار سے زیادہ سننے والے نہیں ہو۔

جب ثابت ہو گیا کہ جمہور صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ مفسرین و محدثین کے نزدیک ان آیات کا یہ معنیٰ نہیں ہے جو مانعین و منکرینِ سماع نے ذکر کیا ہے، تو ان آیات سے استدلال باطل ہو گیا، کیونکہ جمہور اور سوادِ اعظم کی اتباع لازم ہے اور آیات کے وہی معانی مراد لینے ضروری ہیں جو جمہور اہلِ اسلام کے نزدیک ہیں؛ لہٰذا ان آیات سے استدلال نفیِ سماع پر درست نہ رہا۔

(۲) جوابِ ثانی: مستدلین کا دعویٰ یہ ہے کہ اموات اور اہلِ قبور نہیں سنتے اس پر دلالت عربی عبارت میں یوں ہونی چاہیئے لا يسمع الموتى یا لا يسمع من فی القبور وغیرہ جس کا قرآن کریم میں کہیں ذکر نہیں۔ قرآن کریم میں نفیِ اسماع کا ذکر ہے اور اس میں کلام نہیں لہٰذا یہ دلائل مدعا۔۔۔

مدعا کو ثابت نہیں کر سکتے اور تقریب تام نہیں بلکہ سرے سے دلیل کو دعویٰ سے تعلق ہی کوئی نہیں۔ ہم بولتے ہیں مخاطب ہماری کلام سنتا ہے۔ لیکن سنانے والے ہم نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہے۔ کما هو المذهب الحق۔

رہا یہ شبہ کہ اسماع کی نفی سماع کی نفی کو مستلزم ہے، تو اس کا جواب انہیں مانعین و منکرین کے اسلاف کی زبانی سماعت فرمایئے۔ مولانا قاسم نانوتوی اپنے بعض مکاتیب مسمّٰی بہ جمالِ قاسمی میں فرماتے ہیں:

اپنے خیالِ نارسا کے موافق سمعِ اموات حدِ اسماع سے پرے ہے پر استماعِ اموات ممکن ہے، یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ خداوند کریم نے توانک لا تسمع الموتیٰ فرمایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود اس کے سلام اہل قبور مسنون کر دیا۔ اگر استماع (کان لگا کر پوری توجہ سے سننا) ممکن نہیں تو پھر یہ بیہودہ حرکت یعنی سلام اہل قبور ملحدوں کی زبان درازی کے لئے کافی ہے (تا) اس لئے مناسب یوں ہے کہ قبرستان میں گزرے تو سلام سے دریغ نہ کرے اور بن پڑے، تو ہدیہ مناسب وقت بھی پیش کرے ورنہ (روح) سخت ہی روتی ہے جو یوں آنکھیں چرائے چلا جاوے ص۹ تا ۱۱

مولانا نانوتوی صاحب کی یہ عبارت صاف بتلا رہی ہے کہ اسماع کی نفی سے سماع اور استماع کی نفی لازم نہیں آتی۔ نیز اس عبارت سے اہلِ قبور کو سلام کرنے کی مسنونیت سے سماعِ اہلِ قبور پر تنصیص بھی ہو گئی۔

حضرت علامہ بدرالدین عینی حنفی شارح بخاری نے عمدۃ القاری میں معتزلہ کا رد کرتے ہوئے اور ما انت بمسمع من فی القبور سے ان کے استدلال کو باطل کرتے ہوئے فرمایا:

واما الجواب عن قوله تعالیٰ وما انت بمسمع من فی القبور فهو ان عدم اسماع اهل القبور لا يستلزم عدم ادراكهم۔ عمدة القاری جلد ۴ ص۱۶۳

اس آیتِ کریمہ کا جواب یہ ہے کہ اہلِ قبور کا عدمِ اسماع (یعنی آنحضرت علیہ السلام کا

انہیں نہ سنانا اور سنوانا، ان سے علم و ادراک کی نفی کو مستلزم نہیں۔

الغرض یہ واضح ہوگیا کہ اسماع کی نفی سے سماع کی نفی لازم نہیں آتی اور کلام سماع میں ہے نہ کہ اسماع میں۔ نیز آئندہ جوابات میں اس استلزام کی نفی متعدد وجوہ سے ثابت کی جائیگی۔ انشاء اللہ العزیز۔

۳۔ جواب ثالث: اسماع کی یہاں مطلقاً نفی نہیں کی گئی، یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا لا یسمعھم احدٌ کوئی شخص بھی اہلِ قبور اور اموات کو نہیں سناتا، بلکہ ایک خاص فاعل سے یعنی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی نفی ذکر فرمائی ہے اور فاعلِ خاص اور شخص مخصوص سے فعل کی نفی کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ مطلق فعل معدوم ہوجائے جائز ہے، وہ اس فاعلِ خاص کے علاوہ اور کسی فاعل سے صادر ہو جائے، مثلاً لا یضرب زید عمرواً (زید عمرو کو نہیں مارتا) اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ زید کے علاوہ اور بھی کوئی شخص عمرو کو نہیں مارتا۔ یا یوں کہیئے ہر دو آیت (انک لا تسمع الموتیٰ۔ وما انت بمسمع من فی القبور) شخصیہ قضیئے ہیں اور قضیۂ شخصیہ کو حکمِ عام کلی کی دلیل بنانا کس طرح صحیح ہوسکتا ہے؟ حجت کے تین اقسام میں سے یہ کوئی قسم بھی نہیں ہے، یعنی نہ قیاس ہے اور نہ ہی استقراء اور تمثیل۔

سوال: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سید الخلق علی الاطلاق ہیں جب آپ میں اسماع کی قدرت نہیں، تو اور کسی میں کب ہوسکتی ہے؛ لہذا آپ سے اسماع کی نفی دلالۃ النص کے طریقہ پر ماسوا کی نفی پر بطریقِ اولیٰ دلالت کرے گی اور اس طرح ہر دو قضیئے میں عموم وکلیت پیدا ہوجائے گی؛ لہذا دلیل میں بھی عموم پیدا ہوگیا جس طرح کہ دعویٰ میں عموم ہے۔

جواب: یہ دلالت مخلوق کے لحاظ سے تو اعتبار کرنے کا احتمال ہے مگر خالق کے لحاظ سے نہیں یعنی یہ نہیں کہہ سکتے کہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اموات اور اہلِ قبور کو نہیں سناتے لہذا اللہ تعالیٰ بھی نہیں سناتا اور آنحضور میں یہ طاقت نہیں؛ لہذا اللہ تعالیٰ میں بھی یہ طاقت نہیں۔ نعوذ

باللہ من ذالک۔ لہٰذا دلالت النص کے لحاظ سے عمومِ نفی اور السلب الکلی کا معنی پیدا کرنا کسی بھی آیت میں ممکن نہیں ہے اور جمہور اہلِ اسلام اموات اور اہلِ قبور میں سلام و کلام کا سننا صرف اللہ تعالیٰ کے سنانے اور توفیق دینے سے ہی تسلیم کرتے ہیں نہ کہ کسی مخلوق کی دی ہوئی طاقت سے اور آیتِ کریمہ ان اللہ یسمع من یشاء بھی اس عقیدہ پر نص صریح ہے لہذا نفی سماع پر استدلال لغو اور باطل ہوگیا۔

(۴) جواب رابع: اللہ تعالیٰ نے اسماع موتیٰ ومن فی القبور کی نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے نفی فرمائی ہے اور اسے اپنے ساتھ مخصوص فرمایا ہے، جبکہ فرمایا: قولہٗ تعالیٰ ان اللہ یسمع من یشاء وما انت بمسمع من فی القبور تو ثابت ہوگیا کہ اسماع اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہے اور اسی کی صفت مختصہ ہے اور یہ ظاہر کہ اسماع مستلزم سماع ہے؛ لہذا اہلِ قبور کا سماع ثابت ہوگیا، بلکہ سماع قوی کیونکہ قوتِ فاعل قوتِ فعل واثر کو مستلزم ہوتی ہے؛ لہٰذا جب فاعلِ اسماع وہ ذاتِ مقدس ہے جو خالق قوی اور قدر ہے اور علیٰ کل شیئ قدیر اس کی صفت ہے تو لامحالہ اموات کے لئے سماع قوی ثابت ہوگا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد انہٗ یسمع قرع نعالھم اذا ولوا عنہٗ مدبرین۔ اس پر شاہد صادق ہے کیونکہ زندہ باوجود توجہ کے چلنے والوں کی جوتیوں کا آواز کبھی کبھار نہیں سُن سکتا، مگر میت کو جب قبر میں رکھا جاتا ہے، تو دفن کرکے واپس لوٹنے والوں کے جوتوں کا آواز سنتا ہے۔ لہٰذا بجائے نفی سماع کے یہاں سے سماع علی الوجہ الاتم والاکمل ثابت ہوگیا، تو مانعین کا اسے نفی کی دلیل بنانا لغو و باطل ہے، بلکہ یہ آیتِ کریمہ منکرین پر حجتِ قاہرہ ہے اور ہمارے مذہب و مسلک کی روشن دلیل۔

(۵) جواب خامس: جس اسماع کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نفی کی گئی ہے۔ اس سے مراد قوۃ سماع کا پیدا کرنا اور بالفعل سنانا ہے اور مسموعات کا علم و ادراک عطا کرنا ہے یا زبان پر کلمات کو جاری کرنا اور ایسی صوت و آواز منہ سے نکالنا کہ جن میں صلاحیت

سننے کی ہو، وہ سُن لیں جن میں نہ ہو وہ دسُن سکیں۔

اگر شقِ اول مراد ہے تو بلاشبہ اس اسماع کی نفی سماع کی نفی کو مستلزم ہے ، لیکن یہ تو امر تکوین میں داخل ہے اور تکوین وخلق صرف اللہ کے ساتھ مختص ہے الا لہ الخلق والامر اور اس معنی کے لحاظ سے اسماع دسنانا، ممکن کی قدرت میں ہی نہیں، نہ اموات واہل قبور کے حق میں اور نہ ہی زندہ اہل دنیا کے حق میں، بلکہ زندہ لوگ سنتے ہیں، تو بھی اللہ تعالیٰ کے اسماع سے اور مردے سُنتے ہیں تو بھی اللہ تعالیٰ کے اسماع سے، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ افراد کے لئے قوۃِ سماع پیدا کرنے والے نہیں، مگر تمام احیاء سنتے ہیں اور مسموعات وغیرہ کے ادراک کی صلاحیت واستعداد ان میں موجود ہے؛ لہٰذا ان دونوں آیتوں سے صرف اتنا قدر ثابت ہوا کہ اہلِ قبور و اُموات کا سننا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماع سے نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے اسماع سے ہے اور یہ ہمارے مذہب کے خلاف نہیں، بلکہ اس کی دلیل ہے۔

اور اگر شق ثانی مراد ہے، تو اس کی نفی باطل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اموات کو خطاب وندار بالاجماع اور احادیث متواترۃ المعنی سے ثابت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اہلِ قلیب کو ندا دینا اور خطاب فرمانا سب صحابہ حتیٰ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک بھی مسلّم ہے، اختلاف از حضرت صدیقہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم میں خطاب وندار کے اندر نہیں، بلکہ حضرت عمر کے استفسار کے بعد جو آپ نے جواب دیا۔ اس کے الفاظ میں ہے کہ آپ نے ما انتم باسمع فرمایا یا کچھ اور۔ اسی طرح مومنین اہلِ قبور کو ندار وخطاب السلام علیکم دار قوم مومنین قد سبقتم منا انا انشاء اللہ بکم للاحقون بھی بلا خلاف بطریقِ تواتر ثابت ہے، بلکہ خود قرآن کریم نے اس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت صالح اور حضرت شعیب علیہما السلام کے لئے ثابت کیا ہے کما سبق منا تحریرہ۔ لہٰذا اسماع کی نفی اس معنی کے لحاظ سے غلط محض ہے، بلکہ مستلزم کذب باری تعالیٰ کو ہے اور کذب باری تعالیٰ محال وممتنع ہے ، فافہم۔

نیز ان اللہ یسمع کی تقیید من یشاء کے ساتھ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ اسماع سے خلق قوتِ سماع مراد ہے جیسا کہ ولکن اللہ یھدی من یشاء میں یہ تقیید خلق ہدایت اور ایصال کی دلیل ہے۔

(۶) جواب سادس: اللہ تعالیٰ نے ہر دو آیت میں اسماع کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ثابت بھی فرمایا ہے اور اس کی نفی بھی آپ سے کی ہے انک لا تسمع الموتی فرمایا تو اس کے بعد ان تسمع الا من یومن بآیاتنا فھم مسلمون فرمایا ما انت بمسمع من فی القبور فرمایا تو اس کے بعد ان انت الا نذیر بھی ذکر فرمایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نذیر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ آیاتِ عذاب لوگوں کو سناتے ہیں اور اخروی انجام سے خوف دلاتے ہیں۔ لہٰذا واضح ہو گیا کہ ہر دو آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اسماع کا ثبوت بھی ہے اور آپ سے اسماع کی نفی بھی۔

جب یہ بات صحیفہ خاطر پر نقش ہو گئی، تو اب غور فرمایئے کہ جس اسماع کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ثبوت ہے، اس سے مراد کلامِ الٰہی۔ آیاتِ کلام مجید کا سنانا راہِ راست دکھلانا اور عذابِ خدا سے ڈرانا ہے جیسا کہ ان تسمع الا من یومن بآیاتنا فھم مسلمون۔ ان انت الا نذیر اور وما انت بھاد العمی عن ضلالتھم اور لا تسمع الصم الدعاء اذا ولوا مدبرین سے ظاہر ہے۔ البتہ ہدایت کو اسماع سے تعبیر اسلئے کیا گیا ہے کہ بالعموم ہدایت آیاتِ کلام مجید سے حاصل ہوتی ہے دراغلب طریقِ ہدایت وعظ وتبلیغ ہے جو کہ مسموعات کے قسم سے ہے، لہٰذا ہدایت کو اسماع سے تعبیر فرما دیا گیا، ورنہ وما انت بمسمع کے بعد ان انت الا نذیر اور وما انت بھادی العمی عن ضلالتھم کے بعد ان تسمع الا من یومن بآیاتنا میں کوئی مناسبت نہ ہوگی۔ لہٰذا اس کے مقابل جس اسماع کی نفی کی گئی ہے، اس سے مراد مطلوب تک واصل کرنا اور ہدایت کو دلوں کے اندر پیدا کرنا ہے، ورنہ تعارض و تخالف لازم آئے گا۔ کیونکہ ثبوت بھی اسماع بمعنی راہنمائی کا ہو اور نفی بھی اسی کی تو تناقض واضح ہے۔

لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جب اسماع بمعنی اراءۃ الطریق اور ارشاد و رہنمائی ثابت ہے تو اموات اور اہلِ قبور کے لحاظ سے آپ سے نفی اسماع بمعنی ایصال الی المطلوب اور خلق علم بالمسموعات کی ہے اور اموات و اہلِ قبور سے منفی سماع بمعنی اہتداء اور تحقق علم بالمسموعات ہے اور ظاہر ہے کہ محلِ نزاع یہ سماع تو نہیں ہے؛ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس اسماع کی نفی مستلزم سماع کی نفی کو نہیں ہے، کیونکہ ایسا اسماع تو زندہ کفار کے حق میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منفی ہے جیساکہ کفار کے اقوال اس پر شاہد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے حکایت کرتے ہوئے فرمایا قالوا قلوبنا فی اکنۃ مما تدعونا الیہ و فی آذاننا وقر و من بیننا و بینک حجاب فاعمل اننا عاملون کفار نے کہا ہمارے دل اس امر کی نسبت پردوں میں ہیں جس کی طرف تم دعوت دیتے ہو (وہ سمجھنے سے قاصر ہے) اور ہمارے کانوں میں ثقل اور بھاری پن ہے اور ہمارے اور تمہارے درمیان حجاب و پردہ ہے جو دیکھنے سے مانع ہے، تم اپنا کام کرتے جاؤ، ہم اپنی مرضی کے مطابق عمل کرنے والے ہیں۔ قولہٗ تعالیٰ ولا نفقہ کثیرا مما تقول تم جو کہتے ہو، ہم اس میں سے اکثر نہیں سمجھتے۔ حالانکہ وہ مطلقاً عقل و حواس سے محروم نہ تھے لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسماع کی نفی نہ زندہ لوگوں کے سننے کے منافی ہے اور نہ ہی مُردہ افراد کے سننے کے مخالف۔

الغرض محل نزاع اہلِ قبور کا سلام و کلام کو سننا ہے، آیات اس کی نفی نہیں کرتیں۔ آیات نفی کرتی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اموات اور اہلِ قبور کو مطلوب تک واصل کرنے اور ایمان دار بنانے کی۔ اس میں اختلاف نہیں ہے، بلکہ یہ صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ لہٰذا ان آیات سے محلِ نزاع میں استدلال باطل ہے۔

(۷) جواب سابع: موتیٰ اور من فی القبور سے کفار مراد ہیں جو کہ نفع حاصل نہ کر سکنے میں اموات اور اہلِ قبور کی مانند ہیں، کیونکہ مردوں کی ہدایت کا نہ آپ نے ارادہ فرمایا اور

نہ ہی اس کا کوئی فائدہ ہے، بلکہ زندہ کافر کا حالتِ نامیدی میں اسلام و ایمان ناقابلِ قبول ہے جیساکہ فرعون والے قصہ سے ظاہر ہے۔ لہٰذا اس آیتِ کریمہ سے اہلِ قبور سے سماع کی نفی پر استدلال باطل ہے، بلکہ یہاں بطورِ استعارہ تصریحیہ کفار کو موتیٰ سے تعبیر کر دیا گیا، اور مراد اس موت ہے اور روحانی موت نہ کہ جسمانی اور مَن فی القبور سے بھی مردہ دل مراد ہیں جو کہ (قبروں) جیسے سینوں میں مدفون و مستور ہیں اور یہ ترشیح للمجاز ہے، کیونکہ پہلے فرمایا وما یستوی الاحیاء و لا الاموات یہاں مومنین کو لفظ احیاء سے تعبیر فرمایا اور کفار کو لفظ اموات سے اور اموات کیلئے قبر مناسبات میں سے ہے؛ لہٰذا یہاں بطورِ ترشیح ان کے لئے قبور کو ثابت فرما دیا۔

حنفی مفسر علامہ ابو السعود کی زبانی اسی مضمون کو سماعت فرمایئے:

وما یستوی الاحیاء ولا الاموات تمثیل آخر للمومنین والکفار ابلغ من الاول ان اللہ یسمع من یشاء ویوفقہ لفھم آیاتہ والاتعاظ بعظاتہ وما انت بمسمع من فی القبور ترشیح لتمثیل الکفار بالاموات واشباع فی اقناطہ علیہ السلام من ایمانھم ان انت الا نذیر۔ ابو السعود علی الکبیر جلد ۷ ص ۴۹۶

وما یستوی الاحیاء ولا الاموات مومنین و کفار کے لئے ایک اور تمثیل ہے جو پہلی تمثیل و تشبیہ سے ابلغ و اکمل ہے۔ انّ اللہ یسمع من یشاء یعنی اللہ جسے چاہے سنواتا اور فہم آیات کی توفیق بخشتا ہے اور پند و نصائح سے استفادہ کی توفیق مرحمت فرماتا ہے اور ما انت بمسمع مَن فی القبور کفر پر اصرار کرنے والے کفار و مشرکین کی تشبیہ بالاموات کے لئے ترشیح ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے ایمان سے نامید کرنے میں اشباع و مبالغہ مقصود ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل ذمہ داری پر تنبیہ ہے یعنی آپ کا کام تبلیغ فرمانا ہے وہ ہو چکا۔ لست علیھم بمصیطر الا مَن تولیٰ وکفر فیعذبہ اللہ العذاب الاکبر وما علیک من حسابھم من شیئ۔ اب ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے جو حق سے منہ موڑے گا، اس کو عذاب دیگا۔

اس تقدیر پر یہ آیتِ کریمہ بمنزلہ انک لاتھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشاء اور انک لتھدی الی صراط مستقیم کے ہے۔ وہاں ہدایت کی آنجناب سے نفی کرکے اپنے ساتھ مختص بھی کردی ہے اور دوسری جگہ ہدایت کو آپ کے لئے ثابت بھی کیا ہے۔ لہذا ہدایت منفی بمعنی ایصال الی المقصود ہے اور مثبت بمعنی راہ نمائی اور وعظ و تبلیغ ہے اور منفی، کفار مصرین کے لحاظ سے ہے جن کے متعلق فرمایا انّ الذین کفروا سواء علیہم أانذرتہم ام لم تنذرہم لا یومنون ختم اللہ علیٰ قلوبہم وعلیٰ سمعہم وعلیٰ ابصارہم غشاوۃ اور مثبت۔ اسلام کی طرف مائل اور ضد و عناد سے بری لوگوں کے لحاظ سے ہے۔ ھُدی لِلمتقین الذین یومنون بالغیب۔ الآیۃ

لہذا جب موتیٰ اور من فی القبور کا حقیقی معنی مراد نہیں ہے تو حقیقی معنی کے لحاظ سے موتیٰ اور اہل قبور کے عدم سماع پر یہاں سے استدلال کیونکر دُرست ہوسکتا ہے؛ بلکہ ان آیات کو محل نزاع سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی اہل برزخ کا یہاں ذکر ہے۔

نیز جب ولا تسمع الصمّ الدعاء اذا ولوا مدبرین میں حقیقی بہرے مراد نہیں، بلکہ وہ کافر مراد ہیں جو کانوں کے ہوتے ہوئے استماعِ حق میں انہیں استعمال کرکے نفع حاصل نہیں کرتے۔ اسی طرح وما انت بھادی العمی عن ضلالتہم میں حقیقی اندھے مراد نہیں، بلکہ وہ کافر مراد ہیں جو آنکھیں ہونے کے باوجود انہیں حق دیکھنے پہچاننے میں استعمال نہیں کرتے لہذا انک لاتسمع الموتیٰ میں بھی حقیقی طور پر مُردہ لوگ مراد نہیں، بلکہ وہ زندہ کافر مراد ہیں جو زندگی کے ہوتے ہوتے زندگی سے فائدہ نہیں اٹھاتے اور اس فانی زندگی میں اسلام و ایمان لاکر ابدی زندگی کا انتظام نہیں کرتے، حالانکہ حقیقی زندگی وہ ہے ان الدار الاخرۃ لھی الحیوان اور کفر کو موت سے کافر کو میت سے (ایمان کو حیات سے اور مومن کو لفظ حی سے) کئی جگہ تعبیر کیا گیا ہے۔ وما یستوی الاحیاء ولا الاموات۔ او من کان میتا فاحیینٰہ وجعلنا لہ نورا یمشی بہ فی الناس۔ لہذا یہاں بھی معطوفات والے قرینہ سے موتیٰ

سے مراد حقیقی موتیٰ نہیں بلکہ زندہ کافر جو کہ اپنے کفر پر مُصر ہیں تو حقیقی طور پر مُردہ اور اہل قبور سے سماع کی نفی درست نہیں ہوسکتی؛ لہذا استدلال منکرین باطل ہوگیا۔

(۸) جواب ثامن، انک لاتسمع الموتیٰ کے مقابل ان تسمع الا من یومن بآیاتنا فہم مسلمون ذکر کیا گیا ہے، حالانکہ موتیٰ کا مقابل احیاء ہیں نہ کہ مومنین ورنہ لازم آئے گا کہ مومن سرے سے فوت ہوتے ہی نہیں یا فوت ہونے کے بعد وہ مومن نہیں رہتے تبھی تقابل موتیٰ اور من یومن بآیاتنا میں درست ہوگا، حالانکہ دونوں لازم باطل ہیں اور واضح الفساد ہیں، تو ثابت ہوا کہ یہاں پر الموتیٰ سے مراد وہ کفار و مشرکین ہیں جو اپنے کفر و شرک پر اصرار کرکے صلاحیتِ ایمان و اسلام ختم کرچکے ہیں؛ لہٰذا اس آیتِ کریمہ سے استدلال نفی سماع پر باطل ہوگیا۔

نیز وما انت بمسمع من القبور ان انت الا نذیر میں بھی من فی القبور سے مراد زندہ کافر و مشرک ہیں جو کہ کفر پر اڑے ہوتے ہیں کیونکہ جس طرح ان تسمع الا من یومن بآیاتنا سے مراد، مومنین کی ہدایت ہے۔ اسی طرح ان انت الا نذیر سے بھی مومنین کے لئے نذیر ہونا مراد ہے۔ دوسرے مقام پر اس امر کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ان انا الاّ نذیر و بشیر لقوم یومنون میں صرف قوم مومنین کے لئے بشیر و نذیر ہوں جو لوگ کفر سے باز آنے والے نہیں ہیں، میں ان کے لئے نہ بشیر ہوں اور نہ ہی نذیر، جب ان انت الا نذیر میں مومنین کے لئے نذیر ہونا مراد ہے تو لامحالہ وما انت بمسمع من فی القبور میں من فی القبور سے زندہ کافر مراد ہوں گے، ورنہ لازم آئے گا کہ مومنین اہلِ قبور نہ بن سکیں یا نعوذ باللہ اہلِ قبور بن جانے کے بعد مومن نہ رہیں۔

لہذا دونوں آیتوں میں موتیٰ اور اہلِ قبور حقیقی مراد نہیں جن کے سماع میں کلام ہے تو ان سے استدلال باطل ہوگیا۔

(۹) جواب تاسع : صرف سماع کی نفی مقصود خصم نہیں بلکہ اس کا مقصود تو اہل قبور

کو کلیتہً بے خبر لاعلم اور غافل ثابت کر کے اصنام کے زمرہ میں داخل کرنا اور اصنام والی آیات ان پر منطبق کر کے اہلِ اسلام کو قبور کی زیارت اور اہلِ قبور کے توسل و استمداد سے روکنا ہے اور نہ رُکنے والوں کو بُت پرست مشرک بنانا ہے اور اسماع کی نفی سے تو علم بالمسموعات کی نفی بھی نہیں ہو سکتی، چہ جائیکہ باقی حواس کے علم و ادراک کی نفی ہو، مثلاً اللہ تعالیٰ سمیع ہے، مگر حاسۂ سمع اس میں موجود نہیں۔ بایں ہمہ تمام تر مسموعات کا علم اس کے لئے ثابت ہے۔ لہٰذا اہلِ قبور کے حق میں اسماع بمعنی ابلاغ صوت معدوم و منفی ہو جائے، تو بلوغ صوت کی نفی تو لازم آجائے گی، لیکن علم مسموعات کی نفی لازم نہیں آئے گی اور جب یہ لازم نہ آئے تو باقی حواس کے مدرکات کی نفی کیونکر لازم آسکتی ہے، مثلاً ایک بہرہ آدمی سننے سے تو معذور ہے، مگر اندھا نہیں تو دیکھنے سے معذور نہیں ہوگا۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد فلما دفن عمر فواللہ ما دخلته الا و انا مشد ودة علیٰ ثیابی حیاء من عمر۔ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی وصیت اقیموا حول قبری قدر ما ینحر جزور و یقسم لحمه حتیٰ استانس بکم و اعلم ما ذا اراجع رسل ربی۔ ہمارے اس قول پر ادل دلیل اور شاہد عدل ہے۔ لہٰذا مقصود مستدل یہاں سے حاصل نہیں ہو سکتا، کیونکہ نفی اخص سے نفی اعم لازم نہیں آتی۔

شیخ عبدالحق قدس سرہٗ نے فرمایا: فرضاً اگر از ثبوت سماع تنزل کنیم باعتبار آنکہ سماع بجاسۂ سمع باشد و سمع بخرابی بدن خراب شد، بگوئیم از نفی سماع نفی علم لازم نمی آید و علم بروح بود کہ باقی است پس علم بمبصرات و مسموعات حاصل باشد نہ بوجہ ابصار و سمع الخ اشعۃ اللمعات جلد ثالث، صفحہ ۱۰۴۔ اور یہی جواب عینی نے دیا کہ سماع کی نفی سے علم کی نفی لازم نہیں آتی۔

(۱۰) جواب عاشر: ان دونوں آیتوں سے اہلِ قبور اور اربابِ برزخ سے علم و شعور اور احساس و ادراک کی نفی کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ اگر ایک فعل کا صدور کسی فاعل سے

معمول کے مطابق اور اسباب عادیہ کے تحت ہو تو ایسی صورت میں فعل کی نفی اس فاعل سے درست نہ ہوگی، لیکن اگر فعل کا صدور فاعل سے اور اس پر مترتب اثرات خلافِ معمول و عادت ہوں اور اسبابِ ظاہرہ عادیہ کو اس میں دخل نہ ہو تو اس وقت فعل کی نفی اس فاعل سے درست ہوگی جیسا کہ اللہ رب العزت نے اپنے محبوب و مطلوب صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ۔ آپ نے نہیں پھینکا، کنکریوں کو جبکہ آپ نے پھینکا، لیکن انہیں تو اللہ رب العزت نے پھینکا چونکہ مٹھی بھر کنکریوں سے کفار و مشرکین کے عظیم لشکر کی بدلی اور بدحواسی اور میدانِ جنگ سے فرار، عالمِ اسباب ظاہرہ میں داخل نہیں تھا؛ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس فعل کو ثابت کرنے کے باوجود آپ سے نفی کر کے اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ مخصوص فرما دیا اور اسی طرح قولِ باری تعالیٰ فلم تقتلوھم ولکن اللہ قتلھم۔ تم نے ان کفار کے عظیم لشکر کو قتل نہیں کیا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں قتل کیا ہے۔

جب یہ امر ذہن نشین ہوگیا، تو ہم کہتے ہیں کہ اسماع موتیٰ اور من فی القبور میں بھی نفی کا مدار اسی پر ہے، جب اہلِ قبور اور اموات میں ادراک و شعور اور سماع خطاب و فہم ندا، کے اسباب ظاہرہ عادیہ معدوم ہو گئے اور مخلوق میں سے کسی کے دائرہ اختیار میں ان کا سنانا سمجھانا نہ رہا تو اللہ تعالیٰ نے مخلوق سے اسماع کی نفی کر کے اسے اپنی ذات کے لئے خاص فرما دیا، کیونکہ وہ تخلیقِ مسببات میں اسباب ظاہرہ عادیہ کی طرف محتاج نہیں، بلکہ اسباب کے بغیر مسبّبات کو پیدا کرنے پر بھی قادر ہے جیسا کہ اسباب متحقق ہونے کے باوجود مسبّبات کو معدوم کرنے یا نہ پیدا کرنے پر قادر ہے۔

لہٰذا جس طرح ولکن اللہ رمیٰ کا اختصاص اور ولکن اللہ قتلھم کی تخصیص ثبوت رمی اور تحقق قتل پر دلالت کر رہا ہے، اسی طرح ان اللہ یسمع من یشاء ثبوت سماع اور دیگر ادراکات پر دلالت کر رہا ہے اور جس طرح وما رمیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ظاہری طور پر صدور رمی اور کسب رمی کی نفی نہیں کرتا اور نہ ہی فلم تقتلوھم صحابہ کرام سے

ظاہری طور پر قبل از تبلیغ کی نفی کرتا ہے، اسی طرح انک لا تسمع الموتیٰ اور وما انت بمسمع من فی القبور بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر مخلوق کے ظاہری اسماع کی نفی نہیں کرتا اور آیات و احادیث سے ثبوت سماع واضح ہو چکا ہے؛ لہٰذا ان آیات سے نفی سماع وغیرہ پر استدلال قطعًا باطل ہے

منکرین و مانعین کی تسلی و تشفی کے لئے انہیں کے روحانی پیشوا مولانا قاسم نانوتوی کی عبارت پیش خدمت ہے:

وھکذا ینبغی ان یفھم ان سماع الموتیٰ کلام الاحیاء لیس داخلا فی دائرۃ الاسباب الطبیعۃ العادیۃ ولھذا لیس لنا قدرۃ علیٰ اسماعھم ولکن اللہ قادر علیٰ ان یخلق اسباباً خفیۃ مجھولۃ عندنا او یخرق العادۃ فیسمعھم بعض اصواتنا فیسمعون سماع الاحیاء بل ازید منھم ولعل لھذہ الدقیقۃ نفی القرآن العزیز الاسماع من العباد وما افصح فی موضع بنفی السماع عن الاموات الخ

فتح الملہم شرح المسلم جلد ثانی ص۴۹ ماخوذ از جمال قاسمی

ترجمہ: اور اسی طرح مناسب ہے کہ سمجھا جائے کہ اموات کا احیاء کی کلام کو سننا اسباب طبیعہ عادیہ کے دائرہ میں داخل نہیں ہے، اسی لئے ہمیں ان کے سنانے پر قدرت نہیں؛ لیکن اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ انہیں سنانے کے لئے اسباب خفیہ پیدا فرما دے جو ہمیں معلوم نہ ہوں یا معمول و عادت جاریہ کے برعکس بغیر اسباب کے بھی سنا دے اور وہ ہماری کلام کو زندہ لوگوں کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ عمدہ طریقہ پر سن سکیں (جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میت دفن کر کے لوٹنے والوں کے جوتوں کی آواز کو بھی سنتا ہے) اور شاید کہ اسی نکتہ کے پیش نظر قرآن عزیز نے اموات سے بندوں کے سنانے کی تو نفی فرمائی ہے، لیکن کسی بھی مقام پر اموات سے سننے کی نفی کا اعلان و اظہار نہیں فرمایا اور یہ نہیں فرمایا کہ مردے نہیں سنتے۔

(نوٹ، مولانا قاسم نانوتوی کے مکاتیب مسمی بہ جمالِ قاسمی اردو زبان میں ہیں اور بندہ کے پاس موجود ہیں، مگر شبیر احمد صاحب سے اس لئے نقل کر دیئے ہیں تاکہ ان کی شہادت بھی حاصل ہو جائے۔

(۱۱) جوابِ حادی عاشر: منکرین و مانعین کا دعویٰ عموم سلب اور السلب الکلی ہے اور یہ اس صورت میں ثابت ہو سکتا ہے جبکہ الموتیٰ اور من فی القبور میں عموم و استغراق پایا جائے اور پھر لا تسمع۔ وما انت بمسمع میں سلب اور رفع ہر ہر فرد کے لحاظ سے ہو لیکن دونوں امر مسلم نہ ہوں تو ان دونوں آیات سے ان کا مقصود ثابت نہیں ہو سکتا اور ہمارے لئے یہ کہنا ممکن ہے کہ ہم الموتیٰ اور من فی القبور میں عموم و استغراق تسلیم نہیں کرتے، کیونکہ لام تعریف اور موصول عہد کے لئے بھی ہوتے ہیں، بلکہ اصل عہد ہے یا مان لیتے ہیں کہ ان میں عموم و استغراق ہے، مگر سلب اور رفع نسبتِ ایقاعیہ میں کلِ واحد من الافراد کے لحاظ سے نہیں، بلکہ جمیع کے اعتبار سے رفع ایجابِ کلی اور سلب العموم کے طریقہ پر ہے جو کہ ایجاب جزئی کے منافی نہیں ہوتا؛ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قطعی و حتمی طور پر صرف بعض موتیٰ اور بعض من فی القبور کے اسماع کی نفی ہوگی نہ کہ سب کی اور مفسرین کرام کی کلام سے ظاہر ہے کہ یہاں کفار و مشرکین کو ان موتیٰ اور اہل القبور سے تشبیہ دی گئی ہے جو کہ دار عمل سے نکل کر دار الجزاء میں چلے گئے اور اپنے عذاب کا مشاہدہ کر لیا اور حیواۃ دنیویہ میں ایمان سے مشرف نہیں ہوئے تھے جس طرح کہ مفسر ابن کثیر نے تصریح فرمائی ہے: ای کما لا ینتفع الاموات بعد موتھم وصیرورتھم الی القبور وھم کفار بالھدایۃ والدعوۃ الیھا کذالک ھؤلاء المشرکون الذین کتب علیھم الشقاوۃ۔ لہٰذا اگر سماع کی نفی ثابت ہوئی، تو انہیں اہل قبور اور اموات سے جو یہاں مراد ہیں اور جن سے تشبیہ دینا مقصود ہے۔ یعنی کافر مردے اور مومنین مخلصین کے حق میں نفی ثابت نہیں ہوگی۔

علامہ ابن قیم نے کہا: ان الارواح قسمان منعمۃ ومعذبۃ فالمعذبۃ فی

شغل بما هي فيه من العذاب عن التزاور والتلاقي والارواح المنعمة المرسلة الغير المحبوسة تتلاقى وتتزاور وتتذاكر ما كان منها في الدنيا وما يكون من اهل الدنيا فتكون كل روح مع رفيقها الذى هو على شلها وروح نبينا محمد صلى الله عليه وسلم في الرفيق الاعلى قال الله تعالىٰ من يطع الله والرسول فاولئك مع الذين انعم الله عليهم من النبيين والصديقين والشهداء والصالحين وحسن اولئك رفيقا وهذه المعية ثابتة في الدنيا وفي دار البرزخ وفي دار الجزاء والمرء مع من احب في هذه الدور الثلاثة۔

کتاب الروح ص۲۳

ترجمہ: ارواح دو قسم ہیں۔ ارباب نعمت وراحت اور رنج والم عتاب وعذاب میں مبتلا، جو عذاب میں مبتلا ہیں، وہ اسی میں مشغول ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کی زیارت اور ملاقات نہیں کر سکتے، لیکن جو ارباب نعمت وراحت اور اہل جنت ہیں آزاد اور قید وبند سے محفوظ وہ ایک دوسرے کے ساتھ ملاقات کرتے ہیں اور زیارات سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور دنیا میں ان سے جو کچھ ہوا اسے یاد کرتے ہیں اور جو کچھ اہلِ دنیا سے ہوتا اسے بھی پس ہر رُوح اپنے اس رفیق کے ساتھ ہوتا ہے جن میں اعمال کے اندر تماثل وتناسب ہوتا ہے اور ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا روحِ اقدس رفیقِ اعلیٰ حضرت حق جلّ وعلیٰ میں ہے۔ اللہ رب العزت نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرے گا، وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہے یعنی انبیاء کرام، صدیقین اور شہداء وصالحین اور وہ بڑے ہی اچھے ہیں باعتبار رفیق ہونے کے اور یہ معیت دنیا، دار برزخ اور دار جزاء میں ثابت ہے اور ہر آدمی ان تینوں مقاموں میں انہیں کے ساتھ ہوگا جن سے اسے محبت وتعلق ہوگا۔

لہٰذا جس طرح معذب ارواح آپس میں ایک دوسرے کی زیارت وملاقات سے محروم

ہیں اور محبوس وپابند ہیں، اسی طرح زندہ افراد اور زائرین کی جان پہچان اور ان کے سماع کلام وغیرہ سے بھی مشغول ہوں اور مدت مسائلت یعنی فرشتوں کے سوال وجواب وغیرہ کے گزرنے کے بعد وہ سماع وغیرہ سے محروم ہوں، لیکن ارواحِ منعمہ انبیاء کرام، صدیقین اور شہداء وصالحین جس طرح آپس میں زیارت اور ملاقات سے مشرف ہوتے ہیں اسی طرح احیاء کی زیارت وملاقات سے بھی ہوتے رہیں اور ان سے باہم ہمکلام ہوں یا صرف سننے پر اکتفا کریں۔ حضرت آدم علیہ السلام کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کرنا اور آپس میں بحث ومباحثہ کرنا اور آدم علیہ السلام کا غالب آجانا مشکوٰۃ شریف میں موجود ہے۔ شبِ اسراء بیت المقدس میں انبیاء کرام کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمع ہونا ان کی اقتداء میں نماز پڑھنا اور بعد میں اولوا العزم رسولوں کا خطبات دینا اور موسیٰ علیہ السلام کا نمازوں میں تخفیف کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو توجہ دلانا، ہر صاحبِ علم کو معلوم ہے اور محدثین کرام نے بے شمار روایاتِ احیاء واموات کی باہمی زیارت وملاقات اور اخبار واستخبار کے متعلق جمع فرمائی ہیں۔ شرح الصدور میں قدر وافر موجود ہے من اراد الاطلاع علیها فلیطالع ثمہ۔

اس تقدیر پر وہ آیات جو سماع موتیٰ کی نفی کرتی ہیں، وہ کفار ومشرکین سے سماع کی نفی پر محمول ہوں گی اور جو آیات واحادیث سماعِ موتیٰ پر دلالت کرتی ہیں، وہ مومنین ومسلمین اموات کے سماع پر محمول ہوں گی؛ لہٰذا نہ آیات واحادیث کا باہم تخالف وتعارض لازم آئے گا اور نہ ہی منکرین سماع کا مطلوب ومقصود یہاں سے ثابت ہو سکے گا۔

اور یہی معنی ومفہوم بخاری شریف کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے ثم قرءت انك لا تسمع الموتیٰ وما انت بمسمع من فی القبور تقول حین تبوّؤا مقاعدهم من النار۔ بخاری شریف جلد ثانی ص۵۶۷۔ یعنی نفی سماع پر آیات سے استدلال کے بعد فرمایا کہ یہ اس وقت جبکہ وہ آگ میں اپنا ٹھکانا بنا لیں اور عذاب میں مشغول ومصروف ہو جائیں

اور یہ امر کفار و مشرکین کے حق میں ہی متصور ہو سکتا ہے۔ تو منین کے حق میں اس کا استبعاد واضح ہے۔

(۱۲) **جواب ثانی عشر**: ہم یہ بھی تسلیم کر لیتے ہیں کہ انک لا تسمع الموتی اور وما انت بمسمع من فی القبور میں ہر فرد کے لحاظ سے سلب و رفع ہے اور یہاں عموم السلب پایا گیا ہے، مگر ہم احوال و ازمان کے لحاظ سے عموم تسلیم نہیں کرتے، بلکہ جائز ہے کہ اموات واہلِ قبور ایک وقت میں نہ سنیں، یعنی وقت انفصال روح میں اور دوسرے اوقات میں سنتے رہیں یعنی جب روح کو جسدِ میت کی طرف لوٹا دیا جائے

اور ارواح کا اپنے اجسام کی طرف لوٹایا جانا صحیح احادیث کے ساتھ ثابت ہے۔

علامہ ابن قیم نے فرمایا واما المسئلۃ السادسۃ وھی ان الروح ھل تعاد الی المیت فی قبرہٖ وقت السؤال ام لا۔ فقد کفانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امر ھذہٖ المسئلۃ واغنانا عن اقوال الناس فیہ حیث صرح باعادۃ الروح الیہ۔ چھٹا مسئلہ یہ ہے کہ آیا میت کی روح وقتِ سوال جسد وجسم کی طرف لوٹائی جاتی ہے یا نہیں؟ اس بارے میں ہمیں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفایت فرمائی اور ہمیں لوگوں کے اقوال سے بے نیاز کر دیا۔ جبکہ تصریح فرما دی کہ روح کو جسم کی طرف لوٹایا جاتا ہے۔ اس کے بعد حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے مروی طویل حدیث مبارک نقل فرمائی جس میں مومن و کافر دونوں کے متعلق آپ نے فرمایا فتعاد روحہ، فی جسدہ یعنی میت کی روح کو جسم کی طرف لوٹایا جاتا ہے۔ اس حدیث کو امام احمد اور ابوداؤد نے روایت کیا اور ابو عوانہ نے اسے اپنی صحیح میں روایت کیا۔ ذھب الی القول بموجب ھذا الحدیث جمیع اہل السنۃ والحدیث من سائر الاطراف۔ کتاب الروح۔ ص ۶۳ و ۶۴ اور تمام اہلِ سنت اور تمام اطراف واکنافِ عالم کے محدثین اس حدیثِ پاک کے موجب و مقتضیٰ (یعنی ارواح کے اجسام کی طرف لوٹنے) کے قائل ہیں۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ دفن کے بعد میت میں روح موجود ہوتا ہے اور اسی بناء پر وہ ملائکہ کے سوالات کو سنتا اور سمجھتا ہے اور مومن ہے تو صحیح جواب بھی دیتا ہے اور اگر کافر ہے یا منافق تو ہر سوال کے جواب میں ھاھا لا ادری کہہ دیتا ہے۔ جب روح موجود ہے اور وہی مدرک و عالم اور سامع و فاہم ہے، لہٰذا سماع، خطاب و نداء میں کوئی امتناع و استحالہ نہیں ہے اور آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ صحیحہ اس پر دلالت بھی کرتی ہیں، تو انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ لہٰذا اب بھی استدلال باطل ہو جائے گا، اور آیات و احادیث کے تعارض و تخالف کا وہم بھی دُور ہو جائے گا۔ سماعِ موتیٰ کی نفی پر دلالت کرنے والی آیات قبضِ روح کے بعد اور اس کے اعادہ سے پہلے کی حالت پر محمول ہیں اور سماعِ موتیٰ پر دلالت کرنے والی آیات و احادیث ارواح کے اعادہ و رجوع کے بعد والی حالت پر محمول ہیں۔

(۱۳) **جواب ثالث عشر**: جب تک موتیٰ اور من فی القبور میں دوامِ موت ثابت نہ ہو اتنے وقت تک مقصود مستدل ثابت نہیں ہو سکتا اور ہم دوامِ موت تسلیم نہیں کرتے، بلکہ قبر کے اندر ان کو زندگی حاصل ہو جاتی ہے اور عالمِ برزخ میں انہیں حیواۃ برزخیہ سے مشرف کیا جاتا ہے، جیسا کہ قرآن نے کفار سے حکایت کرتے ہوئے فرمایا ربنا امتنا اثنتین واحییتنا اثنتین اور دوسری موت بغیر قبر و برزخ میں حصول حیواۃ کے متحقق نہیں ہو سکتی اور اسی طرح یثبت اللہ الذین آمنو بالقول الثابت فی الحیواۃ الدنیا و فی الاخرۃ۔ حیواۃ برزخ پر شاہد ہے، کیونکہ قبر من وجہ حیواۃ دنیا کے مشابہ ہے اور من وجہ حیواۃ آخرت کے لہٰذا جس شق میں بھی داخل کرو، قبر میں حیات ثابت ہو جائے گی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، سے مروی ہے ان القبر اول منزل من منازل الاخرۃ فان نجا منہ فما بعدہ ایسر منہ وان لم ینج منہ فما بعدہ اشد منہ، مشکواۃ ص ۲۶ قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے۔ اگر آدمی اس میں عذاب و عتاب سے نجات پا گیا، تو بعد والی منازل اس سے بھی آسان ہوں گی اور اگر اس میں نجات حاصل نہ

ہوتی تو بعد میں اس سے بھی زیادہ سختی ہوگی۔

بہرحال حیواۃ برزخ پر دلائل پہلے ذکر کر دیئے گئے ہیں۔ جب قبر میں حیواۃ ثابت ہے تو دوامِ موت ختم ہوگیا، جب دوامِ موت نہیں ہے، تو مانع علم و ادراک بھی نہیں ہے لہذا اب بھی استدلال باطل ہوگیا۔

آپ اس جواب کو یوں سمجھ لیں کہ مدعائے مستدل کی مدار نسبۃ ایقاعیہ سے حاصل ہونے والے قضیۂ سالبہ کلیہ پر ہے۔ اگر وہ دائمہ مطلقہ ہے تو مدعا ثابت ہو سکتا ہے اور اگر عرفیہ عامہ سالبہ ہے تو اس کا تحقق وصفِ عنوانی کے اوقاتِ اتصاف تک ہے یعنی جب تک اموات کی ذاتیں وصفِ موت کے ساتھ متصف رہیں گی، سلب سماع بھی درست ہوگا۔ جب یہ اتصاف ختم ہوگیا، تو سلب بھی ختم ہو جائے گی اور آیات و احادیث اور اقوال فقہاء کرام وصفِ عنوانی کے رفع پر دلالت میں شواہد عدل اور دلائل صدق ہیں؛ لہذا سماع اموات کی نفی اوقاتِ وصفِ موت میں اس کو مستلزم نہیں کہ ذوات موتیٰ و اہلِ قبور سے ہمیشہ کے لئے سماع کی نفی ہو جائے، تو دوام نفی سماع اور استمرار عدم علم و ادراک پر استدلال غلط ہوگیا۔

امام بیہقی نے فرمایا: والجواب عن الاية انه لا یسمعهم وهم موتیٰ ولکن الله احیاهم حتیٰ سمعوا کما قال قتادہ۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہیں حالتِ موت میں نہیں سناتے، لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ فرمایا، حتیٰ کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب سُن لیا جیسا کہ قتادہ نے کہا۔ فتح الملہم۔ جلد دوم ص۴۷۸

تو ثابت ہوگیا کہ آیتِ کریمہ قضیۂ عرفیہ ہے نہ کہ دائمہ مطلقہ۔ لہٰذا دوام نفی پر استدلال باطل ہوگیا۔

(۱۴) **جوابِ رابع عشر:** اگر ہم ہر دو آیت سے حاصل اس قضیہ یعنی الموتیٰ و من فی القبور لا یسمعون کا عموم باعتبار جمیع وجوہ کے یعنی استغراقِ افراد اور شمول احوال و ازمان وغیرہ تسلیم کرلیں اور اس کا دائمہ مطلقہ سالبہ ہونا بھی تسلیم کرلیں تو بھی مانعین کا مقصود اصلی ثابت

نہیں ہو سکتا، کیونکہ ان دونوں آیات سے حاصل ہونے والا قضیۂ سالبہ دائمہ مطلقہ اگرچہ باعتبار معنی و مفہوم کے عام ہے، لیکن باعتبار صدق و تحقق کے تخصیص لازم ہے؛ لہٰذا یہ عام مخصوص البعض ہے اور دلیل تخصیص یہ ہے کہ شہداء کرام باعتبار مفہوم ظاہر کے الموتیٰ اور مَن فی القبور میں داخل ہیں، اسی لئے ان کے اموال میں وراثت جاری ہوتی ہے۔ ان کی بیویاں عدت گزرنے کے بعد دوسرے خاوندوں سے شادی کر سکتی ہیں، ہم ان کو زیرِ زمین دفن کرتے ہیں اور ان کے قبور کی زیارت کرتے ہیں، باوجود اس کے ان پر موت کا اطلاق ممنوع ہے۔ ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل الله اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون بلکہ ان کے متعلق موت کا گمان بھی ناروا ہے۔ قوله تعالیٰ ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل الله امواتا بل احیاء عند ربهم یرزقون۔ وہ اپنے رب تعالیٰ کی عطاؤں پر راضی اور خوش ہوتے ہیں۔ فرحین بما اتاهم الله من فضله اور جو لوگ ابھی ان کے تعلق والے دنیا میں باقی ہوتے ہیں، ان کے درجات و منازل دیکھ کر خوشی محسوس کرتے ہیں ویستبشرون بالذین لم یلحقوا بهم من خلفهم ان لا خوف علیهم ولا هم یحزنون۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مقتول ہونے اور ان کے روح کے بدن سے منفصل ہونے کی بھی تصریح فرما دی ہے جیسا کہ یقتل او قتلوا سے ظاہر ہے۔ جب حیواۃ ان میں ثابت ہے تو لامحالہ ادراک و احساس بھی ثابت ہوگا جیسا کہ فرحین اور یستبشرون اس پر شاہد ہے؛ لہٰذا ان میں سماعِ سلام و کلام اور فہم نداء و خطاب بھی واضح ہوگیا، اس لئے ان کا استثناء اور تخصیص عموم الموتیٰ و مَن فی القبور سے ثابت ہوگیا۔

اسی طرح اولیاء کاملین اور صدیقین کا استثناء بھی ثابت ہوگیا اور انبیاء کرام و رسل عظام کا بھی کیونکہ قرآنِ عظیم نے ان کے مراتب کو اس آیتِ کریمہ میں واضح فرمایا ہے: من یطع الله والرسول فاولئک مع الذین انعم الله علیهم من النبیین والصدیقین والشهداء والصالحین۔ جب شہداء تیسرے درجہ میں ہیں اور ان کے لئے حیواۃ اور

رزق فرحت واستبشار ثابت ہے، تو دلالتِ نص کے ساتھ صدیقین اور انبیاء و مرسلین میں بطریقِ اولیٰ یہ انعامات واکرامات بلکہ ان سے بھی اتم واکمل ثابت ہوں گے

اقسامِ جہاد

نیز جہاد دو طرح کا ہے اوّل جہاد کفار کے ساتھ، دوسرا نفس کے ساتھ اور چونکہ نفس سب اعدائے سے زیادہ سرکش اور خطرناک ہے۔ لہٰذا اس کے ساتھ جہاد جہادِ اکبر ہے۔ اعدیٰ اعداءك نفسكَ التی بین جنبیك۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے لئے کھڑے ہوتے وقت فرمایا رجعنا من الجهاد الاصغر الی الجهاد الاکبر (کبیر زیرِ آیت ولا یاتل اولوا الفضل) ہم نے جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کی طرف رجوع کیا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ألا انبئكم بخير اعمالكم وازكاها عند مليككم وارفعها فی درجاتكم وخيرلكم من انفاق الذهب والورق وخيرلكم من ان تلقوا عدوكم فتضربوا اعناقهم ويضربوا اعناقكم قالوا بلیٰ قال ذكر الله رواه مالك واحمد و الترمذی وابن ماجه، مشكوٰة شريف

ترجمہ، کیا میں تمہیں ایسے عمل کی خبر دوں جو تمہارے سارے اعمال سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہتر اور پاکیزہ ہے اور تمہارے درجات میں سب سے زیادہ رفعت و ترقی کا موجب ہے اور تمہارے لئے سونا چاندی کے راہِ خدا میں خرچ کرنے سے بہتر ہے اور اس سے بھی بہتر ہے کہ تم دشمن کے مقابل صف آرا ہو جاؤ، تم انہیں قتل کرو اور وہ تم کو قتل کر دیں۔ صحابہ کرام نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ ہمیں اس کی خبر دیجئے تو آپ نے فرمایا وہ بہترین عمل ذکر الٰہی ہے۔

ملاّ علی قاری نے فرمایا ناهيك علیٰ فضيلة الذكر قوله تعالیٰ فاذكرونی اذكركم وانا جليس من ذكرنی وانا معه اذا ذكرنی وغیرہ۔

ترجمہ: فضیلتِ ذکر پر تیرے لئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد (تم مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد کروں گا اور میں اپنے ذکر کرنے والے کا ہمنشین ہوں اور جب بندہ مجھے یاد کرتا ہے میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں)، کافی ووافی دلیل ہے۔

اسی طرح حدیث قدسی وما يزال عبدی يتقرب الیّ بكثرة النوافل حتی احببته فاذا احببته كنت سمعه الذی يسمع به وبصره الذی يبصر به الحديث۔ جہادِ نفس میں مصروف ومشغول حضرات کے مقامِ محبوبیت پر فائز ہونے انوارِ الٰہیہ سے منور ہونے اور فانی فی اللہ اور باقی باللہ کے منصبِ جلیلہ سے مشرف ہونے پر واضح دلیل ہے اور یہ منصب ومرتبہ ہر شہید کو حاصل نہیں۔

لہٰذا جب جہادِ اصغر اور جہادِ بالکفار میں شہید ہونے والوں کے لئے یہ منصب ثابت ہے اور انہیں حیوٰۃ دوام اور سرمدی زندگی حاصل ہے تو جہادِ اکبر یعنی جہادِ نفس میں مشغول ومصروف حضرات کو بطریقِ اولیٰ یہ مراتب حاصل ہوں گے۔ اسی لئے فرمایا:

الا ان اولياء الله لا يموتون بل ينتقلون من دار الیٰ دار۔ مرقاة جلد ۳ صفحہ ۲۴۱ اولیاء اللہ فوت نہیں ہوتے، بلکہ دارِ دُنیا سے دارِ برزخ کی طرف منتقل ہوتے ہیں۔

اسی طرح احادیثِ طیبہ سے انبیاء کرام کی حیوٰۃ طیبہ واضح ہے۔

قال ابن القيم واذا كان هذا فی الشهداء كان الانبياء بذالك احق و اولیٰ مع انه قد صح عن النبی صلی الله عليه وسلم ان الارض لا تاكل اجساد الانبياء وانه صلی الله عليه وسلم اجتمع بالانبياء ليلة الاسراء فی بيت المقدس وفی السماء خصوصًا بموسیٰ عليه السلام وقد اخبر بانه ما من مسلم يسلم عليه الا رد الله عليه روحه حتی يرد عليه السلام الیٰ غير ذالك مما يحصل من جملته القطع بان موت الانبياء انما هو راجع الیٰ ان غيبوا عنا بحيث لا ندركهم وان كانوا موجودين احياء صفحہ ۵۵ كتاب الروح۔

ترجمہ: علامہ ابن القیم نے فرمایا جب یہ فضیلت شہداء کرام میں ثابت ہوگئی، تو انبیاء کرام میں بطریقِ اولیٰ ثابت ہوگی اور اس کے ساتھ ساتھ حیواۃ انبیاء احادیثِ صحیحہ سے بھی ثابت ہے۔ آپ نے فرمایا بیشک زمین انبیاء کرام کے اجسام کو نہیں کھاتی اور اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شبِ اسریٰ انبیاء کرام کے ساتھ جمع ہونا بیت المقدس میں اور آسمانوں میں خصوصاً موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ جو مسلمان بھی مجھ پر سلام بھیجتا ہے... اللہ تعالیٰ میرے روح کو اس کی طرف متوجہ فرماتا ہے تاکہ میں اس کے سلام کا جواب دوں۔ وغیر ذالک اس امر کی قطعی دلیل ہیں کہ موتِ انبیاء صرف یہ ہے کہ انہیں ہم سے اس طرح غائب کردیا گیا ہے کہ ہم انہیں دیکھ نہیں سکتے، اگرچہ وہ موجود اور زندہ ہیں۔

لہٰذا تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا استثناء بھی ضروری ہوگیا، ورنہ لازم آئے گا کہ امتی کو برزخ میں اتنا بلند مقام حاصل ہوجائے جو اس کے نبی کو بھی حاصل نہ ہو اور اس کا لزوم وبطلان واضح ہے۔ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا جزاءِ اخروی کے لحاظ سے مرتبہ ومنصب تمام تر امتوں سے اور ہر امت کے ہر فرد سے بلند تر ہے اور یہ امر ایسا ہے جس میں اہلِ اسلام کے اندر کسی طرح کا اختلاف موجود نہیں۔

نیز شہید صرف میدانِ جنگ میں کفار کی تیغِ جفا سے ذبح ہونے والا شخص ہی نہیں اور بھی بہت سے اشخاص وافراد کے لئے یہ منصب ومرتبہ ثابت ہے:

(۱) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الشھداء خمسۃ المطعون والمبطون والغریق وصاحب الھدم والشھید فی سبیل اللہ متفق علیہ۔

(۲) عن جابر بن عتیک رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الشھادۃ سبع سوی القتل فی سبیل اللہ المطعون شھید والغریق شھید

وصاحب ذات الجنب شھید والمبطون شھید وصاحب الحریق شھید والذی یموت تحت الھدم شھید والمرءۃ تموت بجمع شھید رواہ مالک وابوداؤد والنسائی۔ مشکوٰۃ۔ کتاب الجنائز۔

خلاصہ: راہِ خدا میں شہید ہونے والے آٹھ قسم ہیں۔ مرض طاعون میں ہلاک ہونے والے، پیٹ کی بیماری سے ہلاک ہونے والے، پانی میں غرق ہوکر مرنے والے، دیوار وغیرہ کے نیچے دب کر فوت ہونے والے اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتل ہونے والے۔ آگ میں جل کر جان دینے والے، سل ودق کی بیماری میں جان دینے والے اور بوقتِ ولادت و وضع حمل میں مرجانے والی عورتیں۔

(۳) عن علی رضی اللہ عنہ من حبسہ السلطان ظلما فمات فی السجن فھو شھید ومن ضرب فمات فی الضرب فھو شھید وکل مومن یموت فھو شھید۔

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جس شخص کو بادشاہ ظالم قید کردے اور وہ قید وبند ہی میں فوت ہوجائے تو شہید ہے جس کو ضربِ شدید لگائی جائے اور اسی میں فوت ہوجائے تو وہ بھی شہید ہے اور ہر ایماندار شخص جو حالتِ ایمان پر فوت ہو وہ بھی شہید ہے۔

بہرحال اقسام شہداء بے شمار ہیں اگر تفصیل معلوم کرنی ہو تو امام سیوطی کی کتاب ابواب السعادۃ فی اسباب الشھادۃ کا مطالعہ کیجئے یا مرقاۃ شرح مشکوٰۃ للعلی القاری قدس سرہ العزیز صہ ۳۵۹ جلد ۳ کا مطالعہ فرمائیے۔

ہم نے صرف یہ عرض کرنا ہے کہ مقتول فی سبیل اللہ حکما بہت سے اقسام ہیں حتیٰ کہ بقول حضرت علی رضی اللہ عنہ ہر مومن جو دولت ایمان لے کر دنیا سے رختِ سفر باندھے وہ بھی شہید ہے اور مقتولان راہِ خدا کے درجہ میں ہے۔

اگر ان سب اقسام شہداء کو انک لا تسمع الموتی اور وما انت بمسمع من فی القبور سے مستثنیٰ کرلیا جائے، تو موتیٰ اور من فی القبور کی جانب قلیل اقسام رہ جائیں گے

یعنی منافقین اور کفار و مشرکین یا اہلِ کتاب اور ان کی تخصیص و استثناء کا جواز واضح ہے، کیونکہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں شہداء فرمایا ہے اور یہ حضرات حقیقتہً شہداء نہیں تو حکماً شہداء ضرور ہیں اور شہادت حکمیہ کا مطلب ہی یہ ہے کہ انہیں برزخ اور آخرت میں شہداء کرام جیسا اجر و ثواب اور منصب و مرتبہ نصیب ہوگا، ورنہ دنیوی احکام میں تو شہید نہیں ہیں، اسی لئے انہیں کفن دیا جاتا ہے اور غسل بھی اور کفن میں ان کے مستعمل کپڑوں کی بجائے عوام مومنین کی طرح نئے کپڑے دیئے مسنون ہیں۔

لہٰذا انبیاء کرام علیہم السلام، اولیاء کاملین صدیقین اور جمیع اقسام شہداء سے حیات اور علم و ادراک و احساس و شعور اور سماع سلام و کلام کا نفی کرنا باطل ہوگیا اور یہی مانعین کا اصل مدّعا اور منتہائے مقصود تھا اور وہ بحمد اللہ ثابت نہ ہوسکا۔

(۱۵) جواب خامس عشر: انكَ لا تسمع الموتىٰ اور وما انت بمسمع من فی القبور سے استدلال کرنے والوں سے ہم پوچھتے ہیں کہ تمہارے نزدیک موتیٰ و مقبور سے مراد کیا ہے؟ وہ لوگ مراد ہیں جن کا روح بدن سے الگ ہوگیا اگرچہ ایک لحظہ کے لئے ہی سہی یا وہ لوگ جن کا روح ہمیشہ کے لئے بدن سے منفصل اور بے تعلق ہوگیا ہو۔ اگر پہلا معنی مراد ہے تو پھر مقصود اصل اور مدعا قلبی پورا نہیں ہوسکتا، کیونکہ انبیاء کرام اولیاء صدیقین اور شہداء عظام اس معنی کے لحاظ سے اموات کے زمرہ میں داخل ہیں باوجودیکہ ان میں حیات ادراک و شعور اور علم و احساس و حصول رزق و فرحت وغیرہ متحقق و ثابت ہیں۔

اگر معنی ثانی اور دوسری شق مراد ہے تو یہ قطعاً باطل ہے، کیونکہ تمام اہلِ اسلام کا اس پر اجماع و اتفاق ہے کہ میت سے قبر میں ملائکہ سوال کرتے ہیں اور وہ ان کو جواب دیتا ہے اور انہیں قبر میں عذاب دیا جاتا ہے اور یا اجر و ثواب اور کتاب و سنت بھی اس پر شاہد ہیں اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا مذہب و مسلک بھی یہی ہے جیسا کہ شروح بخاری میں اقوال اکابرین سے ظاہر ہے۔

امام بخاری علیہ الرحمۃ نے عذاب قبر کے باب میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت درج فرمائی جو کہ اہلِ قلیب کے سماع پر دلالت کرتی ہے ما انتم باسمع منهم ولكن لا يجيبون اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت بھی درج کردی جس میں سماع کا انکار ہے۔ لہٰذا ایک ہی باب میں دو متعارض و متضاد روایتوں کا اندراج لازم آگیا۔ یہ بھی قابلِ اعتراض بات ہوگئی۔ نیز باب منعقد کیا۔ عذاب قبر کے اثبات کے لئے اور اس میں درج کردیا سماع والی روایتوں کو یہ دوسرا قابلِ اعتراض پہلو ہوگیا، تو علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں اور علامہ ابن حجر نے فتح الباری میں اور دیگر شارحین کرام نے اپنی اپنی تصنیفات میں ان سوالوں کا جواب ذکر فرمایا اور حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی دونوں روایتوں میں تطبیق فرمائی:

والتوفيق بين الخبرين ان حديث ابن عمرؓ محمول على ان مخاطبة اهل القليب كانت وقت المسائلة ووقتها وقت اعادة الروح الى الجسد وقد ثبت من الاحاديث الاخرى ان الكافر المسئول يعذب وان حديث عائشة رضى الله عنها محمول على غير وقت المسائلة فبهذا يتفق الخبران۔

ترجمہ: دونوں روایتوں میں وجہ مطابقت و موافقت یہ ہے کہ حدیث عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقتولین بدر کے سر پر جاکر کھڑا ہونا اور انہیں نام لے کر پکارنا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے استفسار پر فرمانا کہ تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو لیکن یہ ایسا جواب نہیں دے سکتے جو تم بھی سُن سکو، کا محمل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب اہلِ قلیب کفار کے لئے مدّتِ سوالِ ملائکہ میں تھا اور میت سے سوال و جواب کے وقت میں روح کو میت کے بدن کی طرف لوٹایا جاتا ہے اور دوسری روایات سے ثابت ہے کہ جس کافر سے سوال کیا جاتا ہے، اسے عذاب دیا جاتا ہے اور عذاب بغیر روح کو جسم کی طرف لوٹانے کے متصور نہیں ہوسکتا، اور حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

یعنی انکارِ سماع وقت سوال ختم ہونے کے بعد والے زمانہ پر محمول ہے؛ لہٰذا دونوں روایتوں میں موافقت و مطابقت ثابت ہوجائے گی۔ دوسرے سوال یعنی عذاب القبر کے باب میں بدر کے مقتول کفار کے سماع خطاب و نداء والی روایت کو درج کیوں کیا، تو اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا،

لما ثبت سماع اھل القلیب کلامہ و توبیخہ دل ادراکھم کلامہ بحاسۃ السمع علی جواز ادراکھم الم العذاب ببقیۃ الحواس۔

ترجمہ: جب اہلِ قلیب کفار کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کلام اور آپ کی زجر و توبیخ کو سننا ثابت ہوگیا، تو ان کفار کا حاسہ سمع (کانوں) کے ساتھ آپ کی کلام کو سننا اس امر کی دلیل بن گیا کہ وہ لوگ بقیہ حواس کے ساتھ الم عذاب اور رنج عتاب کو ادراک کرسکتے ہیں۔

لہٰذا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سماع اموات کے علاوہ عذاب قبر کی بھی دلیل ہے (کذا فی فتح الباری جزء خامس ص۲۰۳، عمدۃ القاری للعلامۃ العینی جلد ۸ ص۲۰۲)

علامہ عینی اور ابن حجر کی تطبیق سے ظاہر ہوگیا کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سوال و جواب کے اوقات میں جو تین دن ہیں یا بعض روایات کے مطابق سات دن اموات کے سماع کی قائل ہیں؛ البتہ اس کے بعد جمہور سماع کے قائل ہیں اور حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اہلِ قلیب کفار کے متعلق اس کا انکار فرمایا اور اس انکار پر قرآن کریم سے استدلال کا جواب انشاء اللہ آئے گا، لہٰذا سب صحابہ کرام اور تمام علماء کرام کے اجماع سے ثابت ہوگیا کہ وقتِ سوال میں میت کے اندر حیواۃ موجود ہوتی ہے۔ روح کو اس کی طرف لوٹایا جاتا ہے اور وہ ملائکہ کے سوال سنتا ہے اور جواب دیتا ہے اور دوسرے لوگوں کی کلام کو بھی سنتا ہے۔

الغرض شق ثانی مراد لینا قطعاً باطل ہے اور فی الواقع کوئی ایسا میت نہیں، جس کی روح اس کے بدن کی طرف نہ لوٹائی جاتی ہو۔ اس تقدیر پر محض فرضی اموات سے علم و ادراک کی نفی لازم آئے گی جو محل نزاع میں کارآمد نہیں ہے اور شق اول ہمارے مدعا کے منافی

نہیں ہے۔

(۱۶) **جواب سادس عشر:** یہ قطعی طور پر ثابت ہوچکا کہ میت سے قبر میں سوال کیا جاتا ہے اور منکر و نکیر کے سوالات کو میت سنتا ہے اور جواب بھی دیتا ہے، تو اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ میت کو منکر و نکیر کی آواز سنانے والا کون ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ یا خود ملائکہ اگر اس وقت میں آواز سنانے والا اللہ تبارک تعالیٰ ہے، حالانکہ سوال کرنے اور بولنے والے فرشتے ہیں تو معلوم ہوا کہ ملائکہ کا مسمع (سنانے والا) نہ ہونا میت کے عدم سماع کو مستلزم نہیں، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے سنانے سے سنتا ہے۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اگر میت کے لئے مسمع (سنانے والے) نہ ہوں تو اس سے میت کا نہ سن سکنا لازم نہیں آتا تو مانعین کا ان دونوں آیات سے استدلال باطل ہوگیا۔

اگر قبر میں میت کو سنانے والے ملائکہ ہیں، تو اس وقت ان کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہونا لازم آگیا۔ آپ میت کو نہیں سنا سکتے، مگر وہ فرشتے اسے سنانے کی طاقت رکھتے ہیں۔ نیز ہم نے پہلے جو جواب ذکر کیا ہے کہ یہ دونوں آیات قضیہ شخصیہ ہیں اور ان سے حکم عام کلی پر استدلال درست نہیں ہے، اس کی تائید ہوگئی، کیونکہ ملائکہ کے متعلق سنا سکنے کی قوت تسلیم کرلی گئی اور ان کے سنانے سے میت کا سننا ثابت ہوگیا اور یہ بھی واضح ہوگیا کہ خصم کا غیر نبی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر قیاس کرنا فاسد ہے، کیونکہ اس کے زعم فاسد کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اموات اور اہل قبور کو نہیں سنا سکتے، منکر و نکیر ان کو سنا سکتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کا مقام اختصاص میں ان اللہ یسمع من یشاء کو ذکر فرمانا اس کے خلاف ہے۔ آیتِ کریمہ سے قوت اسماع (سنانے کی قوت) کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہونا اور اس صفت میں منفرد ہونا معلوم ہوتا ہے اور منکرین کے اس قول سے ملائکہ کا باری تعالیٰ کی صفت خاصہ میں اس کے ساتھ شریک ہونا لازم آجائے گا اور یہ قطعاً غلط ہے، لہٰذا شق اول متعین ہوگئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی اس

پر دلالت کرتا ہے (جیسے کہ پہلے ہم نے اس حدیث پاک کو نقل کیا اور تنبیہ بھی کی تھی) رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو فرمایا:

لولا ان لا تدافنوا موتاکم لدعوت اللہ ان یسمعکم من عذاب القبر ما اسمع۔

(اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ عذاب کو سن کر تم مُردوں کو دفن کرنا ہی ترک کر دو، تو میں اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا کہ وہ تمہیں بھی عذاب قبر سنائے جو میں سن رہا ہوں) اس سے معلوم ہوا کہ زندہ افراد کو ہر قسم کے آواز سنانے والا اللہ تعالیٰ ہے اور کوئی سنانے والا نہیں، لیکن بایں ہمہ اللہ تعالیٰ نے زندہ افراد میں ایسی قدرت رکھ دی ہے کہ جب بھی بولنے والا بولے تو یہ حسبِ عادت اس کے آواز کو سن لیتے ہیں۔ اسی طرح اموات کو بھی سنانے والا اللہ تعالیٰ ہے نہ کہ کوئی دوسرا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے روح اور جسم میں اتصال وارتباط پیدا فرما کر انہیں سماع وفہم اور ادراک وعلم کا اہل بنا دیا ہے، لہٰذا جب بھی انہیں خطاب کیا جائے یا سلام دیا جائے۔ وہ سُن لیتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ کے سنانے سے لہٰذا غیر خدا جل وعلیٰ سے اسماع اموات کی نفی، سماع اموات اور اہلِ قبور کی نفی پر دلالت نہیں کرتی، اس لئے ان دونوں آیتوں سے استدلال باطل ہوگیا۔

(۱۷) جواب سابع عشر: اقوالِ مفسرین سے ظاہر اور واضح ہوگیا کہ انکَ لا تسمع الموتیٰ اور وما انت بمسمع من فی القبور میں الموتیٰ اور من فی القبور سے مراد کفار ومشرکین ہیں اور اس پر ہم نے قرائن بھی بیان کر دیئے اور کفار ومشرکین کو موتیٰ اور من فی القبور فرمانا مجازاً ہے اور حقیقت ومجاز میں مناسبت ضروری ہے اور یہاں سوائے تشبیہ والی مناسبت وتعلق کے اور کوئی مناسبت موجود نہیں۔ اب ہم منکرین سے دریافت کرتے ہیں کہ کفار ومشرکین کو موتیٰ یا اہلِ قبور سے تشبیہ دی گئی ہے، تو بتلاؤ یہاں وجہ شبہ کیا ہے اور وہ کون سا امر مشترک ہے جو مشبہ (کفار) اور مشبہ بہ (موتیٰ واہلِ قبور) دونوں کے اندر موجود ہے جس کے تحت زندہ افراد کو اموات اور اہلِ قبور کہہ دیا گیا ہے۔ عدم سماع ہے یا عدم انتفاع۔ اگر عدم

سماع وجہ شبہ ہے تو بے شک مشبہ بہ میں مدعائے خصم ثابت ہو جائے گا، لیکن وجہ شبہ تو مشبہ میں بھی متحقق ہونی چاہیئے۔ لہٰذا کفار ومشرکین میں بھی عدم سماع لازم آجائے گا اور اگر خصم اس کا التزام کرے تو کفار ومشرکین کا مکلّف ہونا ہی باطل ہو جائے گا اور عذاب وعتاب، ملامت ومذمّت وغیرہ بھی ان کے حق میں متصور نہیں ہو سکے گی، کیونکہ انہوں نے نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو سنا نہ سمجھا نہ وہ اس کے اہل تھے، تو ان پر کوئی امر فرض ہی نہ ہوا، تو پھر عذاب وعتاب وعید وتشدید اور زجر وتوبیخ کا کیا مطلب؟

لہٰذا عدم سماع اور عدم ادراک وعلم کو وجہ شبہ بنانا درست نہیں، تو دوسری شق متعین متعین ہوگئی کہ وجہ شبہ عدم انتفاع ہے جیسا کہ کفار کو صُمٌ بُکمٌ عمیٌ فرمایا حالانکہ وہ سُننے بولنے اور دیکھنے کی طاقت رکھتے ہیں، مگر چونکہ کان، آنکھ اور زبان حق سننے، حق دیکھنے اور حق بولنے کے لئے عطا کئے گئے۔ جب اس مقصد میں استعمال نہ ہوئے تو ان کا وجود وعدم برابر ہوگیا، اسی طرح زندگی کا مقصد اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنا اور اس کی عبادت کرنا تھا۔ جب معرفت وعبادت کی بجائے شرک وکفر اور بغاوت وعناد، سرکشی وتمرد اور عصیان و طغیان کو اپنا پیشہ بنا لیا، تو ان کے حق میں زندگی کا ہونا نہ ہونا برابر ہوگیا، کیونکہ انہوں نے زندگی کو مقصدِ زیست میں صرف نہ کیا: وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون (میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لئے پیدا فرمایا کہ وہ میری معرفت حاصل کریں اور میری عبادت کریں)، نیز حقیقی زندگی اخروی زندگی ہے: ان الدار الآخرۃ لھی الحیوان۔ اور وہ زندگی تب حاصل ہو سکتی ہے، جب اس زندگی کو معارف الٰہیہ کی تحصیل اور عبادات وریاضات میں صرف کیا جائے، جب اسے کفر وشرک اور بغاوت وسرکشی میں گذارا تو اپنی ابدی زندگی کو تباہ کر دیا، لہٰذا جب اس زندگی کو ابدی راحت وسکون والی زندگی کا ذریعہ نہ بنا سکے، تو اس زندگی کا ہونا نہ ہونا برابر ہوگیا، لہٰذا اس زندگی کو موت سے اور کفار ومشرکین کو مردہ اہلِ قبور سے تشبیہ دیتے ہوئے دونوں کا عدم انتفاع میں برابر ہونا

بیان فرمادیا۔ وما یستوی الاحیاء ولا الاموات اس پر واضح دلیل ہے کہ ایمان حیات ہے اور ایمان والے دراصل زندہ ہیں اور کفر و شرک موت ہے اور کافر و مشرک زندہ ہونے کے باوجود مُردے ہیں۔ اسی طرح ارشاد ربانی او من کان میتا فاحییناہ وجعلنا لہٗ نورا یمشی بہ فی الناس (کیا وہ شخص جو مردہ تھا اور ہم نے اسے زندگی عطا کی اور اسے نور بخشا جس کے ساتھ وہ لوگوں میں چل پھر رہا ہے) کفر کے موت ہونے اور کافر کے مردہ ہونے پر شاہد صادق ہے اور ایمان کے حیات ہونے اور ایمان دار کے زندہ ہونے پر دلیل ناطق ہے۔

الغرض زندگی کو مقصدِ زندگی میں صرف نہ کرنے اور اس سے نفع نہ اٹھانے کی وجہ سے زندگی کو موت کے ساتھ تشبیہ دے دی ہے اور کفار کو الموتیٰ اور من فی القبور کے الفاظ سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔ البتہ کفار و مشرکین میں علت عدم انتفاع کی ضد اور ہٹ دھرمی اور بغض و عناد اور جحود و استکبار ہے، لیکن اموات اور اہل قبور میں عدم انتفاع اس لئے ہے کہ وہ دارِ عمل سے دارِ جزاء میں اور دارِ تکلیف سے دارِ برزخ و آخرت میں منتقل ہو گئے۔ اب وہ ایمان لانے کی ہزار کوشش کریں اور کہیں فارجعنا نعمل صالحاً انا موقنون۔ اب ہمیں واپس کرو، ہم نیک عمل کریں گے، لیکن کوئی شنوائی نہیں ہوگی، بلکہ اس دنیا میں ہی آثارِ موت ظاہر ہونے اور جان لبوں پر آنے کے وقت کا ایمان مقبول نہیں جیسا کہ فرعون نے غرق ہوتے وقت کہا تھا آمنت انہٗ لا الٰہ الا الذی آمنت بہ بنو اسرائیل (میں اس خدا پر ایمان لایا جس پر بنو اسرائیل کا ایمان ہے، صرف وہی خدا ہے اور کوئی خدا اور معبود نہیں، مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا الآن وقد عصیت قبل (کیا اب تو ایمان لاتا ہے، حالانکہ پہلے تو نے نافرمانی کی تھی) جب زندگی سے مایوسی و ناامیدی کے وقت میں ایمان قابل قبول نہیں، تو دارِ برزخ و آخرت کا ایمان کیسے مقبول ہو سکتا ہے! لہٰذا وجہ شبہ عدم انتفاع ہے۔ اگرچہ عدم انتفاع کی علت ہر دو فریق میں جُدا جُدا ہے، اور یہی تحقیق مفسرین کرام کی ان تصریحات سے ظاہر ہے جو ابتداء میں نقل کی گئی ہیں، اور جب

صُمٌ بکمٌ عمیٌ عدم انتفاع کے تحت فرمادیا اور کفار کا حقیقت میں بہرہ گونگا اور اندھا ہونا اور سننے بولنے اور دیکھنے میں عاجز ہونا لازم نہ آیا تو عدم انتفاع کے تحت ان کو اموات سے تشبیہ دینا بھی اموات کے عدم سماع کی دلیل نہیں بن سکتا، لہٰذا ان دونوں آیتوں سے عدم سماع پر استدلال درست نہیں۔

هذا ما عندی واللّٰہ ورسولہٗ اعلم!

منکرین سماع کی تیسری دلیل

قال اللہ تعالیٰ لایذوقون فیہا الموت الا الموتۃ الاولیٰ۔

ترجمہ: اہل جنت جنت میں ہرگز موت کو نہیں چکھیں گے، سوائے اس موت کے جو دنیا میں چکھ چکے۔

وجہ استدلال: علامہ عینی نے شرح بخاری میں فرمایا۔ واحتجوا (المعتزلہ) فی ذالک (نفی عذاب القبر) بقولہ تعالیٰ لایذوقون فیہا الموت الا الموتۃ الاولیٰ ای لایذوقون فی الجنۃ موتا سوی الموتۃ الاولیٰ ولو صاروا احیاءً فی القبور لذاقوا موتتین لاموتۃ۔

ترجمہ: معتزلہ نے عذاب قبر کی نفی وانکار پر اس آیت کریمہ سے استدلال کیا جب اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ اہل جنت جنت میں سوائے پہلی موت کے اور کوئی موت نہیں چکھیں گے، تو عذاب قبر کی نفی واضح ہوگئی (کیونکہ عذاب بغیر اعادۂ حیات کے متصور نہیں ہوسکتا)، اور قبر میں حیات ماننے سے دو دفعہ موت تسلیم کرنی پڑے گی، حالانکہ قرآن کریم نے صرف ایک موت ان کے حق میں ثابت فرمائی ہے۔

مانعین سماع نے اسی آیتِ کریمہ سے نفی سماع پر استدلال کیا، کیونکہ سماع بغیر ثبوت حیاتِ قبر کے متصور نہیں ہوسکتا اور قبر میں حیات تسلیم کرنا قرآن کریم کے خلاف ہے، ورنہ دو دفعہ موت لازم آئے گی اور قرآن نے اس کی نفی کرکے صرف ایک موت ثابت کی ہے۔

لہٰذا سماع اہل قبور کا قول خلافِ قرآن ہے۔

اجمالی جواب: اس آیت کریمہ کو اگر اپنے ظاہر پر رکھا جائے تو اہل جنت کا جنت میں فوت ہونا لازم آئے گا، کیونکہ یہاں نفی و ثبوت اور سلب و ایجاب دونوں کا ذکر ہے۔ نفی لایذوقون فیہا الموت سے ظاہر ہے۔ اور ثبوت الا الموتۃ الاولیٰ سے ظاہر ہے اور استثناء نفی سے ثبوت کا تقاضا کرتا ہے جس طرح لا الہ الا اللہ میں۔ لہٰذا اہل جنت کیلئے جنت میں موت لازم آئے گی اور موت بھی پہلی یعنی دنیا والی جس کا استحالہ ظاہر و باہر ہے، اس لئے یہاں وہی معانی مراد لینے ضروری ہیں جو مفسرین و محدثین نے ذکر فرمائے ہیں اور ظاہری معنی کا ارادہ ممکن نہیں ہے بلکہ تاویل واجب و لازم ہے۔

امام رازی نے اس آیتِ کریمہ کے تحت فرمایا السوال الاول۔ انہم ما ذاقوا الموتۃ الاولیٰ فی الجنۃ فکیف حسن ہذا الاستثناء۔ پہلا سوال یہ ہے کہ اہل جنت نے جنت کے اندر تو پہلی موت نہیں چکھی، نہ پہلی موت وہاں مرے، تو یہ استثنا کس طرح درست ہوگا۔

تفصیلی جوابات: جب یہ ثابت ہوگیا کہ ظاہری معنی مراد نہیں ہے تو اب ہم مختلف معانی مفسرین و محدثین کی زبانی پیش کرتے ہیں اور ان میں سے کوئی بھی مستدل کے استدلال کے موافق و مطابق نہیں، بلکہ ہر معنی منکرین کے استدلال کو باطل کرتا ہے۔

(۱) **جوابِ اوّل**: امام رازی علیہ الرحمۃ نے ماقبل میں مذکور سوال ذکر کرنے کے بعد مختلف جوابات ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

واجیب بوجوہ الاول۔ قال صاحب الکشاف ارید ان یقال لایذوقون فیہا الموت البتۃ فوضع قولہ الا الموتۃ الاولیٰ موضع ذالک لان الموتۃ الماضیۃ محال فی المستقبل فہو من باب التعلیق بالمحال کانہ قیل ان کانت الموتۃ الاولیٰ یمکن ذوقہا فی المستقبل فانہم یذوقونہا۔

ترجمہ: اس سوال کا مختلف وجوہ سے جواب دیا گیا ہے۔ وجہ اوّل۔ صاحب کشاف

نے کہا کہ ارادہ یہ کیا گیا کہ کہا جائے اہلِ جنت جنت میں بالکل نہیں مریں گے، لیکن اس کی بجائے یہ کہہ دیا گیا (سوائے پہلی موت کے، کیونکہ پہلے زمانہ میں (دنیا میں) طاری ہونے والی موت کا جنت کے اندر پایا جانا محال ہے، تو اہل جنت کی موت کو محالِ امر پر موقوف کر دیا گیا (جب اس محال کا تحقق ناممکن ہے، تو اس پر موقوف و معلق امر کا تحقق بھی محال ہو جائے گا۔ گویا یوں کہا گیا کہ اگر دنیوی موت کا جنت میں چکھنا ممکن ہے، تو پھر اہل جنت موت کو چکھیں گے لیکن چونکہ مقدم اور شرط محال ہے؛ لہذا تالی اور جزاء کا تحقق بھی محال ہے۔ تفسیر کبیر جلد رابع۔ ص ۵۸۴

امام رازی اور امام المعتزلہ علامہ زمخشری کی اس تقریر سے ثابت ہو گیا کہ یہاں مقصود اہل جنت کی زندگی کا دوام و استمرار بیان کرنا ہے اور ان پر موت طاری ہونے کا امتناع و استحالہ بیان کرنا مقصود ہے نہ دنیوی موت کا اثبات کیونکہ وہ جنت میں طاری ہونی ناممکن و محال ہے اور نہ ہی حیات برزخ کی نفی۔ جب امام المعتزلہ کی کلام اور ان کے مقتداء کا یہ بیان ہے کہ یہاں مقصود صرف یہ ہے کہ اہل جنت کی زندگی ابدی و سرمدی ہے اور کوئی مقصد نہیں، تو اولادِ معنوی کو یہ زیب نہیں دیتا کہ اس آیتِ کریمہ کو کسی اور معنی پر حمل کریں۔

علامہ عینی نے فرمایا: اما الجواب عن قولہ تعالیٰ لایذوقون فیہا الموت الا الموتۃ الاولیٰ ان ذالک وصف لاھل الجنۃ وضمیر فیہا لاھل الجنۃ ای لایذوقون اھل الجنۃ فی الجنۃ الموت فلا ینقطع نعیمھم کما انقطع نعیم اھل الدنیا بالموت فلا دلالۃ فی الآیۃ علیٰ انتفا موتۃ اخریٰ بعد المسائلۃ وقبل دخول الجنۃ واما قولہ الا الموتۃ الاولیٰ فھو تاکید لعدم موتھم فی الجنۃ علیٰ سبیل التعلیق بالمحال کانہ قیل لو امکن ذوقھم الموتۃ الاولیٰ الذاقو فی الجنۃ الموتۃ الاولیٰ لکنہ لایمکن بلا

شبھۃ فلا یتصور موتھم فیہا۔ عمدۃ القاری جلد ۴ ص ۱۶۲

ترجمہ: لایذوقون فیہا الموت الا الموتۃ الاولیٰ سے جو استدلال کیا گیا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیتِ کریمہ اہل جنت کی صفت بیان کر رہی ہے اور فیہا کی ضمیر جنت کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ اہلِ جنت جنت میں نہیں مریں گے؛ لہذا ان کی نعمتیں کبھی منقطع نہیں ہوں گی جیسا کہ اہل دنیا کی نعمتیں موت کی وجہ سے منقطع ہو گئیں۔ لہذا اس آیت میں دنیوی موت کے علاوہ عالمِ برزخ و قبر میں سوال ملائکہ کے بعد اور جنت میں داخل ہونے سے پہلے موت کے تحقق و ثبوت کی نفی پر کوئی دلالت موجود نہیں۔ رہا الا الموتۃ الاولیٰ کا لفظ تو یہ جنت میں ہمیشہ زندہ رہنے اور موت سے محفوظ رہنے کی تاکید ہے بطورِ تعلیق بالمحال کے گویا کہ یوں کہا گیا کہ اگر جنت میں ان کا پہلی دنیوی موت کے ساتھ مرنا ممکن ہو تو پھر تو وہ لوگ جنت میں پہلی موت کے ساتھ مریں گے، لیکن شرط کا پایا جانا محال ہے لہذا ان کا جنت میں مرنا بھی تصور نہیں کیا جا سکتا۔

امام رازی، علامہ زمخشری، علامہ عینی کے جواب کے بعد واضح ہو گیا کہ احناف و شوافع ماتریدیہ واشاعرہ اور معتزلہ کے امام و پیشوا کے نزدیک یہاں مقصود جنتی زندگی کی ابدیت اور دوام و استمرار کا بیان ہے نہ کہ برزخی زندگی اور موت کی نفی تو استدلال باطل ہو گیا۔

(۲) جواب ثانی: آیت کریمہ میں استثناء منقطع ہے اور الا الموتۃ الاولیٰ الگ جملہ ہے اور عبارت میں حذف و ایجاز ہے۔ امام رازی نے فرمایا الثانی ان الا بمعنی لکن والتقدیر لایذوقون فیہا الموت لکن الموتۃ الاولیٰ ذاقوھا۔

تفسیر کبیر جلد ۴۔ ص ۵۸۴

ترجمہ: جواب ثانی یہ ہے کہ الا لکن کے معنی میں ہے اور تقدیر عبارت یہ ہے کہ اہل جنت جنت میں نہیں مریں گے، لیکن پہلی موت تو انہوں نے دُنیا میں چکھ لی۔

اس تقدیر پر بھی استدلال باطل ہے، کیونکہ آیتِ کریمہ میں دارِ آخرت میں دوامِ حیات

کا بیان ہے اور یا دنیوی موت کا۔ برزخی زندگی اور موت کا نہ ثبوت ہے اور نہ ہی نفی، جبکہ دوسری آیات میں برزخی زندگی اور موت کا اثبات پایا گیا ہے اور علی الخصوص قول باری تعالیٰ حکایۃ عن الکفار:

ربنا امتنا اثنتین و احییتنا اثنتین فاعترفنا بذنوبنا فھل الی خروج من سبیل۔ (اے رب ہمارے تو نے ہمیں دو دفعہ فوت کیا اور دو بار زندہ کیا، پس ہم نے اپنے گناہوں کا اعتراف و اقرار کر لیا ہے تو کیا جہنم کی آگ سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ اور ذریعہ ہے)

برزخی موت و حیات پر دلیل صریح ہے، کیونکہ اعترافِ ذنوب اور نارِ جہنم سے نکالنے کی تمنا دو دفعہ کی موت و حیات پر مترتب ہے۔ لہٰذا احییتنا اثنتین میں سے ایک احیاء تو دارِ آخرت کا مراد اگر دوسرا احیاء دنیوی زندگی والا ہے نہ کہ برزخ میں تو دو دفعہ وفات دنیا متصور نہیں ہو سکتی، کیونکہ اماتت نام ہے اعدام حیواۃ کا لہٰذا جب تک پہلے حیواۃ متحقق نہیں ہو گی، اماتت (فوت کرنا) متصور نہیں ہو سکتی اور نہ ہی دنیوی حیات اور اس سے مقدم اور مؤخر موت پر اعترافِ ذنوب کا ترتب متصور ہو سکتا ہے، کیونکہ ان دونوں موتوں اور دنیوی حیات کے تو وہ قائل تھے بعد میں کسی زندگی یا موت کے قائل نہیں تھے، جہاں جزا و سزا متصور ہو سکے؛ لہٰذا وہ انجام سے بے نیاز ہو کر گناہوں میں مصروف و مشغول رہے، تو واضح ہو گیا کہ یہاں مقصود اس زندگی کا اقرار و اعتراف کرنا ہے جس کے انکار کی وجہ سے وہ لوگ گناہوں کے مرتکب ہوتے؛ لہٰذا امتنا اثنتین سے مقصود حیاتِ دنیا کے بعد موت اور برزخ میں قیامت سے پہلے کی موت اور دو دفعہ کی زندگی سے مراد دنیوی موت اور برزخی موت کی درمیانی زندگی جس میں سوال و جواب اور ملائکہ کی طرف سے گرزوں کے ساتھ پیٹا جانا اور جہنم کی طرف سے گرم اور زہریلی ہوا کا قبر میں پہنچنا ان کے حق میں ممکن ہوا اور اُخروی زندگی جس میں نارِ جہنم میں داخل ہونا پڑا اور بداعمالیوں کی شدید ترین سزا بھگتنی پڑی؛ لہٰذا برزخی زندگی جب نص سے ثابت ہو گئی تو ایسی آیتِ کریمہ کی بناء پر اس کا انکار جس میں سرے سے برزخی زندگی و موت کا نہ ثبوت ہے نہ انکار

قطعاً درست نہیں ہو گا، بلکہ مثبت جب نافی پر مقدم ہوتا ہے تو ساکت پر بطریق اولیٰ راجح و مقدم ہو گا۔

حنفی مفسر علامہ ابو السعود نے فرمایا قیل ارادوا بالاماتۃ الاولیٰ ما بعد الحیواۃ الدنیا و بالثانیۃ ما بعد حیواۃ القبر و بالاحیاءین ما فی القبر و ما عند البعث وھو الانسب بحالھم۔

ان کفار نے پہلی اماتت (فوت کئے جانے) سے دنیوی حیات کے بعد والی موت مراد لی اور دوسری اماتت سے حیواۃ قبر کے بعد والی اور دو دفعہ زندہ کئے جانے سے قبر میں زندہ کیا جانا اور قیامت کے دن زندہ کیا جانا مراد لیا اور یہی ان کے حال کے مناسب ہے۔

سوال: قرآن کریم سے دو زندگیاں ثابت ہوئیں اور ان میں سے ایک زندگی تو اخروی ہے جس میں کسی کو اختلاف نہیں۔ دوسری زندگی اگر قبر والی مراد ہو تو نص پر زیادتی لازم آئے گی کیونکہ دنیا میں بھی تو ایک زندگی ثابت ہے؛ لہٰذا تین زندگیاں بن گئیں اور مذکور قرآن میں صرف دو ہیں، لہٰذا یہاں قبر کی زندگی مراد لینا درست نہیں اور جس آیت میں کلام ہے۔ اس میں اخروی زندگی بھی ثابت اور دنیوی زندگی بھی، کیونکہ الاماتۃ الاولیٰ بغیر حیواۃ دنیوی کے متصور نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا دونوں میں توافق پیدا ہو گیا اور حیواۃ قبر کا ذکر کسی میں بھی نہیں، تو اس کا دعویٰ کرنا غلط ہو گا اور بلا دلیل محض۔

جواب: امام رازی نے اس شبہ کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

لو لم تثبت الحیواۃ فی القبر لزم ان لا یحصل الموت الا مرۃ واحدۃ وھو علیٰ خلاف لفظ القرآن فکان الموت مرتین کذبا۔ اما لو اثبتنا الحیواۃ فی القبر لزمنا اثبات الحیواۃ ثلاث مرات والمذکور فی القرآن مرتین اما المرۃ الثالثۃ فلیس فی اللفظ ما یدل علیٰ ثبوتھا او علیٰ نفیھا فثبت ان نفی حیواۃ القبر یقتضی ترک ما دل علیہ اللفظ و اما اثبات حیواۃ القبر فانہ یقتضی اثبات شیئ زائد علیٰ ما دل علیہ اللفظ مع ان اللفظ لا اشعار فیہ بثبوتہ ولا

بعدمہ فکان ھذا اولیٰ۔ تفسیر کبیر جلد ۷۔ ص۲۹۱

ترجمہ: اگر قبر میں زندگی نہ ہو تو صرف ایک دفعہ موت کا متحقق ہونا لازم آئے گا اور دو دفعہ مرنے کی خبر جھوٹ بن جائے گی، حالانکہ یہ لفظ قرآن امتنا اثنتین کے خلاف ہے۔ اور اگر قبر میں زندگی تسلیم کر لیں تو تین بار زندگی تسلیم کرنی لازم ہوگی، حالانکہ قرآن کریم میں صرف دو کا ذکر ہے۔ تیسری زندگی کے ثبوت پر بھی کوئی لفظ دلالت نہیں کرتا اور نہ ہی نفی پر۔ پس ثابت ہوگیا کہ حیواۃ قبر کا انکار الفاظ قرآن سے ثابت معنی کا انکار ہے اور حیات قبر کا ثبوت و تحقق مدلول قرآن سے زائد امر کے اثبات کا مقتضی ہے باوجودیکہ لفظ قرآن اس امر زائد یعنی تیسری زندگی کے ثبوت پر دلالت کرتا ہے اور نہ ہی نفی پر لہذا حیواۃ قبر کو تسلیم کرنا ہی مناسب ہے تاکہ انکار حیواۃ برزخ و قبر سے دو دفعہ موت کا دعویٰ کذب نہ بن جائے۔

علامہ ابو السعود نے فرمایا اما حدیث لزوم الزیادۃ علی النص ضرورۃ تحقق الحیواۃ الدنیا فمدفوع بان مقصود ھم احداث الاعتراف بما کانوا ینکرونہ فی الدنیا کما ینطق بہ قولھم فاعترفنا بذنوبنا والتزام العمل بموجب ذالک الاعتراف لیتوسلوا بذالک الی ما علقوا بہ اطماعھم الفارغۃ من الرجع الی الدنیا کما صرحوا بہ حیث قالوا فارجعنا نعمل صالحًا انا موقنون وھوالذی ارادوہ بقولھم فھل الی خروج من سبیل۔

خلاصہ ترجمہ: حیواۃ قبر مان لینے کی صورت میں نص قرآنی پر زیادتی کا لزوم ممنوع ہے، کیونکہ ان کفار کا جن سے اللہ تعالیٰ نے یہ قول حکایت کیا، مقصود اس امر کا اعتراف و اقرار کرنا ہے جس کا وہ حیاتِ دنیا میں انکار کیا کرتے تھے، جیساکہ ان کا قول فاعترفنا بذنوبنا اس پر دلالت کرتا ہے۔ نیز ان کا مطلب یہ ہے کہ اس اقرار و اعتراف کے مطابق عمل کا التزام کرکے اس کو اپنی ناکام آرزوؤں یعنی دنیا کی طرف رجوع کی تکمیل کا ذریعہ بنائیں جیساکہ انہوں

نے مقصدِ قلبی کی تصریح کرتے ہوئے کہا اے اللہ ہمیں دنیا کی طرف لوٹا ہم نیک عمل کریں گے ہمیں اب اس امر کا یقین آگیا جس کا ہم پہلے انکار کیا کرتے تھے اور یہی مراد ان کی فھل الی خروج من سبیل سے ہے۔ (تفسیر ابو السعود علی الکبیر جلد ۷ ص۶۱۹)

سوال: کفار کے قول سے دو دفعہ موت ثابت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے قول لا یذوقون فیھا الموت الا الموتۃ الاولیٰ سے صرف ایک بار موت ثابت ہوتی ہے۔ نیز مومنین کے قول سے بھی صرف ایک موت ثابت ہوتی ہے ——

جیساکہ اللہ تعالیٰ نے ان کا قول نقل کرتے ہوئے فرمایا فما نحن بمیتین الا موتتنا الاولیٰ (ہم نہیں مرنے والے مگر اپنی پہلی موت) جب اللہ رب العزت اور مومنین کی شہادت سے صرف ایک موت ثابت ہوئی تو کفار کے قول کو دلیل بنا کر دوسری موت قبر میں تسلیم کرنا کیونکر درست ہو سکتا ہے۔

جواب: جب اللہ تعالیٰ الخ کفار کا قول نقل فرمایا اور ان کی تکذیب نہ فرمائی، تو یقیناً معلوم ہوگیا کہ ان کا قول عند اللہ صحیح ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ ان کی تکذیب فرما دیتا، جیساکہ قیامت کے روز وہ شرک سے انکار کریں گے تو اللہ تعالیٰ نے اس قول کو نقل فرما کر ان کی تکذیب فرمائی واللہ ربنا ما کنا مشرکین انظر کیف کذبوا علی انفسھم و ضل عنھم ما کانوا یفترون۔ کفار کہیں گے ہم کو اللہ تعالیٰ کی قسم جو ہمارا رب ہے، ہم شرک کرنے والے نہیں تھے۔ دیکھئے انہوں نے اپنے نفسوں پر کیسے جھوٹ باندھا اور کس طرح وہ شرکاء ان کی نظروں سے غائب ہوگئے جن پر وہ فخر کیا کرتے تھے۔

لہذا اللہ تعالیٰ کا ان کی کلام کو نقل فرمانا اور ان کی تکذیب نہ کرنا، اس کلام کے صدق کی واضح دلیل ہے۔ کذا قال الامام اور فما نحن بمیتین الا الموتۃ الاولیٰ میں وہی تاویل ہے جو کہ پہلے علامہ عینی، زمخشری، امام رازی سے لا یذوقون فیھا الموت الا الموتۃ الاولیٰ میں ذکر کی ہے اور اس تاویل و توجیہ کی رو سے یہاں حیواۃ قبر و

برزخ کی نفی نہیں، بلکہ صرف جنت میں موت طاری ہونے کی نفی ہے۔

سوال: موت فی الواقع دو دفعہ تھی اور حیوٰۃ تین مرتبہ تھی؛ لہٰذا اس کی کیا وجہ ہے کہ موت فی الواقع جتنی مرتبہ آئی تھی، اسے ذکر کیا اور زندگی کے تین مراحل میں سے صرف دو کو ذکر کیا، تیسرے کو ذکر نہ کیا۔

جواب: انھوں نے اوقاتِ تکالیف و مصائب کو ذکر کیا اور وہ صرف چار تھے۔ دنیوی موت جبکہ ان کفار نے دنیوی نعمتوں اور اسباب عیش و راحت کو ترک کیا۔ پھر قبر والی زندگی جس میں سوال و جواب اور عذاب و عتاب کا سامنا کرنا پڑا۔ پھر قبر میں موت جو حشر و نشر اور بعث بعد الموت کا پیش خیمہ ثابت ہوئی اور پھر اخروی زندگی جس میں ابدی عذاب و عتاب کا سامنا کرنا پڑا۔ اما الحیوٰۃ الدنیا فلیست من اقسام اوقات البلاء والمحنۃ فلذا لم یذکروہا کذا قال الامام فخر المفسرین۔ جلد ۷۔ ص ۲۹۱

لیکن دنیوی زندگی مصیبت و محنت کے اوقات میں سے نہیں تھی، اس لئے اسے ذکر نہ کیا۔ لہٰذا یہاں دو دفعہ زندہ ہونے کی تعیین صرف اوقاتِ تکلیف و مصیبت بیان کرنے کے لئے ہے نہ کہ مطلقاً موت و حیات کے مراتب و مراحل کو ان چار میں منحصر کرنے کے لئے۔

(۳) جواب ثالث، آیت کریمہ میں مذکور الا الموتۃ الاولیٰ کا لفظ موت برزخ کو شامل ہے، کیونکہ موتہ اولیٰ جنت میں واقع ہونے والی موت کے مقابل ہے۔ لہٰذا الموتۃ الاولیٰ سے مراد جنت کے ماسوا مقامات میں متحقق ہونے والی موت ہے اور اس میں تعدد ہو سکتا ہے۔ اگر حقیقی معنی مراد ہوتا، تب موتِ قبر کو شامل نہ ہوتی، لیکن اضافی معنی مراد ہونے کی صورت میں تعدد سے مانع کوئی امر نہیں؛ لہٰذا الموتۃ الاولیٰ میں دنیوی اور برزخی دونوں موتیں داخل ہیں۔

علامہ عینی حنفی نے فرمایا قد یقال ان الموتۃ الاولیٰ للجنس لا للوحدۃ

وان کانت الصیغۃ صیغۃ الوحدۃ نحو ان الانسان لفی خسر ولیس فیہا نفی تعدد الموت لان الجنس یتناول المتعدد ایضا بدلیل انہ تعالیٰ احیی کثیرا من الاموات فی زمان موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام وغیرہما وذالک یوجب تاویل الایۃ علی ما ذکرنا۔ عمدۃ القاری جلد ۷۔ ص ۱۳۲

ترجمہ: کبھی کہا جاتا ہے کہ الموتۃ الاولیٰ سے مراد جنس موت اوّل ہے نہ کہ فردِ اوّل اگرچہ صیغہ واحد والا ہے جس طرح کہ ان الانسان لفی خسر میں الانسان صیغہ کے لحاظ سے واحد ہے، مگر معنی کے لحاظ سے اس میں عموم و استغراق ہے، یعنی بے شک سب انسان خسارہ میں ہیں۔ لہٰذا لا یذوقون فیہا الموت الا الموتۃ الاولیٰ میں تعدد موت کی نفی نہیں ہے کیونکہ جنس قلیل و کثیر کو شامل ہوتی ہے اور جنسی معنی مراد ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام وغیرہما کے زمانہ میں بہت سے اموات کو مرنے کے بعد زندہ فرمایا، لہٰذا یہاں تاویل ضروری ہے۔

اقول اگر تاویل نہ کی جائے تو جو لوگ دنیا میں مرنے کے بعد زندہ کئے گئے اور پھر دوبارہ فوت ہو کر دار برزخ میں پہنچے ان کے حق میں صرف دار دنیا میں ہی دو عدد موتیں متحقق ہو گئی ہیں، لہٰذا اس مادہ میں لا یذوقون فیہا الموت الا الموتۃ الاولیٰ کو ظاہری معنی پر رکھیں تو کذب لازم آئے گا اور کذب خبر باری تعالیٰ میں محال بالذات ہے لہٰذا ظاہر پر حمل کرنا بھی محال ہو گیا اور جنس موت اولیٰ مراد لینا واجب و ضروری ہو گیا۔ اسی طرح شہداء کرام اور رسل عظام علیہم السلام کی حیات برزخ سے اعتراض وارد ہو جائے گا، حالانکہ حیاتِ شہداء عبارۃ النص سے ثابت ہے اور حیاتِ انبیاء دلالۃ النص سے ثابت ہے۔

علامہ قسطلانی شارح بخاری نے فرمایا قال ابو عثمان الحداد لیس فی قولہ تعالیٰ ولا یذوقون فیہا الموت الا الموتۃ الاولیٰ ما یعارض ما ثبت من عذاب

التبرلان الله قد اخبر بحیواۃ الشھداء قبل یوم القیامۃ ولیست مرادۃ بقولہٖ تعالیٰ ولایذوقون فیھا الموت الا الموتۃ الاولیٰ فکذا حیواۃ المقبور۔ قال فی مصابیح الجامع وقد کثرت الاحادیث فی عذاب القبر حتیٰ قال غیر واحد انھا متواترۃ لایصح علیھا التواطئ وان لم یصح مثلھا لم یصح شیٔ من امر الدین ۔ قسطلانی جلد ثانی ص۳۷۶

ترجمہ : ابوعثمان حداد نے فرمایا کہ قول باری لا یذوقون الایۃ میں کوئی ایسا امر نہیں جو عذاب قبر و حیاتِ قبر کے معارض و مخالف ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شہداء کرام کے زندہ ہونے کی خبر دی ہے اور وہ زندگی ایسی نہیں جو کہ لا یذوقون فیھا الموت سے مراد ہے، کیونکہ یہ زندگی جنتی زندگی ہے اور شہداء کی زندگی جو قرآن کریم میں بتلائی گئی ہے، وہ برزخی ہے۔ جب وہ آیتِ حیاتِ شہداء کے منافی نہیں تو باقی اہلِ قبور کی زندگی کے بھی منافی نہیں ہے۔

مصابیح الجامع میں فرمایا کہ عذاب قبر میں بہت احادیث وارد ہیں، حتیٰ کہ بے شمار علماء نے کہا کہ یہ احادیث متواتر ہیں، ان میں راویوں کا جھوٹ پر اتفاق متصور نہیں ہو سکتا اگر یہ روایات صحیح نہیں ہیں، تو امورِ دین میں سے کوئی شے بھی صحیح نہیں ہو گی۔ لہٰذا یہ آیتِ کریمہ عذابِ قبر، حیواۃ برزخ کے لئے معارض و مخالف نہیں ہو سکتی اور نہ ہی سماع و شعور اہلِ قبور کے مناقض و منافی ہو سکتی ہے، تو اس سے مانعین کا استدلال باطل ہو گیا جیسا کہ معتزلہ کا اسے حیواۃ قبر کی نفی پر دلیل بنانا لغو ہو گیا۔

فائدہ جلیلہ

تحقیق مدت حیات قبر و ممات برزخ

یہ امر روشن تر اور واضح تر ہو گیا کہ قبر میں حیات ثابت ہے اور یہ بھی ظاہر کہ تعددِ حیات بغیر تخلل ممات کے متصور نہیں جس طرح دنیوی حیات اور برزخی حیات کے درمیان موت پائی گئی، تب یہ دونوں الگ الگ بنیں، اسی طرح حیات قبر اور حیاتِ آخرت کا الگ الگ حیات ہونا تخلل ممات کا مقتضی ہے۔ درمیان میں موت واقع ہونی چاہیئے جس سے حیاتِ برزخ و قبر کا اختتام ہو جائے اور اس کے بعد حیات جنت و آخرت کی ابتداء ہو۔ لہٰذا یہ تحقیق ضروری ہے کہ حیاتِ قبر کب تک ہے اور مماتِ قبر کب سے اسی ضمن میں یہ بھی ثابت ہو جائے گا کہ اہلِ قبور کے لئے علم و ادراک اور احساس و شعور اور اہلیت سماع و فہم کب تک ہے اور وہ دفن کے بعد سے کب تک زائرین کو پہچان سکیں گے اور ان کا سلام و کلام سُن سکیں گے۔

فاقول و باللہِ التوفیق عذاب قبر کے ضمن میں درج احادیث سے ثابت ہے کہ کافر و منافق میت کو قیامت تک عذاب دیا جائے گا اور ہم نے وہاں فائدہ ع۳ میں اس پر تنبیہ کر دی ہے اور یہ بھی واضح کہ عذاب حق باری تعالیٰ ہے اور ثواب حق عبد جب اللہ تعالیٰ بے نیاز ہونے کے باوجود اپنے حق کو ترک نہیں فرماتا تو لامحالہ حسب وعدہ الٰہی میت کو قبر میں قیامت تک ثواب دیا جانا بھی ثابت ہو گیا اور ارشاد خداوندی فنفخ فی الصور فصعق من فی

السموات ومن فی الارض الا من شاء اللہ ثمّ نفخ فیہ اُخریٰ فاذا ھم قیام ینظرون

صور میں پہلی بار اسرافیل علیہ السلام پھونک ماریں گے۔ آسمانوں اور زمین میں جتنے جاندار ہیں، وہ سب بیہوش ہو جائیں گے، سوائے ان افراد کے جن کو اللہ تعالیٰ بیہوشی سے محفوظ رکھے گا۔ پھر دوبارہ اس میں پھونک مارا جائے گا تو تمام افراد زندہ ہو کر کھڑے ہو جائیں گے اور ایک دوسرے کو دیکھتے ہوں گے۔ اس پر شاہد ہے کہ نفخۂ اولیٰ تک سب کے لئے فہم و دانش علم و شعور اور احساس ثواب و عذاب ہوگا، لیکن نفخۂ اولیٰ کے بعد بے ہوشی و مدہوشی طاری ہوگی۔

تفسیر ابو السعود میں حضرت عبداللہ بن عباس، ابی بن کعب اور قتادہ رضی اللہ عنہم قول باری تعالیٰ من بعثنا من مرقدنا ھذا ما وعد الرحمٰن وصدق المرسلون کی تفسیر میں منقول ہے: ان اللہ یرفع عنہم العذاب بین النفختین فیرقدون فاذا بعثوا بالنفخۃ الثانیۃ وشاھدوا من اھوال القیامۃ ما شاھدوا فزعوا بالویل وقالوا یا ویلنا من بعثنا من مرقدنا ھذا ما وعد الرحمٰن وصدق المُرسلون۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ دو نفخوں (اسرافیل علیہ السلام کے پہلی دفعہ صور پھونکنے سے لیکر دوسری دفعہ صور پھونکنے تک کے درمیانی عرصہ میں کفار اور منافق اہل قبور سے عذاب اٹھالے گا پس وہ سو جائیں گے جب نفخۂ ثانیہ کے ساتھ اٹھیں گے اور قیامت کی ہولناکیوں کا مشاہدہ کریں گے تو بطور حسرت اپنی ہلاکت کو آوازیں دیں گے اور کہیں گے۔ اے ہلاکت ہماری۔ ہمیں کس نے خواب گاہ سے اٹھا دیا۔ ہاں، ہاں یہ تو وہ امر قیامت ہے جس کا رحمٰن نے وعدہ دیا اور رُسل کرام نے اس کے متعلق سچی خبر دی اور حضرت مجاہد سے منقول ہے۔

ان للکفار ھجعۃ یجدون لھم طعم النوم فاذا صیح یا اھل القبور یقولون ذالک۔ تفسیر ابی السعود۔

تحقیق کفار پر غنودگی سی طاری ہوگی جس میں وہ نیند کا مزہ چکھیں گے۔ جب اہل قبور کو آواز دی جائے گی اور انہیں قبروں سے نکال باہر کھڑا کر دیا جائے گا، تو یوں پکاریں گے۔ یا ویلنا من بعثنا من مرقدنا۔

تفسیر جلالین میں اسی آیت کے تحت ہے لانھم کانوا بین النفختین نائمین لم یعذبوا۔ کیونکہ وہ لوگ دو نفخوں کے درمیان سوئے ہوئے تھے اور عذاب نہیں دیئے جا رہے تھے (اس لئے اپنی قبروں کو مرقد یعنی خواب گاہ سے تعبیر کریں گے، ورنہ محل عذاب کو خواب گاہ کیسے کہا جا سکتا ہے)

اور پہلے امام سیوطی کی کلام اور دیگر اکابر کی کلام سے یہ ثابت کر چکے ہیں کہ محل عذاب روح و جسم دونوں ہیں اور اسی طرح محل ثواب بھی۔ لہٰذا نفخۂ اولیٰ تک روح کا تعلق بدن کے ساتھ ضروری ہے تاکہ عذاب و ثواب متصور ہو سکے۔ لہٰذا ثابت ہوگیا کہ نفخۂ اولیٰ تک اہل قبور میں حیات اور اس کے لوازم و توابع کا تحقق ضروری ہے، اس لئے نفخۂ اولیٰ تک ان میں زائرین کی معرفت اور سلام و کلام سننے کی صلاحیت موجود رہے گی۔

نیز انبیاء کرام علیہم السلام پر نفخۂ اولیٰ کے بعد بھی موت نہیں، اگرچہ دوسرے لوگوں پر موت کا وارد ہونا تسلیم بھی کر لیا جائے، ابن القیم کہتے ہیں:

اما صعق غیر الانبیاء فموت واما صعق الانبیاء فالا ظھر انہ غشیۃ فاذا نفخ فی الصور نفخۃ البعث فمن مات حیی ومن غشی علیہ افاق ولذالک قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الحدیث المتفق علیٰ صحتہ فاکون اول من یفیق فنبیّنا اول من یخرج من قبرہ قبل جمیع الناس۔ ص۵۲

ترجمہ: انبیاء و رُسل علیہم السلام کے ماسوا میں لفظ صعق (جو کہ فصعق من فی السموات ومن فی الارض میں وارد ہے) سے موت مراد ہے لیکن انبیاء کرام علیہم السلام میں ظاہر ترین قول یہ ہے کہ صعق سے مراد غشی ہے۔ پس جب صور میں حشر و نشر کے لئے پھونکا

جائے گا، تو جو مر چکے ہوں گے، وہ زندہ ہو جائیں گے اور جن پر غشی طاری ہو گی وہ ہوش میں آجائیں گے اور اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث جس کی صحت پر اتفاق ہے، میں وارد ہے انا اول من یفیق میں سب سے پہلے افاقہ محسوس کروں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے اپنی قبر انور سے نکلنے والے ہوں گے۔

الحاصل نفخۂ اولیٰ تک انبیاء، واولیاء اور شہدا وصلحاء میں اپنے اپنے شایان شان حیوٰۃ موجود ہے اور علم وادراک، احساس وشعور اور اہلیت فہم وسماع وقابلیت خطاب وندا اور ارواح بشریہ ہمیشہ کے لئے باقی وموجود ہیں۔ نفخۂ اولیٰ تک ان کا ابدان سے تعلق ایسا ہے جس سے عذاب وثواب کا احساس ہو سکے اور اس کے بعد یہ تعلق بدل جائے گا خواہ موت کی صورت میں یا نیند ومدہوشی کی صورت میں لیکن انبیاء کرام علیہم السلام میں بہرحال مدہوشی اور از خود رفتگی والی کیفیت ہو گی نہ کہ موت اور یہی ممکن ہے کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے قول ولن یجمع اللہ علیک موتتین، یعنی اللہ تعالیٰ ہرگز آپ پر دو دفعہ موت طاری نہیں کرے گا) میں اس دوسری موت کی نفی ہو۔ ھذا ما عندی واللہ ورسولہٗ اعلم۔

مُنکرین ومانعین سماع کی چوتھی دلیل

قال اللہ تعالیٰ انما یستجیب الذین یسمعون والموتیٰ یبعثھم اللہ ثمّ الیہ یرجعون۔ سورۃ انعام۔ پ

ترجمہ: صرف وہی لوگ تمہاری دعوت کو قبول کرتے ہیں، جو سنتے ہیں اور مُردوں کو اللہ تعالیٰ اٹھائے گا، پھر اس کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

وجہ استدلال: یہاں موتیٰ کو الذین یسمعون کے مقابل ذکر کیا گیا ہے اور تقابل اس امر کا مقتضی ہے کہ اموات میں سماع نہ پایا جائے، ورنہ مقابلہ میں ذکر کرنا ہی درست نہیں ہے، نیز مفسرین کرام نے بھی یہی تصریح فرمائی، جلالین میں فرمایا والموتیٰ ای الکفار شبھھم بھم فی عدم السماع۔ موتیٰ سے مراد کفار ہیں جن کو اموات کے ساتھ عدم سماع میں تشبیہ دی گئی ہے اور ایسے ہی تفسیر جامع البیان وغیرہ میں ہے لہٰذا اموات کا عدم سماع واضح ہو گیا۔

(۱) جوابِ اوّل: اس استدلال کا جواب اوّل یہ ہے کہ الذین یسمعون سے مخلص مومن مراد ہیں اور الموتیٰ سے ضدی اور ہٹ دھرم کافر و مشرکین اور آیاتِ کلام مجید اسی پر شاہد ہیں، جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا انّ فی ذالک للآیات لقوم یسمعون تحقیق کلام مجید میں سننے والی قوم کے لئے آیاتِ ہدایت اور دلائل ارشاد ہیں، لیکن جو لوگ کفر وشرک پر مصر ہیں، ان کے متعلق فرمایا ختم اللہ علیٰ قلوبھم وعلیٰ سمعھم وعلیٰ ابصارھم غشاوۃ

ولھم عذاب عظیم، اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگادی ہے (لہٰذا نہ حق کو سمجھتے ہیں اور نہ سنتے ہیں، نہ کفر ان کے دلوں سے خارج ہوتا ہے) اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے (لہٰذا وہ حق کو دیکھنے سے محروم ہیں)

منافقین کے متعلق فرمایا صم بکم عمی فھم لا یرجعون۔ وہ لوگ بہرے، گونگے اور اندھے ہیں (توجب حق کو نہ دیکھتے ہیں اور نہ سنتے ہیں نہ حق کو زبان پر لا سکتے ہیں) تو وہ راہِ ہدایت کی طرف بھی نہیں لوٹیں گے۔ اسی طرح فرمایا: ولقد ذرأنا لجھنم کثیرا من الجن والانس لھم قلوب لا یفقھون بھا ولھم اعین لا یبصرون بھا ولھم آذان لا یسمعون بھا اولئک کالانعام بل ھم اضل اولئک ھم الغافلون۔

البتہ تحقیق ہم نے جہنم کے لئے بہت سے جنوں اور انسانوں کو پیدا فرمایا، ان کے وہ دل ہیں جو عقل و فہم سے عاری ہیں۔ ان کی آنکھیں ہیں، مگر ان کے ساتھ دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں، مگر ان کے ساتھ سنتے نہیں۔ وہ لوگ چار پایوں کی طرح ہیں، بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ اور غافل وہی لوگ ہیں۔

ارشاد فرمایا ان شر الدواب عند اللہ الصم البکم الذین لا یعقلون ولو علم اللہ فیھم خیرا لاسمعھم ولو اسمعھم لتولوا وھم معرضون۔

سب جانوروں سے بُرے اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو بہرے گونگے ہیں اور عقل و فہم نہیں رکھتے۔ اگر اللہ تعالیٰ ان میں خیر و بھلائی معلوم کرتا، تو ان کو سننے کے قابل کر دیتا اور اگر انہیں سننے کے قابل بناتا، تو وہ حق سے پیٹھ پھیرنے والے ہوتے، کیونکہ ان کی عادت ہی حق سے روگردانی ہے۔

ان سب آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ کے نزدیک منافقین اور کفار و مشرکین جو ضد و عناد کے مرض میں مبتلا ہیں اور ایمان و اسلام کی صلاحیت کو ضائع کر چکے ہیں، وہ عقل و فہم سے عاری ہیں اور دیکھنے سننے کی قوت سے محروم ہیں اور جو لوگ حق کو قبول کرتے ہیں اور ایمان

و اسلام کو پسند کرتے ہیں۔ صرف وہی لوگ صاحبِ عقل و دانش اور مالکِ فہم و فراست ہیں۔ حقیقت کو پانے والی صرف انہیں کی آنکھیں ہیں اور حق آگاہ صرف انہیں کے کان ہیں۔

لہٰذا یہاں تقابل زندہ اور مُردہ افراد کے درمیان نہیں، بلکہ حق کے سننے والوں کے درمیان اور معاند و مخالف کفار و مشرکین کے درمیان ہے اور مفسرین کرام نے الموتیٰ سے کفار مراد ہونے کی تصریح کی ہے۔ لہٰذا یہاں سماع کی نفی زندہ کفار و مشرکین سے ہے نہ کہ حقیقی مُردوں اور اہلِ قبور سے۔

(۲) جوابِ ثانی: اگر اس آیت کو اپنے ظاہری معنی پر رکھیں تو لازم آئے گا کہ جو لوگ آیاتِ الٰہیہ کو سننے اور قبول کرنے والے ہیں، وہ فوت ہی نہ ہوں، کیونکہ دو مقابلوں میں سے کوئی بھی دوسرے کے اندر داخل اور مندرج نہیں ہو سکتا اور یہ لغو و باطل ہے؛ نیز الذین یسمعون سے مراد مومنین ہیں اور موتیٰ اس کے مقابل ہے تو لازم آئے گا کہ کوئی میت مسلمان نہ ہو اور حق کو قبول کرنے والا نہ ہو، یہ بھی لغو و باطل ہے۔ لہٰذا قطعی طور پر ثابت ہو گیا کہ الموتیٰ سے مراد زندہ کافر ہیں اور موت کا اطلاق کفر پر اور حیات کا اطلاق ایمان پر نصِ قرآنی سے ثابت ہے اومن کان میتا فاحییناہ وجعلنا لہ نورا یمشی بہ فی الناس۔

نیز اس آیتِ کریمہ کا ماقبل اور مابعد بھی الموتیٰ سے زندہ کافر مراد ہونے پر صریحًا دلالت کرتا ہے۔ ماقبل میں فرمایا: وان کبر علیک اعراضھم فان استطعت ان تبتغی نفقا فی الارض او سلما فی السماء فتاتیھم بآیۃ ولو شاء اللہ لجمعھم علی الھدیٰ فلا تکونن من الجاھلین۔

اور اگر آپ پر ان لوگوں کا حق سے منہ موڑنا گراں ہو گیا ہے اور ہر ممکن طریقہ پر آپ انہیں راہِ راست پر لانا چاہتے ہیں تو اگر تم میں بغیر اذنِ الٰہی یہ طاقت ہے کہ زمین میں کوئی راستہ تلاش کرو یا آسمان میں کوئی سیڑھی تب ان کے لئے آیت لے آؤ جو انہیں ایمان پر آمادہ کر دے،

تو ایسا کرو اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع فرما دیتا تو آپ ہرگز بے خبر لوگوں میں سے نہ ہونا۔

روز روشن سے بھی ظاہر تر کہ اعراض و انکار اور بے نیازی و بے پرواہی حق و صداقت اور ایمان و اسلام سے زندہ لوگوں میں تو متصور ہو سکتی ہے۔ فوت ہونے والے تو ہر وقت اس آرزو میں ہوتے ہیں۔ اے کاش ہمیں دنیا کی طرف لوٹایا جائے اور ایمان و اسلام اور اعمال صالحہ کی اجازت دی جائے لہذا ثابت ہوا کہ اس آیت کا ماقبل کافر و مشرک کو مُردہ ہونے پر شاہد صادق ہے۔

مابعد میں فرمایا وقالوا لولا نزل علیہ آیۃ من ربہ قل ان اللہ قادر علیٰ ان ینزل آیۃ ولکن اکثرہم لا یعلمون اور انہوں نے کہا کیوں نہیں اس نبی پر ان کے رب کی طرف سے آیت نازل کی گئی۔ آپ فرما دیجئے بے شک اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ آیت نازل کرے، لیکن ان میں سے اکثر بے علم ہیں۔

اور یہ بھی واضح ہوا کہ آیات اور معجزات کا مطالبہ مومنین مخلصین بھی نہیں کرتے اور نہ مُردے کرتے ہیں۔ مومنین تو نبی کریم کی ہر بات پر آمنا و صدقنا کہتے ہیں اور مردے ہر وقت کہتے ہیں یالیتنا اطعنا اللہ واطعنا الرسول (اے کاش ہم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی ہوتی۔

ان قرائن سے ظاہر ہوگیا کہ الموتیٰ سے مراد زندہ کفار ہیں نہ کہ حقیقی اموات لہذا حقیقی اموات کے انکار سماع و فہم پر استدلال باطل ہوگیا۔

فائدہ ۵: اگر مانعین و منکرین کو ضد ہی ہے کہ یہاں حقیقی اموات مراد ہیں تو چشم ما روشن دل ماشاد، لیکن یہاں سے تو ان کا بولنا ثابت ہو جائے گا جس پر قالوا لولا نزل علیہ آیۃ شاہد ہے۔ نیز ان کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اور دعویٰ رسالت و نبوت کو جاننا ثابت ہو جائے گا، کیونکہ دلائل حقانیت و صداقت کا مطالبہ مدعی کی معرفت اور اس کے دعویٰ کو معلوم کیے بغیر کیسے ہو سکتا ہے اور جب قبر میں ہونے کے باوجود باہر ہونے

والے واقعات کا علم بھی ثابت ہو گیا اور انکار و اعراض اور دلائل کا مطالبہ بھی، تو یہ آیتِ کریمہ ہماری دلیل بن جائے گی اور مستدلین کے سراسر مخالف ہو جائے گی اور منکرین اپنے دام میں خود پھنس کر رہ جائیں گے۔

تنبیہ: اگر منکرین کفار و مشرکین کی اموات و اہلِ قبور کے ساتھ تشبیہ کو اپنی دلیل بنائیں اور عدم سماع کو وجہ تشبیہ قرار دیں، تو یہ باطل ہے۔ تفسیر جلالین شریف میں ہے انما یستجیب (دعائک الی الایمان) الذین یسمعون (سماع تفہم واعتبار) والموتیٰ (ای الکفار شبہہم بہم فی عدم السماع)

ترجمہ: آپ کی دعوتِ ایمان کو صرف وہ لوگ قبول کرتے ہیں جو اسے غور سے سنتے ہیں، جیسا کہ تدبر اور حصولِ عبرت کے لئے سننا مقصود ہوتا ہے۔

والموتیٰ یبعثہم اللہ یعنی کفار جن کو اموات کے ساتھ عدم سماع میں تشبیہ دی گئی ہے۔

اس عبارت سے ہر آدمی سمجھ سکتا ہے کہ کفار کو موتیٰ کے ساتھ اس سماع کے انتفاء و عدم میں تشبیہ دی گئی ہے جس کا پہلے ذکر ہے یعنی تفہم و اعتبار اور نکرہ کو معرفہ کر کے لوٹانا اس پر واضح دلیل ہے اور یہی معنی و مفہوم اس عبارت کا جمل علی الجلالین میں بیان کیا گیا ہے: ای الکفار شبہہم بہم فی عدم السماع النافع۔ جمل جلد ثانی ص۲۶ لہذا خود جلالین کی عبارت سے واضح ہے کہ تشبیہ عدم سماع نافع میں ہے نہ کہ مطلقاً عدم سماع میں لیکن چشمِ کور کو اگر دوپہر کے اجالے میں بھی کچھ نظر نہ آئے، تو ہم کیا کریں۔

تفسیر مدارک میں ہے۔ ای انما یستجیب دعائک الذین یسمعون دعائک بقلوبہم والموتیٰ ای الکفار یبعثہم اللہ ثم الیہ یرجعون فحینئذٍ یسمعون واما قبل ذالک فلا یسمعون۔ مدارک جلد ثانی ص۱۰

ترجمہ: یعنی آپ کی دعوت کو صرف وہ لوگ قبول کرتے ہیں جو اسے دل کے کانوں سے سنتے ہیں اور موتی یعنی کفار اللہ تعالیٰ انہیں قیامت کے دن اٹھائے گا، پھر اس کی طرف

لوٹائے جائیں گے، تب سنیں گے، لیکن اس سے پہلے نہیں سنتے۔

یہاں سے بھی وجہ شبہ سمجھنے کے لئے افلاطونی دماغ کی ضرورت نہیں، ہر ذی عقل جانتا ہے کہ کفار سے نفی سماع فہم وقبول کی ہے؛ لہٰذا اموات میں بھی اسی کی نفی ہے۔ نیز اس آیتِ کریمہ میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کفار کی ہدایت وارشاد اور وعظ و تبلیغ سے روکنا مقصود ہے اور انہیں کلیۃً ان سے نا امید کرنا مطلوب ہے یعنی یہ قیامت سے پہلے ایمان نہیں لائیں گے لہٰذا ان کی ہدایت کے لئے آپ کیوں اتنی تکلیف فرماتے ہیں۔ سواء علیھم أأنذرتھم ام لم تنذرھم لا یؤمنون - فما علیک ان لا یؤمنوا۔

لہٰذا اگر کسی تفسیر میں بالفرض مطلق عدم سماع ذکر کیا گیا ہے تو مراد سماع نافع کا عدم ہی ہے جیسا کہ ہم نے پہلی اور دوسری دلیل کے جواب میں اقوالِ مفسرین سے اس معنی کو واضح کیا ہے اور سماع نافع سے مرادِ ہدایت حاصل کرنا اور راہِ راست کو اختیار کرنا ہے؛ لہٰذا یہاں بھی دراصل ان سے ہدایت کی نفی مطلوب ہے اور چونکہ ہدایت کا ذریعہ آیاتِ کلام مجید کا سنانا ہے اور انہیں غور و التفات اور قلبی توجہ کے ساتھ سننا، اس لئے ذریعہ وسبب کی نفی سے ان کے ایمان وہدایت کی نفی فرما دی اور ایمان وہدایت نہ ہونے کی وجہ سے ان کو مردہ فرمایا۔ بہرحال آیتِ کریمہ سے استدلال درست نہیں۔ نیز وجہ تشبیہ عدم انتفاع ہے نہ کہ عدم سماع اس کی پوری شرح وبسط کے ساتھ تحقیق انک لا تسمع الموتی اور ما انت بمسمع من فی القبور کی بحث میں گزر چکی ہے۔

منکرین سماع کی پانچویں دلیل

قال اللہ تعالیٰ والذین تدعون من دونہ ما یملکون من قطمیر ان تدعوھم لا یسمعوا دعاءکم ولو سمعوا ما استجابوا لکم ویوم القیامۃ یکفرون بشرککم ولا ینبئک مثل خبیر۔ سورۃ فاطر۔ پ۲۲۔

ترجمہ: اور جنہیں تم اللہ کے علاوہ پوجتے ہو، وہ کھجور کی گٹھلی پر موجود باریک پردے کے مالک نہیں، تم انہیں پکارو، تو وہ تمہاری پکار نہیں سنیں گے اور اگر بالفرض سُن لیں تو تمہاری حاجت روائی نہیں کر سکیں گے اور قیامت کے دن تمہارے شرک سے منکر ہو جائیں گے اور تمہیں اللہ خبیر کی طرح کوئی بتانے والا نہیں بتائے گا۔

وجہ استدلال: والذین تدعون من دونہ میں انبیاء واولیاء داخل ہیں؛ کیونکہ لوگ انہیں پکارتے اور ان کی عبادت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان سے سننے اور حاجت روائی کرنے کی نفی کر دی ہے؛ لہٰذا جب انبیاء واولیاء نہیں سُن سکتے، تو جو اُن سے مرتبہ میں کم ہیں وہ بطریقِ اولیٰ نہیں سن سکیں گے؛ لہٰذا اہلِ قبور کے سلام و کلام سننے کا عقیدہ باطل ہو گیا۔

اَلجواب: والذین تدعون من دونہ سے مراد انبیاء کرام اور اولیاء عظام نہیں، بلکہ اصنام اور صور وتماثیل مراد ہیں جن کو مشرک لوگ بزعمِ خویش انبیاء واولیاء اور ملائکہ کی صورتوں کے مطابق بناتے اور ان کی پوجا کرتے تھے۔ یہی معنی مفسرین کرام کی کلام سے ثابت ہے:

(۱) امام نسفی حنفی مدارک میں فرماتے ہیں: یعنی الاصنام التی تعبدونها لایسمعوا دعاء کم لانهم جماد - مدارک جلد ۲ - ص ۳۳۷

(۲) تفسیر خازن میں ہے والذین تدعون من دونه یعنی الاصنام ان تدعوهم یعنی الاصنام لایسمعوا دعاءکم لانهم جماد - خازن جلد ۵ ص ۳۰۰

دونوں عبارتوں کا مطلب واضح ہے کہ الذین تدعون سے مراد اصنام ہیں اور وہ جماد ہونے کی وجہ سے نہیں سن سکتے۔

(۳) امام رازی نے فرمایا ابطال لما کانوا یقولون انّ فی عبادة الاصنام عزة من حیث القرب والنظر الیها وعرض الحوائج علیها والله لایریٰ ولایصل الیه احد فقال هؤلاء لایسمعوا دعاءکم والله یصعد الیه الکلم الطیب فیسمع ویقبل - کبیر جلد ۷ ص ۳۶

ترجمہ: اس آیتِ کریمہ میں مشرکین کے اس قول کا ردّ و ابطال ہے کہ بتوں کی عبادت میں عزت ہے باعتبار ان کے قرب اور ان کی زیارت اور ان کی خدمت میں حاجات پیش کرنے کے بخلاف ذاتِ باری تعالیٰ کے وہ نہ دیکھا جاتا ہے اور نہ اس تک کوئی پہنچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تمہارے بت تمہاری پکار کو نہیں سنتے، لیکن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پاکیزہ کلمات شرفِ قبولیت پاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں سنتا ہے اور قبول فرماتا ہے۔

(۴) تفسیر ابن کثیر میں ہے والذین تدعون من دونه الیٰ من الاصنام و الانداد التی هی علیٰ صور من تزعمون من الملائکة المقربین ان تدعوهم لایسمعوا دعاءکم یعنی الآلهة التی تدعونها من دون الله لا تسمع دعاءکم لانها جماد لا ارواح فیها ولو سمعوا ما استجابوا لکم ای لایقدرون علیٰ شیٔ مما تطلبون منها ویوم القیامة یکفرون بشرکم ای یتبرءون منکم کما قال الله تعالیٰ ومن اضل ممن یدعو من دون الله من لا یستجیب لهٗ الیٰ یوم

القیامة وهم عن دعاء هم غافلون - تفسیر ابن کثیر جلد ۳ ص ۵۵۱

ترجمہ: والذین تدعون یعنی بُت اور اللہ تعالیٰ کے شرکاء (جو مشرکین نے بنا رکھے ہیں) ان شخصیتوں کے صور و اشکال پر جن کے (تقرب کا زعم رکھتے ہیں) ملائکہ مقربین میں سے۔ ان تدعوهم لایسمعوا دعاء کم۔ وہ معبودات جن کو پوجتے ہو۔ اللہ تعالیٰ کے سوا وہ تمہاری آواز نہیں سنتے، کیونکہ وہ جمادات ہیں، ان میں رُوح نہیں ہیں ولو سمعوا ما استجابو لکم ان میں یہ قدرت نہیں کہ تم ان سے جو طلب کرو، وہ تمہیں عطا کریں ویوم القیامة یکفرون بشرکم اور قیامت کے دن تم سے برأت اور بیزاری کا اظہار کریں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ومن اضل الآیة یعنی وہ شخص سب سے زیادہ گمراہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے ماسوا معبودات یعنی اصنام و تماثیل کو پوجتا ہے جو کہ اس کو قیامت تک جواب نہیں دینگے اور ان کی پکار سے غافل و بے خبر ہیں۔

مفسرین کرام کی ان تصریحات سے ظاہر و واضح ہے کہ والذین تدعون من دونه سے مراد اصنام اور بُت ہیں اور وہ صورتیں جو انہوں نے انبیاء و اولیاء کے ناموں پر یا ملائکہ مقربین کی فرضی شکلوں پر تراشیں اور ان کی عبادت شروع کر دی۔ نیز مفسرین کرام نے عدم سماع کی جو علت بیان کی ہے، وہ بھی اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ یہ حکم اصنام و تماثیل کا ہے، کیونکہ جماد کا اطلاق میت پر صرف بعض معتزلہ نے کیا ہے جو عذاب قبر کے منکر ہیں یا بعض روافض و خوارج نے اور کوئی مسلمان اس کا قائل نہیں اور پتھر کی مورت کو اگر ولی یا نبی کا نام دیا جائے تو اس سے اس کی پتھریلی حقیقت میں انقلاب نہیں آ جاتا جیسا کہ سامری نے بچھڑا بنا کر اسے حضرت موسیٰ علیہ السّلام اور بنی اسرائیل کا خدا قرار دیا، لیکن وہ خدائی صفات سے متصف نہیں ہو سکا، بلکہ اسے جلا کر راکھ بنا دیا۔ لہٰذا یہ دھوکا دینا کہ مشرکین لات و عزیٰ اور ود۔ سواع یغوث یعوق اور نسر وغیرہ کی عبادت کرتے تھے اور وہ ولی تھے اور اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے تھے۔ علیٰ ہذا القیاس انبیاء اور ملائکہ کی بھی عبادت کرتے

تھے۔ کسی مسلمان اور منصف آدمی کو زیب نہیں دیتا، کیونکہ تصویر کسی بھی مخلوق کی ہو، حقیقی ہو، فرضی ہو، اس تصویر کا حکم الگ ہے اور صاحب تصویر کا الگ ہے۔ تصویر زندہ آدمی کی ہو تو بھی سمیع و بصیر نہیں بن سکتی۔ اگر فرشتہ کی ہو تو بھی اس میں ملکی صفات پیدا نہیں ہو سکتیں اور اگر اللہ تبارک تعالیٰ حی قیوم کی ہو تو بھی تصویر اور مورتی میں صفاتِ الوہیت ثابت نہیں ہو سکتیں۔ بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے۔ عن بن عباس صارت الاوثان التی کانت فی قوم نوح فی العرب بعد امّا ودّ فکانت لکلب بدومة الجندل واما سواع فکانت لھذیل واما یغوث فکانت لمراد ثم لبنی غطیف بالجوف عند سبأ واما یعوق فکانت لھمدان واما نسر فکانت لحمیر لآل ذی الکلاع اسماء رجال صالحین من قوم نوح علیہ السلام فلما ھلکوا اوحی الشیطان الی قولھم ان انصبوا الی مجالسھم التی کانو یجلسون انصاباً و سموھا باسماءھم ففعلوا فلم تعبد حتی اذا ھلك اولئك عبدت - بخاری شریف جلد دوم ص۷۳۲

ترجمہ: وہ بُت جو کہ قوم نوح علیہ السلام میں تھے، وہ ان کے بعد عربوں کی طرف منتقل ہو گئے۔ ود نامی بت بنی کلب کے لئے دومة الجندل میں تھا اور سواع ہذیل کے لئے اور یغوث قبیلہ مراد کے پاس پھر بنی غطیف کے قبضہ میں سبا کے قریب مقام جوف میں اور یعوق ہمدان کے پاس تھا اور نسر قبیلہ حمیر آل ذی الکلاع کے لئے۔ یہ سب نام نوح علیہ السلام کی قوم میں سے نیک آدمیوں کے ہیں، جب ان کا انتقال ہو گیا تو شیطان نے ان کی قوم کے دلوں میں وسوسہ پیدا کیا کہ جہاں یہ لوگ بیٹھا کرتے تھے، وہاں بُت نصب کرو اور ان بتوں کو ان بزرگ ہستیوں کا نام دے دو؛ چنانچہ قوم نے اسی طرح کیا، لیکن ان کی عبادت نہ کی حتیٰ کہ جب وہ لوگ فوت ہو گئے، تو بعد میں آنے والی نسلوں نے ان کی عبادت شروع کر دی اور اور اس طرح وہ بُت معبود بنا لئے گئے۔

شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ العزیز نے بت پرستی کے آغاز اور ود سواع یغوث یعوق اور

نسر کے معبود بنائے جانے کی حقیقت یوں بیان فرمائی ہے:

بعد از وفات حضرت ادریس علیہ السلام بت پرستی در اولاد حضرت آدم رواج یافتہ بود و سببش آں شد کہ پسران حضرت ادریس ہمہ اولیاء و صلحاء بودند و مردم را بعبادت مشغول می ساختند و ہر یک برائے خود مسجدے درست کردہ مردم را دراں مسجد بذکر و طاعت دعوت میفرمود و مردم بشوق و نشاط بحضور ایشاں لذت عبادت میافتند۔ چوں پسران حضرت ادریس ازیں عالم گزشتند مردم را حسرت و افسوس عظیم لاحق شد و باہم شکایت آغاز نہادند کہ مارا حالا در عبادت و ذکر آں لذت حاصل نمی شود کہ بحضور ایشاں می شد ابلیس ایں وقت را غنیمت دانستہ بشکل پیرے عمامہ بر سر و عصائے در دست در مجمع مردم حاضر شد و گفت کہ طریق یافتن آں لذت حالا آں است کہ تصویرات ایں بزرگاں را از سنگ تراشیدہ و لباس آں بزرگاں در برآں تصویرات کردہ در محراب مسجد مقابل روئے خود استادہ کنید و ایشاں را بجالِ خود ناظر انگارید کہ ان اولیاء اللہ لا یموتون و ہماں لذت کہ در حضور ایشاں از عبادت و ذکر میداشتید برآرید مردم ایں تدبیر را پسندیدند و مطابق آں بعمل آوردند و چنیں قرار دادند کہ بعد از عبادت و نماز ہر کہ از مسجد بیروں آید دست بوس و قدم بوس آں تصویرات بجا آوردہ برآید تا حاضری او در جماعت نزد ارواح بزرگاں ثابت گردد و نزد خدائے تعالیٰ گواہی دہند و شفاعت کنند کہ ایں کس ہمراہ ما در عبادت تو شریک بود۔ رفتہ رفتہ چنیں رواج یافت کہ محض قدم بوس و دست بوس آں تصویرات کردہ بیرون مسجد می رفتند و عبادت و ذکر مطلق موقوف شد تا ایں کہ بجائے قدم بوس خاکبوس و سجدہ رائج گشت پدرِ نوح علیہ السلام ہمیشہ مردم را ازیں فعل شنیع ممانعت میکرد و لیکن مردم باز نمی آمدند تا آنکہ حق تعالیٰ حضرت نوح علیہ السلام را برسالت فرستاد۔ الخ

تفسیر عزیزی پارہ ۲۹۔ ص۱۳۱ و ۱۴۱

خلاصہ و ترجمہ: حضرت ادریس علیہ السلام کی وفات کے بعد اولادِ آدم میں بُت پرستی شروع ہو گئی اور اس کا سبب یہ بنا کہ حضرت ادریس علیہ السلام کے تمام لڑکے اولیا و صلحا

تھے اور لوگوں کو عبادتِ خداتعالیٰ میں مصروف و مشغول رکھتے تھے اور ہر ایک نے اپنے لئے مسجد تعمیر کی ہوئی تھی جس میں لوگوں کو ذکر و طاعت کی دعوت دیتے اور لوگ ان کی موجودگی میں شوق و سرمستی کے ساتھ عبادت میں مصروف رہتے اور لذت پاتے۔ جب حضرت ادریس علیہ السلام کے یہ صاحبزادے انتقال کر گئے، تو لوگوں کو بہت حسرت و افسوس لاحق ہوا اور ایک دوسرے سے عبادت میں لذت و سرور حاصل نہ ہونے کی شکایت شروع کی۔ شیطان لعین نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھا اور ایک بزرگ کی شکل میں سر پر دستار باندھے ہاتھ میں عصا لئے آموجود ہوا اور عبادت میں لذت پیدا کرنے کی تجویز بیان کرتے ہوئے کہا کہ ان بزرگوں کی صورتیں پتھر سے تراش لی جائیں اور ان کو ہی ان بزرگوں کا لباس پہنا دیا جائے اور ان کو محراب مسجد میں اپنے مقابل نصب کرلو اور انہیں اپنے احوال پر نگراں و مطلع سمجھو، کیونکہ اولیاء اللہ فوت نہیں ہوتے اور وہی لذت جو ان کی ظاہری زندگی میں حاصل کیا کرتے تھے، وہی لذت و سرور اب ان کی تصویروں سے حاصل کرو، لوگوں کو اس خبیث کی یہ تدبیر پر تلبیس پسند آگئی اور اسی کے مطابق عمل کیا۔

ابتداء میں تو یوں قرار دیا کہ نماز و عبادت سے فارغ ہو کر جو شخص باہر نکلنے لگے وہ ان تصویروں کی دست بوسی اور قدم بوسی کر کے باہر نکلے تاکہ جماعت میں اس کی حاضری ارواحِ بزرگاں کے پاس اور ان کے سامنے ثابت ہو جائے اور یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں گواہی دیں اور شفاعت کریں کہ اس شخص نے ہمارے ساتھ تیری عبادت میں شرکت کی۔

لیکن رفتہ رفتہ یہ رواج ہو گیا کہ صرف ان بتوں کی قدم بوسی کر کے بغیر عبادتِ الٰہی اور ذکرِ خداوندی ادا کرنے کے مسجد سے باہر آجاتے اور ذکر و عبادت کو بالکل ہی چھوڑ دیا، حتیٰ کہ بجائے قدم بوسی کے خاک بوسی اور سجدے رائج ہو گئے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے والد ماجد قوم کو اس فعلِ بد سے منع کرتے تھے، لیکن لوگ اس حرکت سے باز نہیں آتے تھے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو رسالت و نبوت دے کر مبعوث فرمایا، مگر ساڑھے

نو سو سال تک تبلیغ کرنے کے باوجود ان پر کچھ اثر نہ ہوا سوائے معدودے چند افراد کے حتیٰ کہ طوفان سے ان کا نام و نشان مٹا دیا گیا۔

دوسرے مقام پر ان معبودات کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

قوم حضرت نوح علیہ السلام را اصل مرض آں بود کہ در طلب تقرب الی اللہ و استعانت در حوائج خود بتوجہ الی المظاہر الکاملۃ من ارواح الاولیا گرفتار بودند و تقرب بسوئے مرتبہ تنزیہہ و استعانت بآں مرتبہ اصلا در ذہن ایشاں گنجائش نمی کرد و رفتہ رفتہ ارواح آں اولیائے بسبب کمال انہماک ایشاں در حب دنیا و تعمیر آں و بسبب قصور ایشاں از ادراک مرتبہ روحیہ نیز از نظر ایشاں غائب شدہ و ارواح شیطانیہ خبیثہ بجائے آں ہا ایشاں را بخود مائل ساختہ می فریفتند تا آنکہ نامِ نام اولیاء بود و حقیقت حقیقت شیطان الخ صہ ۱۱۵ و ۱۱۶ تفسیر عزیزی پارہ ۲۹

ترجمہ: حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو دراصل یہ مرض لاحق تھا کہ قربِ خداوندی کی طلب میں اور اپنے حاجات میں باری تعالیٰ کی استعانت حاصل کرنے میں اللہ تعالیٰ کے مظاہر یعنی ارواحِ اولیاء کی طرف توجہ و رغبت میں مبتلا و گرفتار تھے۔ محض ذاتِ پاک خدائے بزرگ و برتر کا قرب یا اس کی استعانت کا تصور تک بھی ان کے لئے قابلِ قبول نہیں تھا۔ رفتہ رفتہ حبِ دُنیا اور اس کی تعمیر و ترقی میں ہمہ تن مشغول و مصروف ہونے اور مرتبہ روح کے فہم و ادراک سے قاصر ہونے کی وجہ سے اولیاء کرام کے ارواحِ طیبہ ان کی نظروں سے غائب ہو گئے اور ان کی جگہ ارواحِ شیطانیہ خبیثہ نے ان لوگوں کو اپنی طرف مائل کر کے فریب میں مبتلا کر دیا (حتیٰ کہ ان لوگوں نے بزرگوں کے نام پر بُت بنا کر ان کی عبادت شروع کر دی اور عبادتِ خالق کو ترک کر دیا)، نام ان اصنام و تماثیل کا اگرچہ اولیاء کرام والا تھا، مگر حقیقت حقیقتِ شیطان تھی۔

ان مفسرین کرام کی تصریحات اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور شاہ

عبدالعزیز قدس سرہٗ العزیز کی کلام سے واضح ہو گیا کہ مشرکین نے مقدس بزرگوں کے نام پر اصنام وانصاب بنائے اور پتھروں سے صور و تماثیل تراش خراش کے اولیاء کا نام دے دیا اور ان پتھروں میں خدائی صفات و تصرفات کا اعتقاد رکھ کر کلیۃً اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی عبادت و طاعت سے بے نیاز ہو گئے اور وہ یہ سمجھ ہی نہیں سکتے تھے کہ غائب خدا کی عبادت کیسے کریں اور اس سے حل مشکلات اور قضائے حاجات کا مطالبہ کیسے کریں۔ ان کے اس اعتقادِ فاسد کا اس آیتِ کریمہ میں رد کیا گیا ہے اور ان اصنام کی بے بسی و بے چارگی بیان کی گئی ہے

لہٰذا والذین تدعون من دونہ ما یملکون من قطمیر (الایۃ) میں انبیاء کرام، رُسل عظام علیہم السلام اور اولیاء و شہداء کو داخل کرنا قطعاً غلط ہے اور ان سے سماعِ خطاب اور فہمِ نداء معرفت سلام و کلام اور علم و ادراکِ زائرین و حاضرین کی نفی کرنا یقیناً باطل ہے؛ لہٰذا عوام مومنین و مسلمین سے نفی کرنا بطورِ قیاس فاسد و باطل ہو گیا کیونکہ منکرین کا یہ قیاس بناء الفاسد علی الفاسد ہے۔

منکرین سے ایک سوال:

ہم منکرین و مخالفین سے یہ پوچھتے ہیں کہ ان اصنام وانصاب اور صُور و تماثیل کو سلام دینا اور ان کی زیارت کرنا کسی شریعت میں جائز ہے؟ ہرگز نہیں اور نہ کوئی اسے ثابت کر سکتا ہے نہ کوئی مسلمان اور صحیح آسمانی مذاہب کا متبع اس کا قائل ہو سکتا ہے، بلکہ ہر ایک کے نزدیک ان اصنام و تماثیل کے ساتھ یہ سلوک کفر ہے، بلکہ ان مورتیوں کو توڑنا اور ان کا نام و نشان مٹانا فرض و لازم ہے۔ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اصنام کو ریزہ ریزہ کر دیا اور حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی دیوارِ کعبہ پر بنی ہوئی تصویروں کو مٹا دیا، لیکن اہل قبور کو سلام دینا مسنون، ان کی زیارت کرنا مسنون؛ ان کی قبروں پر پاؤں رکھنا، انہیں بطورِ تکیہ استعمال کرنا سخت ممنوع اور ان کی عزت و

حرمت کے خلاف کوئی بھی کام کرنا حرام و قبیح ہے۔

لہٰذا اہلِ قبور علی الخصوص اولیاء و انبیاء اور شہداء و رسل کو اصنام پر قیاس کرنا اور انہیں اصنام کی طرح بے علم اور بے بس سمجھنا بالکل غلط ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ نے فرمایا:

و بالجملۃ کتاب و سنت مملو و مشحون اند کہ دلالت میکند بر وجود علم مر موتی را بدنیا و اہلِ آن پس منکر نشود آں را مگر جاہل باخبار و منکر دین۔ اشعۃ اللمعات جلد ثالث ص۴۰۲

خلاصہ کلام یہ ہے کہ کتاب و سنّت ایسے دلائل و شواہد سے بھرپور و معمور ہیں جو کہ اموات اور اہل قبور میں دنیا اور اہلِ دنیا کے علم و ادراک محقق ہونے پر دلالت کرتے ہیں جن کا منکر سوائے اخبار و احادیث سے جاہل کے یا منکر دین کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ جب عوام مومنین و مسلمین کے سماع و فہم اور علم و ادراک کا انکار منکر کی جہالت کی دلیل ہے، بلکہ انکارِ دین کی دلیل تو اولیاء و شہداء اور رسل و انبیاء میں بطریق اولیٰ بلکہ وہابیہ کے مقتداء و پیشوا مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے تصریح کی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے سماع میں کوئی اختلاف نہیں۔ عبارت ملاحظہ ہو:

مگر انبیاء کرام علیہم السلام کے سماع میں کوئی اختلاف نہیں، اسی وجہ سے ان کو مستثنیٰ کیا ہے اور دلیل جواز (یعنی جوازِ استعانت) یہ ہے کہ فقہا نے بعد سلام کے وقتِ زیارتِ قبر مبارک کے شفاعت مغفرت کا عرض کرنا لکھا ہے۔ پس یہ جواز کے واسطے کافی ہے۔ فتاویٰ رشیدیہ ص۱۱۲۔

نیز اولیاء کرام کے متعلق کہا: اولیاء کرام بھی بحکم شہداء ہیں اور مشمول آیت بل احیاء عند ربھم کے ہیں اور سوالِ قبر کا نہ ہونا شہداء سے بندہ کو معلوم نہیں، مگر ہاں حدیث میں آیا ہے کہ شہید کو عذابِ قبر سے امان دی جاتی ہے اور یہ فضیلت اولیاء عظام کے واسطے بھی ہے۔ ص۸۷

حیاتِ روح کے متعلق کہا: رُوح کو حیات ہوتی ہے، قبر میں سب کی روح زندہ ہے ولی ہو یا عامی اور سماع میں اختلاف ہے، بعض مقر ہیں اور بعض منکر۔ صـ۸۳

مسئلہ سماع کے متعلق تحریر کیا ہے: یہ مسئلہ عہدِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مختلف فیہا ہے، اس کا کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ تلقین کرنا بعد دفن کے اسی پر مبنی ہے جس پر عمل کرے درست ہے۔ صـ۸۷

(۱) مولانا گنگوہی کی عبارات سے واضح ہو گیا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو اس آیت میں داخل کرنا اور ان سے سماع کی نفی کرنا اجماع اور اتفاق امت کے خلاف ہے۔

(۲) قبر میں ہر آدمی کی روح موجود ہے اور زندہ ہے۔ نیز یہ کہ اس میں عام آدمی اور ولی میں کوئی فرق نہیں ہے۔

(۳) اولیاء کرام کیلئے شہداء کرام کی طرح عند اللہ حیات ثابت ہے؛ لہٰذا ان کو اصنام کی طرح جماد اور بے جان تسلیم کرنا غلط ہے۔ نیز یہ بھی واضح ہو گیا کہ صحابہ کرام میں مسئلہ سماع کے اندر اختلاف ہے، حالانکہ اصنام کے سماع اور علم و ادراک کا ان میں سے کوئی بھی قائل نہیں، لہٰذا اب بھی قیاس اموات و اہلِ قبور کا اصنام پر لغو و باطل ہو گیا۔

نیز قبل ازیں شیخ ابن حجر کی تصریح کہ جمہور اہل اسلام سماع کے قائل ہیں گزر چکی ہے اور صرف حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے انکار سماع منقول ہے جس کی ان شاء اللہ تحقیق بعد میں ذکر کی جائے گی اور یہ ثابت کیا جائے گا کہ ان کا مذہب جمہور کے موافق ہے؛ لہٰذا سب امت کا اتفاق ہے کہ اموات اور اہلِ قبور سنتے ہیں، تو آیت کریمہ کا ایسا معنی مراد لینا جو مسلک جمہور بلکہ متفق علیہ مذہب کے خلاف ہو کسی طرح بھی جائز نہیں ہے اور اصنام و احجار اور ذی روح انسانوں کو ایک جیسا اعتقاد کرنا قطعاً باطل ہے۔

اعتذارِ منکرین:

منکرین نے انبیاء کرام اور اولیاء کرام کو والذین تدعون من دونہ میں شامل

کرنے کا عذر یہ بیان کیا ہے کہ لوگ اہلِ قبور سے استعانت و استمداد کرتے ہیں اور حلِ مشکلات اور قضا حاجات کا مطالبہ کرتے ہیں اور وہی اعتقاد رکھتے ہیں جو کہ بُت پرست اپنے بتوں کے متعلق اعتقاد رکھتے تھے لہٰذا اولیاء و انبیاء والذین تدعون من دونہ میں داخل ہیں اور مفسرین نے جو تفسیر کی ہے، یعنی اصنام و احجار مراد لیے ہیں، تو انہوں نے اپنے اپنے اہلِ زمان کی عادت کے تحت یہ تفسیر کر دی ہے نہ یہ کہ والذین تدعون من دونہ اور اس کی نظائر میں صرف اصنام و احجار اور صور و تماثیل کا ارادہ کیا گیا ہے۔

جوابِ عذر:

جواباً اوّل یہاں مقصود منکرین کا یہ ہے کہ اس آیت سے اہلِ قبور علی الخصوص شہداء، و اولیاء اور رُسل و انبیاء علیہم السلام کے سماع کی نفی کریں اور انہیں زائرین سے بے خبر اور لاعلم ثابت کریں لہٰذا بالفرض والذین تدعون من دونہ میں انہیں داخل و شامل تسلیم کر لیا جائے، تو ان سے سماع اور علم و ادراک کی نفی لازم نہیں آ سکتی۔ مثلاً کوئی شخص زندہ ولی یا نبی یا فرشتہ ہو یا جن کو اپنا کارساز حاجت روا سمجھ لے اور مستحق عبادت سمجھے جس طرح فرعونیوں اور نمرودیوں نے سمجھا، تو اس سے ان کی زندگی کا انکار، ان کے صاحب سمع و بصر ہونے کی نفی اور ان کے عقل و فہم کا ابطال کیسے لازم آ جاتا ہے؟ بلکہ جو بے جان غیر ذی روح جمادات ہیں، صرف ان معبودات سے حیات اور علم و ادراک اور سماع و فہم کی نفی ہو سکتی ہے نہ کہ مطلقاً ہر معبود سے۔ مجوس دو خدا تسلیم کرتے ہیں ایک یزدان جو خالق خیر ہے دوسرا اہرمن جو خالق شر ہے، پہلا بھی واجب الوجود اور دوسرا بھی واجب الوجود پہلا بھی مستحق عبادت اور دوسرا بھی لیکن دوسرے خدا کا علم محیط صرف مجوس ہی تسلیم نہیں کرتے۔ خود مانعین و منکرین بھی تسلیم کرتے ہیں، کیونکہ خالق شر ان کے نزدیک ابلیس ہے اور اس کو علم محیط زمین کا منکرین نے تسلیم کیا ہے اور اس کا اطرافِ عالم میں موجود جانداروں پر مطلع ہونا، ان سب تک پہنچنا اور ان کے دلوں میں وسواس پیدا کرنا اور ان سے بُرائیاں کروانا ان

کے نزدیک ایسا واضح امر ہے جس پر قرآن شاہد ہے اور جس کو تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں؛ لہٰذا محض کسی غیرِ خدا کو معبود مان لینا تو اس کے علم محیط کی بھی نفی نہیں کرتا چہ جائیکہ قبر پر حاضری دینے والوں کے سلام و کلام اور ان کی ذاتوں کی معرفت و ادراک کی نفی کرے جو کہ آیاتِ قرآن و احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع و اتفاق امت سے ثابت ہے؛ لہٰذا یہ عذرِ لغو باطل ہے۔ شیطان کو علم محیط کائنات ماننے کا حوالہ براہین قاطعہ مؤلفہ خلیل احمد انبیٹھوی و مجوزہ مصدقہ مولوی رشید احمد گنگوہی صہ ۵۲ پر ملاحظہ فرمائیں۔

جوابِ دوم: نیز قصور و جرم تو ہے اہل قبور کو معبود بنانے والوں کا اور ملامت و مذمت کی جائے اہل قبور خصوصاً اولیاء و انبیاء کی۔ کرے کوئی بھرے کوئی۔ غلط عقیدہ اپنا لیں، دوسرے عذاب و عتاب کے طور پر علم و ادراک اور حیات و زیست اور نعم و رزق سے محروم کر دیا جائے۔ اہلِ قبور کو یہ کون سی عدالت و حکمت ہے اور کیا فلسفہ و منطق ہے؟ اہلِ قبور شہداء و اولیاء اور رسل و انبیاء کی حیات، قبر میں رزق دیا جانا اور علم و ادراک اور سماع و فہم و شعور و احساس قطعی طور پر ثابت ہے اگر ان سے محرومی ثابت ہوگی تو معبود بنائے جانے کے بعد تو اس میں ان کا تو کوئی جرم و قصور نہیں؛ لہٰذا ان پر یہ عتاب و عذاب کیسے ہو سکتا ہے؟ رہا استمداد اور استعانت کا شرک ہونا یا نہ ہونا تو اس کی تحقیق مستقل عنوان سے آخر میں ذکر کی جائے گی۔

منکرین کا عذرِ لنگ:

منکرین کا یہ کہنا کہ مفسرین نے والذین تدعون من دونہ اور اس قسم کی آیات کا مصداق بتوں کو بنایا ہے، تو یہ ان کے زمانہ میں موجود لوگوں کی عادت کے تحت ہے۔ عجب فریب اور دھوکہ ہے اور بد دیانتی کی انتہا ہے، ادھر تو ود سواع، یغوث و یعوق اور نسر جو کہ اولاد ادریس علیہ السلام ہیں۔ ان کو والذین تدعون من دونہ میں داخل کیا ہے اور کہتے ہیں کہ وہ محض پتھر کی مورتیوں میں یہ قدرتیں نہیں مانتے تھے، بلکہ ان میں اولیاء اللہ کی روحانیت کو حلول کئے ہوئے اور سرایت کئے ہوئے مانتے تھے اور

وہی نظریہ صحابہ کرام کے دور میں موجود مشرکین کا تھا تو صحابہ کرام علی الخصوص حبر امت اور مفسر اول حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے ود، سواع اور یغوث وغیرہم کو والذین تدعون من دونہ میں داخل کیوں نہ فرمایا۔ نیز قبروں پر حاضری دینا اور استعانت تو صحابہ کرام اور تابعین و تبع تابعین سے لے کر آج تک جاری ہے۔ پھر مفسرین نے اپنے اہلِ زمانہ کی عادت کے تحت ان اولیاء اللہ کو یہاں داخل کیوں نہ کیا۔

امام رازی کا فرمان کہ تمام دنیا کے مسلمان یہود و نصاریٰ اور مجوس وغیرہم اہلِ قبور کی زیارت کو جاتے ہیں۔ عادات اہلِ زمان کی وضاحت کے لئے کافی ہے۔ بلکہ خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لعن اللہ الیہود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیاءھم مساجد۔ اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے۔ انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا ہے؛ لہٰذا جب یہود و نصاریٰ اس وقت اور آج تک اپنے انبیاء علیہم السلام کی قبور کو سجدہ گاہ بنائے ہوئے ہیں، تو زعم منکرین کے مطابق ان کا والذین تدعون من دونہ میں داخل ماننا اور تفسیر میں انہیں شامل کرنا ان سے علم و ادراک اور سماع و فہم کی نفی کرنا اور ان سے ہر قسم کی ملکیت و اختیار اور فعل و تصرف باذنِ الٰہی و توفیقِ خداوندی کی بھی نفی کرنا ضروری تھا، کیونکہ قرآن صرف اہلِ اسلام کو تو شرک سے باز رکھنے کے لئے نہیں آیا اور نہ صرف امتِ محمدیہ کے اولیاء و صلحاء سے اختیارات و تصرفات اور علم و ادراک کی نفی کے لئے آیا ہے۔ لہٰذا اگر فی الواقع ان محبوبانِ خدا میں حیات و روح اور علم و ادراک، اہلیت سماع و فہم نہ ہوتی، تو یقیناً مفسرین کرام ان کو بھی داخل مانتے۔ جب باوجود انبیاء سابقین کو معبود بنائے جانے کے اس قسم کی آیات میں داخل نہیں کیا گیا تو سوائے اس کے اور کوئی وجہ اس کی نہیں ہو سکتی کہ ما یملکون من قطمیر۔ لا یسمعوا دعاءکم۔ ولو سمعوا ما استجابوا لکم اور لا یستجیب لہ الی یوم القیامۃ وان یسلبھم الذباب شیئا لا یستنقذوہ وغیرہ احکام ان پر سچے نہیں آتے تھے،

اس لئے ان کو یہاں تفسیر میں داخل نہیں کیا گیا۔

یہ جرأت و جسارت اور خیانت و بددیانتی اور بغض و عناد صرف گروہ خارجیہ میں ہے جنہوں نے ان مقدس ہستیوں کی قربت و منزلت اور عنداللہ کرامت و مرتبت اور صدیقیت و شہادت اور ولایت و صالحیت کو یکسر نظرانداز کر کے جمادات کی طرح بے قدر و قیمت اور ناقابلِ التفات و اعتنا بنا دیا اور ان سے تحصیل فیوضات باطنیہ کو عبادات اصنام قرار دیا۔ نعوذ باللہ من ہذا الشقاء العظیم والفہم السقیم والقلب العقیم۔ اور کسی مفسر و محدث میں یہ جرأت کیونکر ہو سکتی تھی کہ مقربانِ بارگاہِ صمدیت کے متعلق ایسے گستاخانہ اور بے ادبی کے کلمات کہے اور بلا وجہ مسلمانوں کو مشرک ٹھہرائے۔

لہٰذا والذین تدعون من دونہ ما یملکون من قطمیر (الآیۃ) میں حضرات انبیاء و اولیاء داخل ہی نہیں، تو ان سے علم و سماع کی نفی کیسے ہو سکتی ہے اور اس آیت سے استدلال کیونکر درست ہو سکتا ہے۔

منکرین کی طرف سے جواب:

اس آیت کے آخر میں ویوم القیامۃ یکفرون بشرککم ہے یعنی تمہارے معبود قیامت کے دن تمہارے شرک کا انکار کریں گے اور پتھر کے بت تو انکار نہیں کر سکتے نہ ان میں بولنے کی اہلیت ہے؛ لہٰذا معلوم ہوا کہ یہاں مراد وہ انبیاؑ و اولیاء ہیں جن کو معبود بنا لیا گیا اور حاجت روا و مشکل کشا سمجھ لیا گیا۔

جواب کا رد:

اقول اولاً: اگر زعم منکر و مخالف کے مطابق بتوں میں صلاحیتِ انکار نہیں لہٰذا آیت کا آخری حصّہ دلیل قطعی ہے کہ یہاں مراد اولیاء و انبیاء ہیں تو یہاں مراد اولیاؑ و انبیاؑ ہیں تو یہاں تمام مفسرین کا والذین تدعونَ کی تفسیر اصنام کے ساتھ کرنا باطل ہو جائے گا اور لازم آتے گا کہ وہ سارے اکابرین امّت آیت کے پہلے حصّہ کی تفسیر کرتے وقت

آخری حصّہ سے بے خبر رہے تو کیا ایسے لوگوں کو تفسیر قرآن لکھنے کا حق پہنچتا ہے جن کی بے خبری اور لاعلمی کا یہ عالم ہو۔ کیا منکرین کے نزدیک اسلاف کی یہی وقعت و عزت اور قدر و منزلت ہے اور ان کی خدمات کا یہی صلہ ہے؟ ہاں ہاں جنہوں نے اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گستاخیوں بے ادبیوں اور گالیوں سے کلمہ پڑھانے کے احسان کا بدلہ دیا ہو تو ان کے نزدیک مفسرین بچارے کس شمار میں ہیں اور کس عزت و قدر کے حق دار ہو سکتے ہیں

ثانیاً: اللہ تعالیٰ کو یہ بھی قدرت و طاقت ہے کہ اصنام میں قوتِ گویائی پیدا فرما دے اور برأت و بیزاری کا اظہار کرائے، وہاں زمین گواہ بنے گی۔ اشجار و احجار گواہ ہوں گے، ہاتھ اور پاؤں گواہ ہوں گے تو بتوں کا بولنا اور بیزاری و لاتعلقی کا اظہار کرنا کونسی بعید بات ہے اور مفسرینِ کرام نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ امام رازی اور ابو السعود وغیرہما کی تصریحات اس مقام پر مطالعہ کرو۔ نیز اگلی آیت کی تحقیق میں بھی تصریحات نقل کی جائیں گی۔ لہٰذا اس قرینہ سے اصنام و احجار کو یہاں سے خارج کر کے انبیاء علیہم السلام اور اولیاءَ اللہ رضی اللہ عنہم کو والذین تدعون من دونہ کا مصداق بنانا غلط ہے۔

ثالثاً، تمہارے دعوے کے مطابق پچھلا حصّہ اس امر کی دلیل ہے کہ والذین تدعون من دونہ سے مراد اولیاء و انبیاء ہیں اور ہم نے اہلِ قبور کے علم و سماع اور ان کی زندگی پر قرآن و حدیث سے جو دلائل پیش کئے ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں صرف بت مراد ہیں۔ نیز خود اسی آیت میں والذین تدعون پر جو حکم کیا گیا ہے یعنی ما یملکون من قطمیر۔ وہ کھجور کی گٹھلی پر موجود باریک جھلّی اور پردہ تک کے بھی مالک نہیں۔ وہ ہمارے دعویٰ کی دلیل بیّن ہے کہ یہاں اولیاء و شہداء اور انبیاء مراد نہیں کیونکہ وہ اللہ کے ہاں زندہ ہیں، رزق دیئے جاتے ہیں بل احیاء عند ربہم یرزقون اور ہمیں اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے، ہم اس کے مالک بن جاتے ہیں انہیں رزق ملتا ہے

وہ اس کے مالک بن جاتے ہیں اور پھر دنیوی رزق ونعمت کو وہاں کے ارزاق اور انعامات کے ساتھ کوئی مناسبت ہی نہیں، تو آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ جناب کا قول آیات و احادیث کا مخالف اور پہلے حصہ کے منافی ومناقض ہوتے کے باوجود قابلِ قبول ہو، مگر ہمارا بلکہ سب مفسرین کرام کا بیان کردہ معنی قابل قبول نہ ہو؟

لہٰذا یہاں قطعی طور پر والذین تدعون من دونہ سے اصنام واحجار مراد ہیں اور انہیں سے ملکیت واختیارات کی کلیتہً نفی کردی گئی ہے اور انہیں سے سننے اور حاجات ومشکلات میں کام آنے کی نفی کی گئی ہے اور وہی بت خدا کی دی ہوئی قوت وقدرت سے بولیں گے اور اپنے عبادت گزاروں کے غم واندوہ حسرت وارمان میں اضافہ کریں گے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرمایا: وقال انما اتخذتم من دون اللّٰہ اوثانا مودۃ بینکم فی الحیوۃ الدنیا ثم یوم القیامۃ یکفر بعضکم ببعض و یلعن بعضکم بعضا وماوٰکم النار ومالکم من ناصرین - پ ۲۰ ع ۱۵

تم نے صرف بتوں کو اپنی دنیوی زندگی میں باہمی محبت کے تحت معبود بنالیا ہے پھر تم قیامت کے دن ایک دوسرے کو جھٹلاؤ گے اور ایک دوسرے پر لعنت کروگے اور تمہارا ٹھکانا دوزخ کی آگ ہے، نہ تمہارے لئے کوئی مددگار ہے۔

اس نص قطعی سے اصنام کا کلام کرنا کفار کو جھٹلانا اور ان پر لعنت کرنا ثابت ہوگیا، کیا اب بھی اس عذرِ ناتمام کی کوئی گنجائش ہے کہ آیت کریمہ کا آخری حصہ اصنام واوثان پر صرف سچا آسکتا ہے۔

الغرض یہاں انبیاء ورسل، اولیاء وشہداء اور صلحاء واصفیاء داخل ہی نہیں لہٰذا ان سے علم وادراک اور سماع وفہم کی نفی کرنا غلط ہے اور یہ استدلال باطل ہے، ہٰذا ما عندی واللّٰہ ورسولہٗ اعلم۔

منکرین ومانعین سماع کی چھٹی دلیل

قال اللّٰہ تعالیٰ - ومن اضل ممن یدعو من دون اللّٰہ من لا یستجیب لہ الی یوم القیامۃ وھم عن دعاءھم غافلون واذا حشر الناس کانوا لھم اعداء و کانوا بعبادتھم کافرین۔

ترجمہ، اور کون زیادہ گمراہ ہے اس شخص سے جو غیر اللّٰہ کی عبادت کرتا ہے جو کہ عبادت کرنے والوں کو قیامت تک جواب نہیں دیں گے اور وہ ان کی پکار اور عبادت سے غافل اور بے خبر ہیں اور جب قیامت کے دن لوگ اٹھائے جائیں گے تو یہ معبود ان کے دشمن بن جائیں گے اور ان کی عبادت سے بیزاری ظاہر کریں گے۔

وجہ استدلال: اس آیت کریمہ میں معبوداتِ باطلہ کو من لا یستجیب کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے اور لفظ من عربی میں ذوی العقول اور ارباب علم یعنی انسان، ملائکہ اور جنوں پر اطلاق کیا جاتا ہے۔ بے جان اور بے علم چیزوں پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔ نیز لستجیب (یعنی جواب نہیں دیتے) بھی ان اشیاء کی صفت بن سکتی ہے جن میں علم و عقل اور جواب کلام کی اہلیت کسی وقت میں ہو جو ہمیشہ کے لئے علم وفہم فہم اور قوت جواب سے عاری ہیں، ان کو اس صفت کے ساتھ موصوف نہیں کیا جا سکتا۔ علیٰ ہذا القیاس ان کو لفظ ہُم سے بیان کرنا اور پکار و عبادت سے غافل کہنا بھی ان معبودات باطلہ کے اہل علم وعقل ہونے کی دلیل ہے۔ درخت اور دیوار کو کوئی نہیں کہتا کہ یہ غافل ہیں نیز ان کے لئے عداوت اور کفر وانکار ثابت کرنا بھی ان کے اہلِ علم وعقل ہونے کی دلیل ہے۔ بہر حال ان قرائن سے واضح ہوگیا کہ یہاں اصنام واحجار اور صور وتماثیل مراد نہیں بلکہ جو لوگ

انبیاء و اولیاء اور شہداء و صلحاء کو پکارتے ہیں اور ان سے حل مشکلات اور رفع حاجات
کا مطالبہ کرتے ہیں، ان کے ساتھ معبودِ حقیقی والا معاملہ کرتے ہیں، ان کی ضلالت و گمراہی
بیان کرنا مقصود ہے اور ان معبودات کا ان کی دعاؤں، پکاروں اور نداؤں سے غافل
و بے علم ہونے کا بیان مقصود ہے۔

لہٰذا جب انبیاء و اولیاء اور شہداء و صلحا غافل اور بے علم و بے خبر ہیں تو اور کس
میں علم و ادراک اور فہم و سماع ہو سکتا ہے۔

الجواب الاجمالی: یہ آیت کریمہ بھی بُت پرست مشرکین کی ضلالت و گمراہی
بیان کرنے کے لئے نازل کی گئی اور ان اصنام و احجار کی غفلت و لاعلمی اور نادانی و بے
خبری بیان کرنے کے لئے جن کو انہوں نے خدائی صفات کے ساتھ موصوف و متصف
مان رکھا تھا، لیکن مانعین سماع نے حسبِ فطرتِ اصلیہ کفار کے حق میں نازل آیات کو
کو مومنین پر چسپاں کر دیا اور بتوں کی مذمت میں نازل ہونے والی آیات کو اہل قبور پر چسپاں
کر دیا اور جن قرائن و شواہد پر اپنے استدلال کی بنیاد رکھی ہے۔ اس بنیاد کو مفسرین و محدثین
نے منکرین و مانعین کے پیدا ہونے سے کئی صدیاں پہلے اکھیڑ دیا اور حقیقتِ حال کی
وضاحت کر دی، لیکن محبوبانِ خدا کے ساتھ بغض و عناد نے ان کی آنکھوں کو اندھا
کر دیا، کانوں کو بہرہ کر دیا اور دلوں کو بصیرت و فراست سے عاری کر دیا؛ لہٰذا کوئی تفسیر
ان کے لئے موجب رشد و ہدایت نہ بن سکی۔ ومن یضلل اللہ فلن تجد لہ ولیا
مرشدا۔ ہم ان شاء اللہ خود آیات قرآن سے اس استدلال کے بطلان و فساد کو واضح کریں
گے۔ واللہ الموفق۔

تفصیلی جوابات:

جواب اول، سب سے پہلے اقوالِ مفسرین ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) تفسیر ابن کثیر میں فرمایا: ای لا اضل ممن یدعو من دون اللہ اصناما

ویطلب منها ما لا تستطیعه الی یوم القیامة وهی غافلة عما یقولون
لا تسمع ولا تبصر ولا تبطش لانها جماد حجارة صم۔ تفسیر ابن کثیر جلد ۴
صـ۱۵۴

ترجمہ: یعنی کوئی شخص اس سے زیادہ گمراہ نہیں جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ بتوں کی
عبادت کرتا ہے اور ان سے ایسے امور کی استدعا کرتا ہے جن کی قیامت تک ان میں
استطاعت و قدرت نہیں اور وہ ان کے اقوال سے غافل ہیں نہ سنتے اور دیکھتے
ہیں اور نہ ہی پکڑ سکتے ہیں، کیونکہ وہ بے جان پتھر ہیں اور قوتِ سماع سے عاری ہیں۔

(۲) من لا یستجیب یعنی الاصنام لا تجیب عابد بها الی شیء یسئلونها
تفسیر خازن و معالم التنزیل جلد ۶ صـ۱۳۱

ترجمہ: من لا یستجیب سے مُراد بت ہیں جو کہ اپنے عبادت گزاروں کو وہ اشیاء
مہیا نہیں کر دیتے، جن کا وہ مطالبہ کرتے ہیں۔

(۳) وهم الاصنام لا یجیبون عابدیهم الی شیء یسئلونهم ابدا وهم
عن دعاءهم غافلون لانهم جماد لا یعقلون۔ تفسیر جلالین۔

ترجمہ: من لا یستجیب سے مراد بُت ہیں جو اپنے عابدوں کو مطلوبہ چیزیں
کبھی بھی مہیا نہیں کر دیں گے اور وہ ان کی پکار سے غافل ہیں، کیونکہ وہ جمادات
ہیں اور عقل و فہم سے دُور۔

(۴) ای هم اضل من کل ضال حیث ترکوا عبادة خالقهم السمیع
القادر المجیب الخبیر الی عبادة مصنوعهم العاری عن السمع والبصر
والقدرة والاستجابة (غافلون) لکونهم جمادات۔ تفسیر ابی السعود
الحنفی علی الکبیر۔ جلد ۷ صـ۱۰۲

ترجمہ: یعنی یہ مشرک و کافر سب گمراہوں سے زیادہ گمراہ ہیں جبکہ انہوں

نے اپنے خالق سمیع و بصیر اور کامل قدرت والے حاجات کو پورا کرنے والے کی عبادت چھوڑ کر ایسے بتوں کی عبادت شروع کر دی جو ان کے اپنے بنائے ہوئے ہیں اور سننے دیکھنے سے معذور۔ قدرت و طاقت اور حاجت روائی و مشکل کشائی سے عاجز ہیں اور غافل ہیں، کیونکہ وہ جمادات اور پتھر ہیں۔

(۵) والمعنی لا امر ابعد عن الحق واقرب الی الجهل ممن یدعوا من دون الله الاصنام فیتخذها آلهة ویعبدها وهی اذا دعیت لاتسمع و لا تصح منها الاجابة لا فی الحال ولا بعد ذالك الی یوم القیامة۔

تفسیر کبیر للامام الرازی۔ جلد ۷، ص ۴۷۷

ترجمہ: معنی یہ ہے کہ کوئی امر حق سے اتنا بعید اور جہالت کے اتنا قریب نہیں جتنا کہ اصنام کی عبادت، مشرک انہیں خدا سمجھتے ہیں اور ان کی عبادت کرتے ہیں، حالانکہ جب انہیں پکارا جاتا ہے تو سنتے ہی نہیں اور جب ان سے کچھ مانگا جاتا ہے تو وہ دے نہیں سکتے نہ اب اور نہ اس کے بعد قیامت تک۔

اس کے علاوہ بیسیوں تفاسیر میں اس آیت کریمہ کی یہی تفسیر کی گئی ہے اور من لا یستجیب لہٗ الی یوم القیامۃ وھم عن دعاءھم غافلون کا مصداق صرف اصنام و اوثان اور صور و تماثیل کو بنایا گیا ہے۔ لہٰذا اس کو انبیاء و اولیاء پر اور ان سے توسل کرنے والوں پر منطبق کرنا اور انبیاء و اولیاء کی غفلت و بے خبری ثابت کرنا اور ان سے استمداد و استعانت اور حل مشکلات و رفع حاجات کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا اور التجاء کے متعلق عرض کرنے والوں کو گمراہ و بے دین اور مشرک و کافر ثابت کرنا صرف خارجیوں کا حصہ ہے کوئی سنّی مسلمان یہ جرأت نہیں کر سکتا۔ اور ان کے خارجی ہونے کی یہ نشانی حضرت عبداللہ بن عمر کی زبانی آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

مُستدل کا مبنیٰ و مبدء استدلال اور اس کا رد:

مستدل نے اس آیتِ مقدسہ سے استدلال انکار سماع پر پیش کیا اور عذر یہ بیان کیا ہے کہ مَن لا یستجیب اور ھُم غافلون ایسے صفات ہیں جو اصنام و اوثان میں نہیں پائے جاتے۔ لہٰذا یہاں وہ مراد نہیں، بلکہ انبیاء و اولیاء اور شہداء و صلحا مراد ہیں۔

اس قول کا فساد اولاً تو اس طرح ظاہر ہے کہ اس تقدیر پر من لا یستجیب لہٗ الی یوم القیامۃ وھم عن دعاءھم غافلون میں سرے سے اصنام اور صنم پرست داخل ہی نہیں ہوں گے اور ان کا سب سے زیادہ گمراہ ہونا ثابت نہیں ہو سکے گا اور بتوں کی مذمت، بت پرستوں کی حماقت و جہالت کا یہاں ذکر ہی نہیں ہو گا حالانکہ وہی پہلے مخاطب ہیں اور وہی لوگ اسلام کے اولین دشمن ہیں۔

(۲) ثانیاً: اس تقدیر پر یہ آیتِ کریمہ ان آیات و احادیث کے منافی و مخالف بن جائے گی جن میں اہلِ قبور کا زندہ ہونا اور ان میں علم و ادراک اور سماع و فہم ثابت ہے۔ لہٰذا ایسے معنی کا ارادہ "جو آیات و احادیث کے خلاف ہے" قطعاً باطل ہو گا۔

(۳) ثالثاً: مفسرینِ کرام نے اس آیتِ کریمہ کا جو معنی بیان کیا ہے مستدل کا قول ان سب کے خلاف ہے؛ لہٰذا ایسا معنی جو سب مفسرین کے اقوال کے منافی و مخالف ہو لغو و باطل ہو گا اور ناقابلِ اعتبار و التفات۔

(۴) رابعاً: یہ معنی مانعین کے مقتداء و پیشوا مولوی محمد اسماعیل دہلوی اور اس کے پیر و مرشد کے اقوال و افعال کے لحاظ سے بھی باطل ہے۔ وہ حضرت خواجہ قطب الاقطاب کی مزار پر گئے۔ مراقبہ میں ان سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے سلسلہ چشتیہ میں داخل فرما لیا اور یہ اس شرف سے مشرف ہو کر گھر لوٹے۔ کیا حضرت خواجہ قطب الاقطاب معبود برحق تھے۔ باقی سب باطل ہیں۔ کیا وہ جواب دے سکتے تھے، دوسرے نہیں دے سکتے۔ وہ غافل نہیں۔ صرف دوسرے غافل ہیں۔ وہ حاجت و مقصد پورا کر سکتے تھے صرف دوسرے

نہیں کرسکتے۔ ان کو کس آیت نے مستثنیٰ کیا اور ان کے مزار سے استفادہ کس طرح جائز ہوگیا۔ نیز حضور محبوب سبحانی، خواجہ بہاء الدین نقشبند کا دور دراز سے سید صاحب کو معلوم کرلینا اور نسبتِ قادریہ و نقشبندیہ بخشنے پر اور فیوضات و عطیات سے سرفراز کرنے پر قادر ہوجانا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سید صاحب کو کھجوریں کھلانا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا غسل دینا اور سیدہ زہرا رضی اللہ عنہا کا لباس بیش قیمت پہنانا کیونکر درست ہوگیا اور ان امور کو اپنی شخصیت اجاگر کرنے کے لئے بیان کرنا کہاں تک صحیح ہوسکتا تھا۔ ملاحظہ ہو صراط مستقیم۔ صہ ۱۶۴ و ۱۶۶

لہٰذا مستدل کا بیان کیا ہوا معنی اور وجہ استدلال بالکل غلط ہے۔

اب مفسرین کرام نے ان قرائن و شواہد کا جو جواب ذکر فرمایا ہے، اس کو ملاحظہ کیجئے:

خامساً منکرین کے بیان کردہ شواہد کا جواب بزبان مفسرین و کلام مجید:

(۱) وضمیر العقلاء لاجرائهم ایاها مجری العقلاء و وصفها بما ذکر من ترك الاستجابة والغفلة مع ظهور حالهم للتهکم بها و بعبدتها کقوله تعالیٰ ان تدعوهم لایسمعوا دعاءکم واذا حشر الناس (عند قیام الساعة) کانوا لهم اعداء (کانوا بعبادتهم کافرین) ای مکذبین بلسان الحال او المقال علیٰ ما یروی انه تعالیٰ یحیی الاصنام فتتبرء عن عبادتهم۔

ابو السعود الحنفی جلد ۷ صہ ۱۷

خلاصہ ترجمہ: عقلاء میں استعمال ہونے والی ضمیر ہُم، سے ان کو اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ مشرکین ان کو عقلاء کی جا بجا سمجھتے تھے اور اسی طرح جواب نہ دینا اور حاجت و مقصد کو پورا نہ کرنا اور غفلت و بے توجہی والی صفات کا ذکر بھی اسی بنا پر ہے، ورنہ ان کا حال تو سب پر ظاہر ہے۔ لہٰذا یہاں اصنام و اوثان اور ان کے عبادت گزاروں کے ساتھ تہکم و استہزاء ہے اور ان کی سخافتِ عقلی اور جہالت طبعی پر طنز ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ

ان تدعوهم لا یسمعوا (الآیة) یعنی اگر بتوں کو بلاؤ تو وہ تمہاری پکار و ندا کو نہیں سنیں گے اور جب یہ لوگ قیامت کے دن اٹھائے جائیں گے، تو ان کے معبود انہی کے دشمن بن جائیں گے اور ان کی عبادت کا کفر و انکار کریں گے خواہ زبان حال کیساتھ خواہ زبان قال کیساتھ جیسے کہ روایت کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بتوں کو قیامت کے دن زندگی اور قوتِ گویائی عطا فرمائے گا، تب وہ ان مشرکین کی عبادت سے برأت و بیزاری کا اظہار کریں گے۔

(۲) (الیٰ یوم القیامة) وانما جعل ذالك غایة لان یوم القیامة قد قیل انه تعالیٰ یحییها و تقع بینها و بین من یعبدها مخاطبة فلذالك جعله حدًّا واذا قامت القیامة وحشر الناس فهذه الاصنام تعادی هؤلاء العابدین و تتبرء منهم۔ تفسیر کبیر للامام الرازی جلد ۷ صہ ۷۷

ترجمہ: معبوداتِ باطلہ کے جواب نہ دینے کی حد یوم القیامۃ مقرر فرمائی جس سے لازم آئے گا کہ قیامت کے دن وہ ان کو جواب دیں گے، حالانکہ بُت تو قیامت کے دن بھی کیا جواب دے سکتے ہیں تو اس کا جواب دیتے ہوئے امام رازی نے فرمایا کیونکہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انکو زندگی بخشے گا اور ان کے درمیان اور مشرکین کے درمیان گفتگو ہوگی، لہٰذا جواب نہ دینے کی حد قیامت کا دن بنا دیا اور جب قیامت قائم ہوگی، تمام لوگ میدانِ حشر میں جمع ہوں گے تو یہ بُت اپنے عابدوں کے دشمن بن جائیں گے ان سے اور ان کی عبادت سے بیزاری ظاہر کریں گے۔

(۳) تفسیر ابن کثیر میں قولِ باری تعالیٰ واذا حشر الناس کانوا لهم اعداء و کانوا بعبادتهم کافرین کے تحت فرمایا کہ یہ ارشاد اس آیتِ کریمہ کی طرح ہے:

واتخذوا من دون الله آلهة لیکونوا لهم عزًّا کلا سیکفرون بعبادتهم و یکونون علیهم ضدًّا۔ (اور مشرکین نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ معبود بنا لئے تاکہ وہ ان کے لئے عزت و غلبہ کا موجب بن سکیں ہرگز ایسا نہیں ہوگا، عنقریب وہ ان کی برأت

کا اظہار کریں گے اور ان کی ضد و مخالفت کریں گے)

ای سیخو نونهم احوج مایکونون الیه۔ یعنی جب ان کی طرف زیادہ محتاجی ہو گی، اس وقت وہ ان سے خیانت کریں گے اور فرمایا کہ یہ آیت حضرت خلیل علیہ السلام کے ارشاد کی مانند ہے جس کو قرآن کریم نے یوں حکایت فرمایا:

انما اتخذتم من دون اللّٰہ اوثانا مودۃ بینکم فی الحیوٰۃ الدنیا ثم یوم القیامۃ یکفر بعضکم ببعض ویلعن بعضکم بعضاً وماوٰکم النار وما لکم من ناصرین۔

ترجمہ: تم نے دنیوی زندگی میں باہمی محبت کے تحت اوثان و اصنام کو اپنا معبود بنا لیا ہے۔ پھر قیامت کے دن تم ایک دوسرے کو جھٹلاؤ گے اور بیزاری کا اظہار کرو گے اور ایک دوسرے پر لعنت کرو گے اور تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے اور تمہارے لئے کوئی بھی معاون و مددگار نہیں ہے۔ تفسیر ابن کثیر جلد ۴ ص ۱۵۴

لہٰذا اس آیتِ کریمہ کا مابعد اذا حشر الناس کانوا لھم اعداءً (الآیۃ) جب ان مفسرین کرام کے نزدیک بتوں کے متعلق وارد ہے جس میں عداوت اور تکذیب و انکار کی تصریح موجود ہے تو پہلے قرائن کس طرح اصنام و احجار مراد لینے کے منافی ہو سکتے ہیں۔ نیز یہ بھی ان حضرات نے واضح کر دیا کہ مشرکین چونکہ اپنے معبود اصنام کو اربابِ عقل و علم اور اصحابِ فہم و دانش سمجھتے تھے، اس لئے ان کے ساتھ ان کے زعم کے مطابق کلام کی گئی ہے۔

نیز صرف مفسرین کی کلام سے نہیں، بلکہ قرآن کریم نے واضح کر دیا کہ بت اپنے عبادت گذاروں کی تکذیب کریں گے اور ان پر لعنت کریں گے۔ لہٰذا ان قرائن کی بنا پر اصنام و احجار مراد ہونے کا انکار قرآن کے خلاف ہے اور اولیاء کرام رضی اللّٰہ عنہم یا انبیاء علیہم السلام مراد ہونے کا دعویٰ لغو و باطل ہے اور قرآن کریم سے بے خبری اور لاعلمی کی

دلیل ہے۔

(۲) **جواب ثانی:** والذین تدعون من دونه اور من لا یستجیب لہٗ وغیرھما آیات میں اولیاء و انبیاء کو داخل کرنا قرآن کریم کے خلاف ہے اور کتابِ عزیز اس زعمِ فاسد اور قولِ باطل کو رد فرماتی ہے:

۱۔ اللّٰہ تعالیٰ نے فرمایا انکم وما تعبدون من دون اللّٰہ حصب جھنم و انتم لھا واردون۔

بے شک تم خود اور اللّٰہ تعالیٰ کے علاوہ تم جن کی عبادت کرتے ہو، سب کے سب جہنم کا ایندھن ہو اور تم اس میں داخل ہونے والے ہو۔

اس آیت میں مشرکینِ مکہ کو خطاب ہے اور وہ بقولِ منکرین اولیاء و انبیاء کی عبادت کرتے تھے اور لات و منات اور یغوث یعوق و نسر وغیرہ سب صلحاً اور اولیاً تھے؛ لہٰذا ان تمام کا جہنم میں داخل ہونا اور نارِ دوزخ کا ایندھن بننا لازم آئے گا، نعوذ باللّٰہ منہ۔ تو معلوم ہوا کہ ان کے معبود صور و تماثیل اور اصنام و احجار ہیں اور وہی نارِ دوزخ کا ایندھن۔ اور اگر یہ ان کے معبود نہیں، تو ان اصنام کو دوزخ میں داخل کرنا درست نہیں رہے گا، نہ عذاب دینے کے لئے کیونکہ نہ درحقیقت معبود نہ ان کا قصور اور نہ مشرکین کی حسرت و یاس کے لئے کیونکہ مشرکین نے تو اپنی امیدیں اپنے معبودوں سے وابستہ کر رکھی تھیں۔ جب یہ اصنام و اوثان معبود نہیں تو ان کے دوزخ میں جانے سے ان کی حسرت و یاس میں اضافہ کیسے ہو سکتا ہے۔ نیز نہ ما تعبدون میں انبیاء و اولیاً داخل اور نہ ہی اصنام و احجار تو آخر اس کا مصداق کون سی شے ہو گی؛ لہٰذا قطعی طور پر ثابت ہو گیا کہ وما تعبدون من دون اللّٰہ سے اصنام و اوثان اور صور و تماثیل مراد ہیں اور اس پر یہ آیت شاہد ہے اذ قال لابیه وقومه ما ھذه التماثیل التی انتم لھا عاکفون قالوا وجدنا آباءنا لھا عابدین قال لقد کنتم انتم وآباؤکم فی ضلال مبین۔

جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اباً اور قوم سے کہا کہ یہ کیسی مورتیاں ہیں تم جن کی پوجا کر رہے ہو تو انہوں نے کہا ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو ان کی عبادت کرتے ہوتے پایا، لہٰذا ان کی تقلید میں ہم بھی عبادت کرتے ہیں، تو آپ نے فرمایا بتحقیق تم اور تمہارے آباؤ اجداد کھلی گمراہی میں تھے۔

(۲) ان یدعون من دونہ الا اناثاوان یدعون الا شیطانا مریدًا لعنہ اللہ۔

ترجمہ: مشرکین مؤنث اور مادہ اشیاء ہی کی عبادت کرتے ہیں اور صرف شیطان کی عبادت کرتے ہیں جس پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے۔

اس آیتِ کریمہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی عبادت کو عبادتِ اناث اور عبادتِ شیطان میں منحصر کر دیا ہے جس پر اللہ کی لعنت ہے۔ اگر العیاذ باللہ اولیاء کرام رضی اللہ عنہم اور انبیاء کرام علیہم السلام ان معبوداتِ باطلہ میں داخل ہوں، تو ان کیلئے مؤنث ہونے اور شیطان ہونے کا اقرار و اعتراف لازم آتا ہے اور دنیا میں کوئی ایسا کافر بھی نہیں جو ان مقدس ہستیوں کے حق میں اس قباحت کا التزام کرے لہٰذا قطعی طور پر ثابت ہوا کہ معبوداتِ باطلہ صرف احجار واصنام اور صور و تماثیل ہیں نہ کہ عباد اللہ المخلصین جو ہمیشہ شرک و کفر سے منع کرتے رہے اور عند اللہ مقرب و مکرم ہیں اور مراتبِ عالیہ و درجاتِ رفیعہ پر فائز۔

(۳) قال اللہ ویوم نحشرھم جمیعا ثم نقول للملائکۃ أھولاء ایاکم کانوا یعبدون قالوا سبحانک انت ولینا من دونھم بل کانوا یعبدون الجن اکثرھم بھم مومنون۔

ترجمہ: اور قیامت کے دن ہم سب معبودوں اور عابدوں کو میدانِ حشر میں جمع کرینگے پھر ہم ملائکہ سے دریافت کریں گے کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کیا کرتے تھے تو وہ کہیں گے اے اللہ تو پاک ہے، تو ہمارا ولی و آقا ہے اور محب و ناصر ہمارا ان سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ وہ تو جنوں کی عبادت کرتے تھے اور اکثر انہیں پر ایمان رکھنے والے ہیں۔

اگر ملائکہ درحقیقت معبود ہوتے اور مشرکین جنہوں نے ملائکہ مدبرین کے نام پر بُت بنا کر ان کی عبادت کی۔ وہ درحقیقت ملائکہ کی عبادت ہوتی تو کبھی بھی ملائکہ معصومین یہ نہ کہتے کہ یہ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے، بلکہ جنوں کی عبادت کیا کرتے تھے، ورنہ ان معصومین سے کذب بیانی اور غلط بیانی کا صدور لازم آئے گا اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کے روبرو تمام تمام خلائق کی موجودگی میں اور یہ قطعاً محال و باطل ہے، تو معلوم ہوا کہ ملائکہ کے نام پر اصنام وانصاب کی عبادت ملائکہ کی عبادت نہیں۔ لہٰذا اولیاء وانبیاء علیہم السلام کے صور و تماثیل کی عبادت ان کی عبادت نہیں۔ نیز اہلِ قبور اولیاء اللہ رضی اللہ عنہم اور انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی ان معبودات میں داخل کریں، تو ان کیلئے بھی حصبِ جہنم اور شیطان مریدًا ہونا نعوذ باللہ لازم آئے گا؛ لہٰذا ان کا یہاں داخل کرنا لغو و باطل ہے۔

(۴) قال اللہ تعالیٰ۔ اللہ ولی الذین آمنوا یخرجھم من الظلمات الی النور والذین کفروا اولیاءھم الطاغوت یخرجونھم من النور الی الظلمات اولئک اصحاب النار ھم فیھا خالدون۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ایمان داروں کا ولی ہے جو انہیں ظلمتوں سے نور کی طرف نکالتا ہے اور کفر سے اسلام تک پہنچاتا ہے اور کفار و مشرکین کے ولی و مددگار طاغوت ہیں جو ان کو نورِ اسلام و فطرت سے کفر والی تاریکیوں تک پہنچاتے ہیں وہ دوزخی ہیں ہمیشہ اس میں رہنے والے ہیں۔

اگر کفار و مشرکین کے طاغوتوں اور اولیاء میں مقربانِ بارگاہِ خداوندی داخل ہوں، تو ان کا نعوذ باللہ طاغوت ہونا لازم آئے گا اور دوزخی ہونا اور ہمیشہ کے لئے دوزخ میں رہنا اور یہ واضح البطلان والفساد ہے۔ نیز طاغوت کے ساتھ کفر کرنا واجب و لازم ہے فمن یکفر بالطاغوت ویومن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقیٰ۔ اور انبیاء و رسل پر ایمان لانا فرض، معبوداتِ باطلہ اور طاغوت کی عداوت و دشمنی ایماندار

کے لئے فرض اور اولیاء کرام کی محبت عین ایمان۔ اور ان کی دشمنی وعداوت اللہ تعالیٰ کے
ساتھ جنگ کے مترادف من عادیٰ لی ولیا فقد آذنته بالحرب۔ لہٰذا معلوم ہوا
کہ انبیاء کرام ورُسل عظام اور دیگر مقربانِ بارگاہِ خداوندی ان آیات میں داخل نہیں۔

(۵) اللہ تعالیٰ نے ہمیں تعلیم دی ہے کہ مجھ سے یہ دُعا مانگا کرو اھدنا الصراط
المستقیم صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین
اے اللہ ہمیں سیدھی راہ چلا ان لوگوں کے راہ پر جن پر تیرا انعام ہے، نہ ان لوگوں کے
راستہ پر جو راہِ حق سے بھٹکے ہوتے ہیں۔ دوسرے مقام پر آپ نے فرمایا من یطع اللہ
والرسول فاولئك مع الذین انعم اللہ علیہم من النبیین والصدیقین والشہداء
والصالحین۔ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت
کرے گا، تو اسے ان مقدس ہستیوں کی معیت ورفاقت نصیب ہوگی جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام
ہے۔ یعنی انبیاء کرام علیہم السلام، صدیقین اور شہداء وصالحین۔ ان دونوں آیات نے
واضح کر دیا کہ ہمیں تمام اوقات میں بالعموم اور ہر فرض ونفل اور واجب وسنت نمازیں
بلکہ ان کی ہر ہر رکعت میں اللہ تعالیٰ سے یہ دُعا مانگنے کا حکم دیا گیا ہے کہ اے اللہ ہمیں انبیاء
واولیاء اور شہداء وصلحاء کی راہ پر چلا۔ اگر نعوذ باللہ یہ مقدس ہستیاں معبوداتِ باطلہ اور من
دون اللہ میں داخل ہوتیں، تو ان کی راہ پر چلنا کفر وشرک اور ضلالت وگمراہی ہوتا نہ یہ کہ خود
اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی تعلیم فرماتا اور ان کے نقوشِ اقدام کو ہمارے لئے منزلِ مقصود
ٹھہراتا، لہٰذا قطعی طور پر ثابت ہوگیا کہ یہ مقدس ہستیاں اور مقربانِ بارگاہِ خداوندی معبوداتِ
باطلہ اور اربابِ من دون اللہ میں داخل نہیں نہ حالتِ حیاتِ ظاہرہ میں اور نہ ہی وصال
ووفات کے بعد۔

(۶) الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ھم یحزنون۔ (آگاہ رہو بیشک
جو لوگ اللہ تعالیٰ کے دوست اور پیارے ہیں نہ ان پر کوئی خوف ہے اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے)

اگر اولیاء کاملین اولیاء من دون اللہ میں داخل ہوتے تو جہنم کا ایندھن ہوتے اور
لعنت کے مستحق۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ لہٰذا یہ ثابت ہوا کہ یہ محبوبانِ خدا تعالیٰ اس زمرہ میں
داخل نہیں۔

(۷) ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیہم الملائکۃ
ان لا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون نحن اولیاءکم
فی الحیوٰۃ الدنیا وفی الاخرۃ ولکم فیہا ما تشتھی انفسکم ولکم فیہا ما تدعون
نزلا من غفور رحیم۔

تحقیق وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے، پھر اس پر ثابت قدم ہوگئے
ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں جو ان کو بشارت دیتے ہیں کہ تمہارے لئے خوف وحزن نہیں
اور اس جنت کی خوشخبری قبول کرو جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا تھا۔ ہم تمہارے دوست ہیں
دنیوی زندگی میں اور اخروی زندگی میں بھی اور تمہارے لئے جنت میں ہر وہ نعمت موجود
ہے جس کی تمہیں خواہش ہو اور ہر وہ نعمت جس کا تم مطالبہ کرو، درآں حالیکہ وہ تمہارے رب
کی طرف سے تمہارے لئے مہمانی ہے، اس ارشاد باری تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ
اولیاء اللہ اور اربابِ استقامت کے لئے خوف وحزن نہیں۔ ان کو جنت کی خوشخبری
موت سے پہلے سنا دی جاتی ہے۔ ان کے لئے ہر نعمتِ مطلوبہ اور راحتِ مقصودہ کا
اعلان واظہار فرما دیا جاتا ہے اور دنیا وآخرت میں اللہ تعالیٰ کی عنایت بے غایت
اور محبت وولایت کا پیغام سنا دیا جاتا ہے اور معبوداتِ باطلہ کے لئے قطعاً انعام
واکرام ثابت نہیں لہٰذا انہیں اس زمرہ میں داخل کرنا قطعاً غلط ہے۔

(۸) ان الذین سبقت لہم منا الحسنیٰ اولئك عنہا مبعدون لا یسمعون
حسیسہا وہم فیما اشتہت انفسہم خالدون لا یحزنہم الفزع الاکبر وتتلقہم
الملائکۃ ھذا یومکم الذی کنتم توعدون۔

تحقیق وہ لوگ جن کے لئے ہماری طرف سے بھلائی کا وعدہ ہو چکا ہے، وہ نارِ جہنم سے دور رکھے جائیں گے۔ وہ نارِ جہنم کے جوش و خروش کی آواز بوجہ دوری کے ذرہ بھر بھی نہیں سنیں گے اور اپنی پسندیدہ نعمتوں میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔ انہیں سب سے بڑی گھبراہٹ (خوفِ رستاخیز اور دہشتِ قیامت) غم میں نہیں ڈالے گی اور فرشتے ان کی پیشوائی اور استقبال کے لئے آئیں گے (قبروں سے نکلتے وقت مبارک باد کہتے اور تہنیت کہتے ہوئے) کہ یہ ہے تمہارا وہ دن جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔

اس آیتِ کریمہ سے قبل معبوداتِ باطلہ کا نارِ جہنم میں داخل ہونا اور دوزخ کی آگ کا ایندھن بننا بیان فرمایا انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جہنم انتم لہا واردون لو کان ہؤلاء آلہۃ ما وردوہا و کل فیہا خالدون۔

اے مشرکین تم اور تمہارے معبوداتِ باطلہ جہنم کا ایندھن ہیں اور تم سب اس میں داخل ہونے والے ہو۔ اگر تمہارے معبود درحقیقت آلہہ ہوتے تو دوزخ کی آگ میں داخل نہ ہوتے اور یہ سب ہمیشہ اس میں رہنے والے ہیں۔ تفسیر ابوالسعود میں مذکور ہے:

کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیتِ کریمہ کو مشرکین پر تلاوت کیا تو ابن زبعری نے کہا ہمارے بت اور اصنام و انصاب اگر جہنم میں داخل ہوں گے، تو عیسائی حضرتِ مسیح کی عبادت کرتے ہیں اور یہودی حضرت عزیز کی پرستش کرتے ہیں اور بنی ملیح ملائکہ کی پوجا کرتے ہیں، لہٰذا وہ بھی جہنم میں داخل ہوں گے تو اللہ تعالیٰ نے ان بدباطنوں کے اعتراض کو رد کرنے کے لئے فرمایا کہ انبیاء کرام اور ملائکہ یا دوسرے اولیاء اور شہداء و صلحاء کے لئے ہماری طرف سے وعدۂ خیر اور پیمان جود و عطا ہو چکا ہے لہٰذا ان کا یہ انجام نہیں، بلکہ یہ صرف تمہارے معبوداتِ باطلہ اور ارباب من دون اللہ اور شفعاءِ فرضیہ کا انجام بد اور عاقبت قبیحہ ہے۔

آخری دونوں آیات نے یہ بھی واضح کر دیا کہ اولیاء کرام اور اربابِ استقامت

کے لئے منہ مانگی نعمتیں موجود ہیں اور ہر طرح کا انعام و کرام انہیں حاصل لہٰذا ان کو اور شہداء صالحین کو ما یملکون من قطمیر کا مصداق بنانا لغو و باطل ہے اور اسی طرح شہداء کرام کے حق میں وارد قولِ باری تعالیٰ بل احیاء عند ربہم یرزقون فرحین اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ارشاد ربانی و للاخرۃ خیر لک من الاولیٰ ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ و غیر ذالک من الآیات قولِ منکرین کے بطلان و خذلان پر اولّ دلیل ہیں۔

لہٰذا اصنام و انصاب اور صور و تماثیل کے حق میں وارد آیات کو انبیاء کرام رسل عظام علیہم السلام اور اولیاء اللہ تعالیٰ اور شہداء و صالحین پر چسپاں کرنا قطعاً باطل ہے اور اہلِ قبور و اربابِ برزخ کے حق میں وارد آیات و احادیث جو کہ ان کی حیاتِ برزخیہ اور علم و ادراک اور فہم و سماع پر دلالت کرتی ہیں کی بنا پر ان مقدس شخصیتوں کو من لا یستجیب لہٗ الیٰ یوم القیامۃ وہم عن دعاءہم غافلون اور والذین تدعون من دونہ ما یملکون من قطمیر ان تدعوہم لا یسمعو دعاءکم (الآیۃ) وغیرہ کا مصداق بنانا قطعاً مردود اور ناقابلِ تسلیم ہے بلکہ جس طرح ان الذین سبقت لہم منا الحسنیٰ (الآیۃ) نے حضرتِ عزیز علیہ السلام، حضرت مسیح علیہ السلام اور ملائکہ مقربین کو انکم و ما تعبدون من دون اللہ حصب جہنم سے مستثنیٰ کر دیا اور کفار کے زعم فاسد اور قولِ باطل کو رد کر دیا ہے، اسی طرح ہماری پیش کردہ آیات بینات نے اور اس کے علاوہ قرآن و حدیث میں مذکور دلائل نے خارجیوں کے اس زعمِ فاسد اور قولِ باطل کا فساد و بطلان بھی واضح کر دیا ہے نیز ان کی قرآن دانی اور مطالب فہمی کا بھانڈا بھی عین چوراہے میں پھوٹ گیا جو اعتراض کفار و مشرکین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا اور اپنے مقربین کو علیحدہ فرما دیا، وہی اعتراض اب ان اسلام و ایمان کے دعوے داروں نے اہلِ اسلام اہل السنت والجماعت پر کر دیا اور یہ پتہ نہ چلا کہ یہ اعتراض

ان لوگوں کا ہے اور کس پر ہے اور اس کا جواب تو کئی صدیاں پہلے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ذکر فرما دیا ہے اور یہی علامت ان کی صادق و مصدوق رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی یقرءون القرآن لا یجاوز حناجرھم - وہ قرآن پڑھیں گے مگر ان کے حلق سے نیچے یعنی دل تک نہیں اترے گا تاکہ مطالب و معانی میں غور و فکر کر سکیں۔

الغرض حضرت مسیح علیہ السلام، حضرت عزیر علیہ السلام اور ملائکہ مقربین کے رضا و رغبت اور امر و حکم کے بغیر اگر کوئی شخص ان کے ساتھ وہی سلوک کرے جو شانِ مخلوق کے شایاں نہیں تو اس سے ان کا مستحق وعید و عتاب ہونا لازم نہیں آسکتا اور نہ ان کے خدا داد کمالات و مراتب چھن جانا لازم آتا ہے بلکہ وہ عند اللہ اسی کرامت و عزت کے مستحق ہیں، جس کے وہ معبود بنائے جانے سے قبل مستحق تھے، اسی طرح باقی انبیاءؑ و اولیاءؒ کو بالفرض کوئی معبود مان لے، تو اس سے ان کی طیبات منصوصہ اور رزق و نعمت وغیرہ کا سلب ہو جانا اور اصنام و احجار کی مثل بن جانا اور علم و ادراک اور سماع و فہم سے عاری ہونا کیسے لازم آسکتا ہے جس طرح کہ لوگوں نے نمرود، شداد اور فرعون کو خدا مان لیا اور مجوس نے شیطان کو شریک باری تعالیٰ تسلیم کر لیا، مگر ان سے علم و ادراک اور حیات و زیست اور سماع و فہم کی نفی و سلب لازم نہ آئی۔

سوال: مفسرین کرام نے قولِ باری تعالیٰ ومن اضل ممن یدعو من دون اللہ من لا یستجیب لہ الی یوم القیامۃ وھم عن دعاءھم غافلون میں ملائکہ مقربین اور انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام رضی اللہ عنہم کا مراد ہونا جائز رکھا ہے۔

تفسیر ابی السعود میں ہے قد جوز ان یراد کل من عبد من دون اللہ من الملائکۃ والجن والانس وغیرھم ویراد بذالک تبرءھم عنھم وعن عبادتھم - جلد ھفتم ص۲۹

امام رازی نے فرمایا وقال بعضھم بل المراد عبدۃ الملائکۃ وعیسیٰ

علیہ السلام فانھم فی یوم القیامۃ یظھرون عداوۃ ھؤلاء العابدین۔ تفسیر کبیر جلد ھفتم ص۲۷۰ لہٰذا جب ان کا ارادہ کرنا درست ہے تو ان سے جواب دینے کی نفی ثابت ہو جائے گی اور عابدین سے لاعلمی اور بے خبری بھی اور ان کی ندا و پکار سے غفلت بھی ثابت ہو جائے گی اور یہی مقصود مانعین کا تھا جو مفسرین کی کلام سے ثابت ہو گیا۔

جواب اول: کلام مفسرین کا اسلوب و انداز اس امر کا غماز ہے کہ یہ قول ان کے نزدیک مختار اور قابلِ قبول نہیں، ورنہ اس قول کو علامات تضعیف و تمریض یعنی قد جوز اور قال بعضھم کے الفاظ سے تعبیر نہ کرتے، کیونکہ قد جوز میں فعل مجہول کا ذکر اور مجوز و قائل کا ابہام اور اسی طرح قال بعضھم میں اس قول کی غیر کی طرف نسبت اور اسے مبہم رکھنا اس قول کے غیر مختار ہونے پر واضح قرینہ ہے۔ نیز مفسرین کرام معتزلہ و خوارج وغیرہ کے اقوال بھی تفاسیر میں ذکر کر دیتے ہیں جو ان کے مذہب و مسلک کے مطابق غلط ہوتے ہیں لیکن محض بیان اقوال کے لئے ان کو نقل کر دیتے ہیں اور عدم رضا اور ناپسندیدگی پر تنبیہ بھی کر دیتے ہیں اور ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ بعض معتزلہ، خوارج اور روافض کے نزدیک اہل قبور اور ارباب برزخ جماد ہیں، حیات و روح اور علم و ادراک سے عاری ہیں۔ لہٰذا یہ قول ان کی طرف سے حکایت ہے۔ اگر اپنا مختار ہوتا اور کوئی وجہ فساد و بطلان اس میں نہ ہوتی تو اس قول کو اول اول ذکر کرنا ضروری تھا، کیونکہ اس تقدیر پر من لا یستجیب لفظ ھم اور غافلون میں خلاف ظاہر کے ارتکاب کی کوئی ضرورت نہیں رہتی تھی۔ بخلاف پہلی تفسیر کے جو ہم انہیں مفسرین کرام کی زبانی عرض کر چکے ہیں کہ اس آیتِ کریمہ میں اصنام و انصاب اور صور و تماثیل کی عبادت کرنے والوں کی گمراہی و بے دینی کا بیان ہے اور چونکہ وہ لوگ اپنے معبودات باطلہ کو اربابِ علم و عقل سمجھتے تھے، اس لئے ان کو ذوی العقول کی صفات اور ضمیروں سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بہرحال یہ حکایت قول ضعیف ہے نہ کہ ان کا مذہب مختار

لہٰذا پہلی تفاسیر کے برعکس اس کا مراد ہونا باطل ہے، بلکہ جوابِ ثانی میں پیش کردہ آیات اور ثبوتِ حیات اور ادراک و علم اور سماع پر دال آیات و احادیث کی رو سے بھی یہ معنی مردود ہے۔

جوابِ ثانی: یہ قول خلافِ حقیقت ہے اور نفس الامر والواقع کے مطابق نہیں کیونکہ مشرکین نے کبھی بھی کسی فرشتہ کی عبادت نہیں کی کیونکہ وہ نورانی ہونے کی وجہ سے ان کے ابصار و ادراک سے ماوراء ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کو اسی لئے ترک کر بیٹھے کہ وہ ہمیں نظر نہیں آتا، اس کی عبادت کیسے کریں تو ملائکہ کی عبادت کیسے کر سکتے ہیں۔ اسی طرح کسی نبی کی ذات یا ولی کی ذات کو انہوں نے معبود نہیں بنایا، حالتِ حیاتِ ظاہرہ میں تو واضح ہے، کوئی نبی یا ولی انہیں اس بات کی اجازت کیسے دے سکتا تھا کہ ان کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنالیا جائے۔ قال اللہ تعالیٰ ما کان لبشر ان یوتیہ اللہ الکتاب والحکمۃ ثم یقول للناس کونوا عباداً لی۔

اور نہ ہی وصال و وفات کے بعد کیونکہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین مکہ نے انبیاء و رسل اور اولیاء و صلحاء نیز ملائکہ مقربین کے نام پر اپنے خیال فاسد اور زعم باطل کے مطابق فرضی صور و اشکال پر پتھروں کو تراش خراش کے اصنام و انصاب بنالئے اور صور و تماثیل کا اختراع کر کے ان کی عبادت شروع کر دی۔ قرآن کریم نے اس حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا ما تعبدون من دونہ الا اسماءً سمیتموھا انتم و اباءکم ما انزل اللہ بھا من سلطان۔ اے مشرکو! تم اللہ تعالیٰ کے علاوہ نہیں عبادت کرتے، مگر اسماء (ناموں) کی جن کو تم نے اور تمہارے آباء و اجداد نے اختراع کیا اور اپنی طرف سے مجسمے بنا کر ان کو ان ناموں کے ساتھ تعبیر کر دیا، اور اللہ تعالیٰ نے ان کی کوئی سند اور دلیل نازل نہیں فرمائی اور یہی معنی شاہ عبدالعزیز کی کلام سے ظاہر ہے جیسا کہ گزر چکا، نامِ نام اولیا بود در حقیقت حقیقت شیطان۔ نیز اللہ تعالیٰ نے حضرت خلیل علیہ السلام کی کلام نقل فرماتے ہوئے

فرمایا: ما ھذہ التماثیل التی انتم لھا عاکفون قالوا وجدنا آباءنا لھا عابدین۔ یہ کیسی مورتیاں ہیں تم جن کی عبادت کرتے ہو تو مشرکین نے جواب میں کہا، ہم نے اپنے آباؤ و اجداد کو ان کی عبادت کرتے دیکھا لہٰذا ہم بھی کرتے ہیں ہمیں ان کی حقیقت کا کوئی علم نہیں ہم صرف مقلد ہیں، نیز فرمایا انما تتخذتم من دون اللہ اوثاناً (الایۃ)، تم نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ صرف اوثان و اصنام کو معبود بنالیا ہے۔ انما کلمہ حصر ہے اور الا اسماءً بھی حصر پر دلالت کرتا ہے جس سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ مشرکین صرف اصنام کی عبادت کرتے تھے اگرچہ ان کا نام اولیاء کرام یا انبیاء عظام کے ناموں پر رکھ لیتے تھے یا ملائکہ مقربین کے نام پر۔

امام رازی نے فرمایا ان القوم یعتقدون ان اللہ فوض تدبیر کل واحد من الاقالیم الی ملک بعینہ (الی) فلما اعتقدوا ذالک اتخذوا لکل واحد من اولئک الملائکۃ صنما مخصوصا و ھیکلا مخصوصا و یطلبون من کل صنم ما یلیق بذالک الروح الفلکی من الاثار والتدبیرات۔ تفسیر کبیر جلد چہارم صفحہ ۵۵۶

ترجمہ: قوم مشرکین یعنی ملائکہ کی عبادت کرنے والوں نے یہ اعتقاد کر لیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہفت اقلیم میں سے ہر اقلیم کا انتظام و انصرام ایک ایک فرشتہ کے سپرد فرما دیا (تا)، جب یہ عقیدہ رکھ لیا، تو ان میں سے ہر ایک کے لئے مخصوص بت اور خاص ہیکل بنالیا اور ہر بت سے ان آثار و تدبیرات کا مطالبہ کرنے لگے جو اس کے مناسب روح آسمانی کے لائق تھے۔

نیز فرمایا انہ متی مات منھم رجل کبیر یعتقدون انہ مجاب الدعوۃ و مقبول الشفاعۃ عند اللہ اتخذوا صنما علیٰ صورتہ یعبدونہ علیٰ اعتقاد ان ذالک الانسان یکون شفیعا لھم یوم القیامۃ علیٰ ما اخبر اللہ عنھم ھؤلاء شفعاءنا عند اللہ (الی) لعلھم کانوا من المجسمۃ فاعتقدوا جواز حلول

الرب فيها فعبدوها على هذا التاويل - تفسير كبير - جلد اول ص ۲۱۹

ترجمہ: جب ان میں کوئی بڑا آدمی فوت ہو جاتا جس کے مقبول الدعا اور مقبول الشفاعت ہونے کا ان کو اعتقاد ہوتا تھا، تو اس کی صورت پر ایک بُت بنا لیتے تھے اور اس اعتقاد پر اس کی عبادت کرتے تھے کہ وہ انسان قیامت کے دن ان کے لئے شفیع ہوگا جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے خبر دیتے ہوئے فرمایا ھؤلاء شفعاءنا عند اللہ یا ان مشرکین کی بت پرستی کا باعث یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو نعوذ باللہ مجسم مانتے تھے اور ان اصنام و احجار میں اس کے حلول و نزول کو جائز رکھتے تھے اور اس تاویل کی بناء پر ان بتوں کی عبادت کرتے تھے۔ یہی حضرت عبداللہ بن عباس کا ود، سواع وغیرہ کے متعلق ارشاد ہے اسماء رجال صالحین جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

امام رازی کی کلام سے واضح ہو گیا کہ مشرک صرف اصنام و اوثان کی عبادت کرتے تھے۔ اگرچہ ان پر فرشتوں یا نبیوں اور ولیوں کے نام اطلاق کرتے تھے۔ نیز وہ اصنام کی عبادت اس زعم پر بھی کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان میں موجود ہے، لیکن اس تاویل پر اصنام کی عبادت اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں ہو سکتی۔ مثلاً بنی اسرائیل نے بچھڑے کی عبادت اس زعم پر کی کہ دراصل موسیٰ علیہ السلام کا خدا یہ ہے، وہ بھول کر کوہِ طور پر چلے گئے ہیں جیسا کہ قرآن کریم ان کے اس اعتقادِ فاسد کی شہادت دے رہا ہے۔ اسی طرح ان میں انبیاء علیہم السلام اور اولیاء عظام علیہم الرضوان کی روحانیت کو کارفرما سمجھ لینے سے ان کی عبادت انبیاء و اولیاء کی عبادت نہیں بن سکتی۔

نیز موجودہ دَور میں بُت پرستوں کے معابد وغیرہ میں بتوں کا نصب ہونا اور ان کی عبادت کرنا ہر ایک کو معلوم ہے۔ یہود و نصاریٰ حضرت عزیز اور عیسیٰ علیہما السلام کے نام پر بت بنا کر پوجتے ہیں۔ حضرت مریم کا بت اور صلیب ان کا معبود ہے اور یہی حال ہندوستانی کفار و مشرکین ہنود کا ہے اور اہل مکہ کا حرم کعبہ میں تین سو ساٹھ بُت نصب کر کے ان کی

عبادت کرنا کسی سے مخفی نہیں بلکہ انہیں جو بھی خوبصورت پتھر نظر آتا، اس کو معبود بنا لیتے اور اگر اس سے اچھا پتھر مل جاتا تو پہلے کو پھینک دیتے اور اگر کوئی پتھر دستیاب نہ ہوتا تو مٹی کا ڈھیر بنا کر اس پر دودھ دوھ کر اس کی عبادت شروع کر دیتے۔ دیکھئے بخاری شریف جلد دوم ص ۶۲۸

يقول (ابو رجاء العطاردي) كنا نعبد الحجر فاذا وجدنا حجرا هو خير منه القيناه واخذنا الاخر فاذا لم نجد حجرا جمعنا جثوة من تراب ثم جئنا بالشاة فحلبناه عليه ثم طفنا به الخ

لہٰذا ان اصنام و احجار کی بجائے ملائکہ انبیاء کرام اور اولیاء کرام اور شہداء عظام پر اس آیت کا منطبق کرنا حقیقت و واقعہ کے خلاف اور مشاہدہ کے برعکس تصریح ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مخالف بلکہ خود قرآن کریم کے مخالف ہے۔ لہٰذا یہ قول لغو و باطل ہے۔

۳۔ جواب ثالث: بالفرض تسلیم کر لیں کہ یہاں ملائکہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دیگر اولیاء و انبیاء علیہم السلام داخل ہیں، لیکن پھر بھی مدعائے خصم ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ ملائکہ اور حضرت مسیح علیہ السلام نہ نزولِ آیت کے وقت اور نہ ہی اب تک اہلِ قبور اور اہلِ برزخ میں داخل ہوئے؛ لہٰذا اس مادۂ خاص میں سماع و فہم کی نفی خصم کے لئے محلِ نزاع میں مفید نہیں ہو سکتی، کیونکہ کلام اہلِ قبور کی معرفت زائرین اور ان کے سماع و سلام و کلام میں ہے نہ کہ زندہ ملائکہ اور حضرت مسیح علیہ السلام میں جو کہ آسمانوں پر جاگزیں ہیں، نیز اگر انتفی مسافتِ بعیدہ سے ان کے لئے سماع وغیرہ ثابت نہ ہو تو اس سے قریب جگہ سے سماع خطاب اور فہم ندا کی نفی نہیں ہو سکتی۔ پھر ملائکہ تو نفخۂ اولیٰ اور ثانیہ کے درمیان فوت ہوں گے، اس سے پہلے ان پر وفات نہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب نازل ہوں گے، تو ان کے بُت بنا کر ان کی عبادت کرنے والے اور ان کی الوہیت وغیرہ کے قائل ان غلط عقائد سے توبہ کر لیں گے۔ قال اللہ تعالیٰ وان من اہل الکتاب الا لیومنن

بہ قبل موتہ اور بعد میں ان کی عبادت کرنا ثابت نہیں، لہذا اس صورت کا ما نحن فیہ اور محلِ بحث سے کوئی تعلق نہیں۔

۴جوابِ رابع: نیز ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ملائکہ مقربین اور انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء و صلحاء کی توجہات کو اپنی طرف جذب کرے اور ان مشرکین و کفار کے اعمالِ شنیعہ اور افعالِ قبیحہ سے ان کی توجہ ہٹا دے تاکہ انہیں ان کی حرکات سے ایذاء اور تکلیف نہ پہنچے اور یہ وجہ ان کے لئے اضطراب کا موجب نہ بنیں۔ نیز آیت کریمہ میں لایستجیب کا ظرف لہٗ کے ساتھ مقید کرنا اور عن دعائہم غافلون میں غفلت کا دعا مشرکین سے مخصوص کرنا اس توجیہ پر واضح قرینہ ہے، لہذا صرف عبادت کر کے موجب ایذاء بننے والوں سے غفلت و بے التفاتی ثابت ہوگی نہ کہ مومنین مخلصین سے بھی جو باعثِ ایذاء اور درد و رنج نہیں، بلکہ ایصال ثواب وغیرہ کی وجہ سے موجبِ فرحت و سرور بنتے ہیں۔ اس جواب کی تائید علامہ محمود آلوسی صاحب روح المعانی کی زبانی سماعت فرمائیے۔

قولہ تعالیٰ: وہم عن دعاءہم غافلون۔ لایسمعون لاید دون اما انکان المدعو جمادا فظاہر واما ان کان من ذوی العقول فانکان من المقربین عند اللہ فلاشتغالہم عن ذالک بما ہو فیہ من الخیر او کونہ فی محل لیس من شان الذی فیہ ان یسمع دعاء الداعی للبعد کعیسیٰ علیہ السلام الیوم اولان اللہ یصون سمعہم عن سماع ذالک لکونہ مما لا یرضی اللہ ان یولمہ لو سمعہ وان کان من اعداء اللہ کشیاطین الجن والانس الذین عبدوا من دون اللہ فان کان میتا فلاشتغالہٗ بما ہو فیہ من الشر وقیل لان المیّت لیس من شانہ السماع ولایتحقق منہ السماع الا معجزۃ کسماع اہل القلیب وفی ہذا کلام قد تقدم بعضہ الخ

تفسیر روح المعانی جلد ۲۶ ص۷

ترجمہ: قول باری تعالیٰ وہم عن دعائہم غافلون کا مطلب یہ ہے کہ جن کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ معبود بنا لیا گیا ہے، وہ ان کی دعا و پکار کو نہیں سنتے اور نہ ہی سمجھتے ہیں، اگر معبود جمادات اور پتھر کے بُت ہیں، تو نہ سننا اور نہ سمجھنا ظاہر ہے، لیکن اگر وہ ذوی العقول ہیں تو مقربین میں سے ہیں، تو سماع و فہم اور ادراک و علم عابدین کی نداء و پکار کا اس لئے نہیں ہے کہ وہ خداداد انعامات و عطیات میں مشغول و مصروف ہوتے ہیں یا وہ ایسے محل بعید میں ہیں کہ جو اس میں ہو، وہ پکارنے والے کی پکار کو بعد منزل اور طول مسافت کی وجہ سے نہیں سن سکتا جس طرح کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اب اور یا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ان مقربانِ درگاہ کے کانوں کو اس نداء و پکار کے سننے سے محفوظ رکھتا ہے کیونکہ ایسی نداؤں کا سننا ان کے لئے باعثِ رنج و الم بنتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ان کی تکلیف پسند نہیں۔ اور اگر وہ معبود دشمنانِ خداوند ہیں جیسے کہ جنوں اور انسانوں میں شیطان جن کی اللہ تعالیٰ کے علاوہ عبادت کی گئی ہے تو اگر وہ میت ہیں، تو وہ اپنے عذاب و عتاب میں مشغول و مصروف ہونے کی وجہ سے نہیں سن سکتے اور بعض لوگوں نے غفلت اور لاعلمی کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ میت میں صلاحیت سننے کی نہیں اور اس سے سماع صرف معجزہ کے طریقہ پر متحقق ہوتا ہے جیسا کہ اہلِ قلیب کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نداء و کلام کو سُننا لیکن اس جواب پر اعتراض ہے جس کا بعض حصہ پہلے گزر چکا ہے۔

اقول: اس کلام سے مراد علامہ آلوسی کی وہ تحقیق ہے جو انہوں نے انک لا تسمع الموتیٰ ولا تسمع الصم الدعاء اذا ولو مدبرین (الآیۃ) کے تحت نقل کی ہے یعنی والحق ان الموتی یسمعون فی الجملۃ الخ ملاحظہ کیجئے روح المعانی جلد ۲۱ ص۴۹ و ۵۱ انک لاتسمع الموتیٰ کی تحقیق میں علامہ موصوف کی تحقیق کو درج کیا جا چکا ہے اور حضرت صدیقہ کے قول کی تحقیق میں بھی اس کا ذکر آئے گا۔ بہر حال آخری وجہ علامہ کے نزدیک درست نہیں۔

الحاصل جو مقصد مستدل اور مانع کا تھا مفسرین نے اس کو رد فرمایا اور جو مقصد ومطلب اور مفہوم ومحمل انہوں نے بیان کیا۔ وہ مانعین کی غرض نہیں۔ لہٰذا اس آیت کریمہ سے علی الاطلاق نفی سماع پر استدلال لغو وباطل ہے۔ اور کتاب وسنت کے منافی، جمہور اہلِ اسلام کے مذہب ومسلک کے خلاف ہے۔

(نوٹ) او لان اللہ یصون سمعہ، الخ سے ان اللہ یسمع من یشاء کا مطلب بھی واضح ہو گیا اور اسماع کو مشیت کے ساتھ مقید کرنے کی وجہ بھی معلوم ہو گئی یعنی اللہ تعالیٰ اپنے مقبول ومحبوب برگزیدہ اشخاص کو ناپسندیدہ اور غیر موزوں وناشائستہ کلمات نہیں سناتا جو ان کے لئے پریشانی خاطر اور ملالِ طبع کا موجب بنیں بلکہ صرف وہ کلمات سناتا ہے جو فرحت وسرور اور سکون وراحت کا موجب بنیں۔

(۵) **جواب خامس** : اس آیت کریمہ میں دو طرح کی تغلیب ہے۔ اول تغلیب عقلاء کی ماسوا پر جس طرح کہ ہُم اور مَن کے الفاظ میں غیر ذوی العقول کو بھی بمنزلہ ذوی العقول کر کے مَن اور ہُم کے الفاظ سے انہیں تعبیر کر دیا گیا۔ ثانی۔ غیر ذوی العقول کی تغلیب عقلاء پر۔ جواب دینے سے قیامت تک عاجز ہونا اور نداء وپکار سے غافل ہونا دراصل غیر ذوی العقول کی صفت تھی، لیکن ان کو ذوی العقول پر بھی اطلاق کر دیا گیا۔ صاحب روح المعانی نے فرمایا۔ واعتبر بعضھم التغلیب من غیر تاویل بمعنی انہٗ غلب من یتصور منہ الغفلۃ حقیقۃ علیٰ غیرہ۔ روح المعانی جلد ۲۶ ص

اور بعض نے یہاں تغلیب کو اعتبار کیا ہے، یعنی جن میں حقیقۃً غفلت اور لاعلمی تصور کی جا سکتی تھی۔ ان کو ذوی العقول پر غلبہ دے کر سب کو غیر ذوی العقول کے صفات کے ساتھ موصوف کر دیا گیا۔

اس تقدیر پر بھی حقیقۃً انبیاء واولیاء اور ملائکہ میں غفلت وغیرہ لازم نہ آئی، بلکہ محض اعتبار وفرض کے لحاظ سے لہٰذا اب بھی مقصودِ خصم باطل ہو گیا۔ اس تاویل کی حقانیت وصداقت کی تائید وتقویت اس آیت مقدسہ سے ہوتی ہے۔ قال اللہ تعالیٰ ولا یملک

الذین یدعون من دونہ الشفاعۃ الا من شھد بالحق وھم یعلمون۔ اور نہیں مالک شفاعت کے وہ لوگ جن کو مشرکین اللہ تعالیٰ کے علاوہ پوجتے ہیں مگر جنہوں نے حق کی شہادت دی اور وہ صاحبِ علم ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حق کا شاہد اور صاحبِ علم فرمایا اور شفاعت کا مالک فرمایا۔ وہ مقدس ہستیاں انبیاء، رسل اور اولیاء وشہداء ہیں، تو ان کے لئے علم وشہادت ثابت ہو گئی۔ لہٰذا غفلت درحقیقت ان کی صفت نہیں، بلکہ اصنام واحجار کی ہے اور بطور تغلیب ان کے لئے بھی ثابت کر دی گئی ہے اور تغلیبی صفت حقیقی نہیں ہوتی جیسے والد اور والدہ کو والدین کہا جاتا ہے یا چاند وسورج کو شمسین کہا جاتا ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس رب العالمین میں ذوی العقول کو ماسوا پر غلبہ دیتے ہوئے سب مخلوق کو صاحبِ علم وعقل اعتبار کر لیا گیا ہے، حالانکہ ماں حقیقت میں اب نہیں، چاند شمس نہیں اور انسانوں، جنوں، فرشتوں کے ماسوا ذوی العقول نہیں ہیں۔ لہٰذا یہاں باعتبار تغلیب کے انبیاء وملائکہ اور اولیاء وشہداء سے علم وادراک کی نفی سے حقیقت میں علم وادراک کی نفی لازم نہیں آئے گی۔ اس تقدیر پر انتفاء علم وادراک ایک اعتباری اور فرضی امر ہے جس سے مستدل کو مقامِ استدلال سے کچھ فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ باقی رہی حکمت اس تغلیبی نفی کی تو وہ یہ ہے کہ ہر ممکن مرتبہ ذات میں علم وادراک سے خالی ہے اور جن میں ہے اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہے جو علمِ الوہیت اور سمع وبصر باری تعالیٰ کے مقابل بمنزلہ عدم کے ہے اور یہاں مقصد حقیقی مقام الوہیت اور مرتبہ وجوب کا مرتبہ خلق وامکان سے تفوق بیان کرنا ہے کہ جملہ کمالات مرتبہ الوہیت میں بطور اقتضاء ذات کے ہیں اور مرتبہ امکان میں محض اللہ تعالیٰ کی عطا سے ورنہ بذاتِ خود وہ ہر صفتِ کمال سے عاری وخالی ہیں، حتیٰ کہ وجود سے بھی ؎

ہمہ ہر چہ ہستند ازاں کمتر اند　　　کہ باہستیش نام ہستی برند

کل شیئ ھالک الا وجھہ اور کل من علیھا فان اسی نقصان امکان کی حکایت ہیں، لیکن اس سے مقبولانِ بارگاہِ خداوندی کی صفات عطائیہ اور کمالاتِ وہبیہ کی نفی نہیں ہو سکتی۔ لکل مقام مقال۔

ساتویں دلیل

قال اللہ تعالیٰ - یوم یجمع اللہ الرسل فیقول ماذا اجبتم قالوا لا علم لنا انک انت علام الغیوب - پ ۷ ع ۴

ترجمہ: جس دن (قیامت میں) اللہ تعالیٰ رسل کرام کو جمع فرمائیگا اب پوچھے گا کہ تمہیں کیا جواب دیا گیا تو وہ کہیں گے ہمیں کوئی علم نہیں، بیشک تو ہی سب غیبوں کا جاننے والا ہے۔

وجہ استدلال:

مولوی غلام اللہ خان اس آیت کریمہ سے یوں استدلال فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ روزِ قیامت انبیاء علیہم السلام کو جمع فرما کر دریافت فرمائے گا کہ جو لوگ تمہاری قبروں پر آیا کرتے تھے اور تم سے توسل و استمداد کیا کرتے تھے۔ تم نے انہیں کیا جواب دیا تو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام عرض کریں گے، ہمیں کوئی علم نہیں کہ ہماری قبر پر کوئی آیا یا نہیں آیا اور اس نے کیا کہا اور کیا کیا۔ اگر انہیں علم ہوتا تو بارگاہِ الٰہی میں علم کی نفی کیوں کرتے؟ ورنہ اللہ تعالیٰ کے روبرو ان سے غلط بیانی اور کذب کا صدور لازم آئے گا۔ نیز اگر ان سے امتوں کے متعلق سوال ہوتا تو لامحالہ انہیں اس کا علم تھا۔ ان کی تکذیب یا تصدیق کو جانتے تھے پھر بھی اپنی ذاتوں سے علم کی نفی کرنا درست نہیں ہو سکتا؛ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ سوال ان کے عالمِ برزخ میں تشریف لے جانے کے بعد متوسلین اور زیارت کرنے والوں سے متعلق تھا اور استمداد و استعانت کرنے والوں سے اور انہوں نے صراحتاً علم و ادراک

کی نفی کر دی۔ کذا فی جواہر القرآن ص ۲۸

اور روز روشن سے زیادہ ظاہر کہ جب انبیاء و رسل کو برزخ و قبر میں علم و سماع نہیں تو غیر انبیاء کو کس طرح ہو سکتا ہے۔

الجواب (تمہید) ہم پہلے مولوی رشید احمد صاحب رئیس فرقہ دیوبندیہ اور مولوی غلام اللہ خان صاحب کے استاذ الاستاد کی تحقیق عرض کر چکے ہیں کہ اختلاف انبیاء کرام علیہم السلام کے ماسوا میں ہے حضرات انبیاء علیہم السلام کے سماع اور علم و ادراک پر ساری امت کے علماء و فضلاء کا اتفاق ہے اور یہی تحقیق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ذکر فرمائی اور دیگر اکابرین امت نے، مگر ان سب کے اجماع و اتفاق کا خلاف اور تیرہ سو سال تک جس عقیدہ پر امتِ محمدیہ برقرار رہی۔ اس کا خلاف صرف اس گروہ نے کیا اور قرآن کریم کا فیصلہ ہے جو مومنین کے راستہ کو چھوڑ کر نیا راستہ اور ان کے عقیدہ و مذہب سے منہ موڑ کر نیا عقیدہ و مذہب اختیار کرے گا وہ جہنم کا ایندھن ہے۔ ویتبع غیر سبیل المومنین نولہ ما تولیٰ ونصلہ جہنم وساءت مصیرا (اور جو شخص مومنین کے راستہ کے علاوہ کوئی راستہ اختیار کرے گا ہم اس کو ادھر ہی پھیر دیں گے جدھر وہ پھرتا جائے گا اور اسے جہنم میں داخل کریں گے اور وہ برا ٹھکانا ہے)

اس تمہید کے بعد گزارش یہ ہے کہ اس آیت کا جو معنیٰ اس شیخ القرآن نے کیا ہے، وہ ایک طالب علم اور علم عربی کی ذرہ بھر سوجھ بوجھ رکھنے والے آدمی سے بھی بالکل بعید ہے، چہ جائیکہ ایک عالم و فاضل اور ملت دیوبندیہ کے معتمد علیہ قابل سند اور قابل فخر شیخ القرآن ایسا لغو و باطل معنیٰ کریں اور امت موسیٰ علیہ السلام کی طرح قرآن کریم میں تحریف معنوی کا ارتکاب کریں اور آیت کریمہ کو ایسے معنیٰ پر حمل کریں جو دوسری آیات کے بھی خلاف ہو اور اجماع امت کے بھی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ماذا اُجِبْتُمْ اور ہر طالب علم بھی جانتا ہے کہ یہ صیغہ ماضی مجہول کا ہے نہ کہ معلوم و معروف کا۔ انبیاء کرام سے سوال یہ کیا گیا ہے کہ تمہیں کیا جواب دیا گیا نہ یہ کہ تم نے کیا جواب دیا۔ لہٰذا قطعی طور پر ثابت ہو گیا کہ یہاں عالم برزخ و قبر کی بات نہیں بلکہ عالم دنیا کے متعلق استفسار ہے کہ تمہیں اپنی اپنی امتوں کی طرف سے تبلیغ کے لئے بھیجا گیا تھا، تو بتلایئے انہوں نے تمہاری دعوت کو قبول کیا یا نہیں۔ ایمان لائے یا نہیں تم نے فریضہ رسالت و نبوت کو ادا کیا یا نہیں ؟ اگر بقول منکرین و مالغین پیغمبروں نے برزخ میں ہوتے ہوئے جو جواب دیا تھا اس کے متعلق استفسار ہوتا تو ما ذا اَجَبْتُمْ فرمایا جاتا، یعنی تم نے کیا جواب دیا۔

بہت سی آیات اس معنی پر دلالت کرتی ہیں اور اسی مفہوم کی تائید کرتی ہیں۔ قال اللہ تعالیٰ۔ فلنسئلن الذین ارسل الیہم ولنسئلن المرسلین۔ پس ہم ضرور ان سے دریافت کریں گے جن کی طرف رسولوں کو بھیجا اور ضرور رسولوں سے سوال کریں گے قولہ تعالیٰ۔ فوربك لنسئلنہم اجمعین عما کانوا یعملون۔ اے محبوب تیرے رب کی قسم ہم ضرور بالضرور ان سب سے ان کے اعمال کے متعلق دریافت کریں گے۔ یہاں انبیاء و امم دونوں سے استفسار و سوال کو واضح فرمایا۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ انبیاء و رسل کو اقوام و امم دونوں سے سوال کیا جاتا ہے تو یہ بھی ثابت ہو جاتے گا کہ جس نوعیت کا سوال ایک فریق سے ہو گا، اسی نوعیت کا سوال دوسرے گروہ سے بھی ہو گا۔ قرآنِ عظیم نے اقوام و امم کفار کے متعلق جو سوال ذکر فرمایا وہ یہ ہے الم یاتکم رسل منکم یقصون علیکم آیاتی و ینذ رونکم لقاء یومکم ھذا۔ کیا تمہارے پاس تم میں سے ایسے رسل نہیں آئے جو میری آیات بیان کرتے تھے اور تمہیں اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے۔ اور فرمایا کلما القی فیہا فوج سألہم خزنتہا الم یاتکم نذیر۔ جب بھی فوج کفار کو جہنم کی آگ میں ڈالا جائے گا

تو ان سے دوزخ کے خازن و نگران سوال کریں گے کیا تمہارے پاس عذاب خداوندی سے ڈرانے والے رسول تشریف نہیں لائے تھے۔ ان دونوں آیات سے معلوم ہو گیا کہ امم کافرہ سے جو سوال ہو گا وہ رسل و انبیاء کی آمد سے تعلق رکھتا ہے کہ آیا انبیاءؑ آئے تھے یا نہیں، انہوں نے تبلیغ کی تھی یا نہیں ؟

نیز مفسرین کرام نے اسی معنی کی تصریح فرمائی ہے :

۱۔ امام ابن کثیر نے فرمایا ھذا اخبار عما یخاطب اللہ بہ المرسلین یوم القیامۃ عما اجیبوا بہ من اممہم الذین ارسل الیہم۔ تفسیر ابن کثیر جلد دوم ص۱۱۱ یہ خبر ہے اس خطاب سے جو اللہ تعالیٰ اپنے رُسل عظام سے قیامت کے دن فرمائے گا کہ ان امتوں کے جواب کے متعلق جن کی طرف اللہ تعالیٰ نے انہیں مبعوث فرمایا۔

۲۔ فیقول ماذا اجبتم یعنی فیقول اللہ تعالیٰ للرسل ما اجابکم اممکم و ما ذا الذی رد علیکم قومکم حین دعوتموھم فی دار الدنیا الی توحیدی وطاعتی وفائدۃ ھذا السوال توبیخ اممہم الذین کذبوھم۔ تفسیر خازن و معالم التنزیل جلد دوم ص۸۸

یعنی اللہ تعالیٰ رسل کرام علیہم السلام کو فرمائے گا تمہیں تمہاری امتوں نے کیا جواب دیا اور تمہاری قوم نے دارِ دنیا میں دعوت توحید و طاعت کے مقابلہ میں کیا کہا اور تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا اور اس سوال کا فائدہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی تھی، انہیں زجر و توبیخ اور سرزنش ہو۔

۳۔ امام رازی نے مفاتیح الغیب میں فرمایا: قال صاحب الکشاف قولہ ماذا منتصب باُجبتم انتصاب المصدر وعلی معنی ای اجابۃ اجبتم اجابۃ اقرار ام اجابۃ انکار فان قیل فای فائدۃ فی ھذا السوال قلنا توبیخ قومہم الخ: تفسیر کبیر جلد سوم۔

صاحب کشاف امام معتزلہ نے کہا کہ ماذا کا لفظ اجبتم کی وجہ سے منصوب ہے۔

جیساکہ مصدر اور مفعول مطلق اپنے فعل کی وجہ سے منسوب ہوتا ہے اور اس معنی کی بنا پر کہ تمہیں کیا جواب دیا گیا اقرار کے ساتھ یا انکار کے ساتھ پس اگر تو یہ کہے کہ اس سوال کا فائدہ کیا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ یہاں ان کی تکذیب کرنے والی امتوں کو زجر و توبیخ کرنا مقصود ہے

الغرض تمام مفسرین کرام نے اس آیت کریمہ کا معنی یہی بیان کیا ہے کہ اس سے مقصود انبیاء کرام سے یہ دریافت کرنا ہے کہ ان کو اُمتوں نے کیا جواب دیا۔ دعوتِ توحید و رسالت کو قبول کیا یا رد کیا حتیٰ کہ امام المعتزلہ صاحب کشاف زمخشری نے بھی یہی معنی بیان کیا۔ لہٰذا اس آیت کریمہ کو استمداد و استعانت پر محمول کرنا اور انبیاء کرام علیہم السلام سے توسلین کو جواب دینے کے متعلق سوال پر منطبق کرنا کہ تم نے ان لوگوں کو کیا جواب دیا جو تم سے مدد مانگنے اور مشکلات و مصائب میں کام آنے نظرِ لطف و کرم فرمانے کی درخواست کرنے آتے تھے، صرف یہ نہیں کہ مفسرین کی تصریحات کے خلاف ہے اور آیات و احادیث کے خلاف ہے، بلکہ قواعد صرف و نحو بلکہ لغت کے بھی خلاف ہے یا دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لو کہ یہ معنی نہ تفسیر ہے نہ تاویل بلکہ قرآن کریم اور اللہ تعالیٰ پر افتراء و بہتان ہے، اور اس سے بڑھ کر شقاوت و بدبختی کیا ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسل و انبیاء پر افتراء و بہتان باندھا جائے اور انبیاء کرام کو بعد از وصال بے علم ثابت کرنے کے لئے آیات کلام مجید اور کلام ربّ حمید کو اپنی مرضی کے سانچے میں ڈھالا جائے اور تفسیر و تاویل کے قواعد و ضوابط کی مٹی پلید کر دی جائے اور یہ بھی خوف نہ ہو کہ ہمارے اس کرتوت کی سزا جہنم کی دہکتی آگ ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من قال فی القرآن برایہ فلیتبوأ مقعدہ من النار۔ جو قرآن میں اپنی مرضی کے مطابق معانی گھڑلے چاہیئے کہ وہ اپنا ٹھکانا جہنم بنالے، یعنی لامحالہ وہ جہنم کا ایندھن ہے۔

منکرین کا منشاء غلطی:

بہرحال ہم نے یہ عرض کرنا تھا کہ اس آیت کریمہ کو محل نزاع یعنی مبحث سماع میں

کوئی دخل نہیں اور وہ بحمد اللہ تعالیٰ واضح ہوگیا۔ اب رہا منکرین کا یہ شبہ کہ دنیوی زندگی میں امم کافرہ کی طرف سے جو جواب انبیاء کرام علیہم السلام کو دیا گیا، وہ تو انہیں معلوم ہوگا پھر علم کی نفی غلط بیانی اور جھوٹ بن جائے گی تو اس کا جواب مفسرین کرام نے واضح طور پر بیان فرمایا یعنی اس شبہ کو بھی ذکر فرمایا، اور جواب کو بھی مگر منکرین کی خیانت دیکھئے کہ صرف شبہ کو لے لیا اور جواب کو ہضم کر گئے۔

۱- امام رازی نے متعدد توجیہات و تاویلات ذکر فرمائی ہیں جن میں سے دو عرض کرتا ہوں۔

الوجہ الثالث فی الجواب وھو الاصح وھو الذی اختارہ عبد اللہ بن عباس انھم انما قالوا لا علم لنا لانک تعلم ما اظھروا وما اضمروا ونحن لا نعلم الا ما اظھروا فعلمک فیھم انفذ من علمنا فیھم فلھذا المعنی نفوا العلم عن انفسھم لان علمھم عند علم اللہ کلا علم۔ الوجہ السادس۔ انھم لما علموا انہ سبحانہ وتعالیٰ عالم لا یجھل حکیم لا یسفہ عادل لا یظلم علموا ان قولھم لا یفید خیرا ولا یدفع شرا فرأوا ان الادب فی السکوت وفی تفویض الامر الی عدل الحی القیوم الذی لا یموت۔ کبیر جلد سوم۔ ص ۴۶۷

ترجمہ: تیسری وجہ جواب میں یہ ہے اور وہی سب سے زیادہ صحیح ہے اور اس کو حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اختیار فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے لا علم لنا انک انت علام الغیوب اس لئے کہا کہ اللہ تعالیٰ کفار کے ظاہر و باطن کو جانتا ہے اور ہم صرف ظاہر کو جانتے ہیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ کا علم ان میں ہمارے علم کی نسبت زیادہ قوی ہے۔ اس بناء پر اپنی ذاتوں سے علم کی نفی کر دی، کیونکہ ان کا علم اللہ تعالیٰ کے علمِ محیط و غیر محدود کے مقابل نہ ہونے کے برابر ہے۔

چھٹی وجہ یہ ہے کہ جب رسل عظام علیہم السلام نے دیکھا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ عالم

ہے کسی شے سے بے خبر نہیں اور صاحب حکمت تامہ ہے اس میں سفاہت اور کم عقلی کا امکان نہیں اور عادل ہے، ظلم اس کے حق میں محال ہے، تو انہوں نے یقین کرلیا کہ ہماری گواہی اور شہادت نہ کسی بھلائی وخیر کا افادہ کرسکتی ہے اور نہ ہی کسی بُرائی اور شر کا ازالہ تو انہوں نے یہی سوچا کہ ادب چپ رہنے میں ہی ہے اور اس امر کو حیّ و قیوم لایموت ذاتِ اقدس کے عدل وانصاف پر چھوڑنا ہی موزوں ہے۔

(۲) تفسیر ابن کثیر میں ہے: قال علی بن ابی طلحۃ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما یقولون للرّب تبارك وتعالیٰ لاعلم لنا الا علم انت اعلم به منا رواه ابن جریر ثم اختاره ولاشك انه قول حسن وهو من باب التأدب بالرب تبارك وتعالیٰ ای لاعلم لنا بالنسبة الیٰ علمك المحیط بكل شیئ فنحن وان كنا اُجبنا وعرفنا من اجابنا ولكن منهم من كنا ان نطلع علیٰ ظاهره لاعلم لنا بباطنه وانت العلیم بكل شیئ المطلع علی كل شیئ فعلمنا بالنسبة الیٰ علمك كلا علم فانك انت علام الغیوب۔

تفسیر ابن کثیر جلد دوم ص۱۱۴

ترجمہ: علی بن ابی طلحہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام رب تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ ہمیں کوئی بھی ایسا علم حاصل نہیں جس میں تو ہم سے زیادہ واقف نہ ہو اس کو ابن جریر نے روایت کیا اور اس توجیہ کو اختیار کیا اور یہ قول بہت اچھا اور خوب تر ہے اور اس میں رب تعالیٰ کے ساتھ ادب و نیاز والا طریقہ ہے یعنی تیرے علم محیط کے مقابل ہمیں کچھ علم نہیں ہمیں اگرچہ انہوں نے جواب دیا اور ہم جواب کو اور جواب دینے والوں کو جانتے ہیں، لیکن ان میں ایسے افراد بھی ہیں جن کے ظاہر کا تو ہمیں علم تھا، مگر باطن کا نہیں اور تو ہر شے کا علیم اور سب پر مطلع ہے؛ لہٰذا ہمارا علم تیرے علم کے مقابل نہ ہونے کے برابر ہے، کیونکہ تو علام الغیوب ہے۔

الغرض حضرت عبداللہ بن عباس اور ابن جریر وابن کثیر اور امام فخر الدین رازی

وغیرہم مفسرین کرام کے نزدیک انبیاء علیہم السلام کا یہ جواب درحقیقت اپنے علم کی نفی پر مشتمل نہیں بلکہ اپنے آپ سے علم محیط اور ظاہر و باطن پر حاوی اور غیر محدود علم کی نفی پر مبنی ہے اور ذاتِ خداوندی کے سامنے ادب و نیاز اور تسلیم و تفویض کے طریقہ پر مبنی ہے؛ لہٰذا نہ کذب لازم آئے گا اور نہ ہی آیات میں باہمی تخالف و تعارض نہ مدعائے خصم ثابت ہو سکے گا۔

اقول: ادب و نیاز اور تواضع و انکساری کے تحت اپنے علم کو بمنزلہ عدم علم کے کر دینے کی نظیر بخاری و مسلم کی متفق علیہ روایت ہے جو حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حج وداع کے موقعہ پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

ای شهر هذا قلنا الله ورسوله اعلم فسكت حتی ظننا انه سیسمیه بغیر اسمه فقال ألیس ذوالحجة قلنا بلیٰ قال ای بلد هذا قلنا الله ورسوله اعلم فسكت حتی ظننا انه یسمیه بغیر اسمه فقال ألیس البلدة قلنا بلیٰ قال فای یوم هذا قلنا الله ورسوله اعلم فسكت حتی ظننا انه سیسمیه بغیر اسمه قال ألیس یوم النحر قلنا بلیٰ الحدیث مشكوٰة كتاب المناسك۔ ص۲۳۳

یہ کونسا مہینہ ہے ہم نے عرض کیا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول زیادہ بہتر جاننے والے ہیں۔ آپ نے ذرا سکوت فرمایا حتیٰ کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ مہینہ کا کوئی اور نام معین فرمائیں گے، تو آپ نے فرمایا کیا یہ مہینہ ذوالحج نہیں ہے۔ ہم نے عرض کیا ہاں آپ نے دریافت فرمایا یہ کون سا شہر ہے تو ہم نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے ذرا سکوت فرمایا حتیٰ کہ ہم نے خیال کیا کہ آپ اس کے سابقہ نام کے علاوہ اور نام مقرر فرمائیں گے تو آپ نے فرمایا کیا یہ بلدۂ حرام نہیں ہے۔ ہم نے عرض کیا ہاں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا یہ کون سا دن ہے ہم نے عرض کیا اللہ و رسولہٗ اعلم۔ آپ نے ذرا خاموشی اختیار فرمائی حتیٰ کہ ہم نے گمان کیا کہ اسے کوئی اور نام دیں گے

تو آپ نے فرمایا کیا یہ دن یوم نحر نہیں ہے ہم نے عرض کیا ہاں۔ حجۃ الوداع کے موقعہ پر ایک لاکھ چوبیس ہزار کے قریب صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ سن رہے تھے جن میں مقرب ترین صحابہ اور بہت بڑے بڑے فضلاء کاملین موجود ہیں اور کوئی ایک بھی ایسا نہیں جو حج کے لئے گیا ہو اور اسے یہ علم نہ ہو کہ یہ کون سا مہینہ ہے، یہ کون سا شہر ہے اور آج دن کونسا ہے، مگر جب رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم دریافت فرماتے ہیں تو سب کا جواب ایک ہی ہے اللہ و رسولہٗ اعلم، اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ جاننے والے ہیں۔

جب صحابہ کرام کے ادب و نیاز کا تقاضا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے استفسار پر اپنے علم وفہم کا اظہار کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے علم وحکمت کے مقابل اپنے علم و دانش کو کالعدم سمجھیں اور علم حقیقی اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دیں تو اسی طرح جناب الٰہی میں انبیاء علیہم السلام کے ادب و نیاز کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اپنے علم کو کالعدم سمجھیں اور علم حقیقی باری تعالیٰ کو تفویض کر کے اپنے دعوئ علم و حکمت سے دستبردار ہو جائیں۔ یہ تو شیطان کا کام ہے کہ جناب باری تعالیٰ میں اپنے علم وفہم کا دعویٰ کرے اور اس کی حکمتوں کو محل تنقید قرار دے انا خیر منه خلقتنی من نار و خلقته من طین کی بڑ مارے بلکہ ادب و نیاز والے تو اس کے وجود کے مقابل اپنے وجود کی بھی نفی کر دیتے ہیں ؏

من نیم واللہ باقی یار ہست

بلکہ پوری کائنات کا وجود ان کی نظروں میں وجود حقیقی واجب تعالیٰ کے مقابل عدم و فنا ہے۔ مولانا جامیؒ نے فرمایا ؎

بے نام و نشانست کز و نام و نشاں چیزے نیست
بخدا غیر خدا در دو جہاں چیزے نیست

لہٰذا جس طرح صحابہ کرام علیہم الرضوان کے جواب سے ان کی لاعلمی ثابت نہیں ہوتی، اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے جواب سے انکا بے علم ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ ادب و نیاز والے اس بات کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں بے ادبوں کو اللہ تعالیٰ ہی سمجھائے۔

جواب دوم: اگر انبیاء کرام علیہم السلام کی کلام کو اپنے ظاہر پر رکھو، تو ان سے جنس علم کی نفی لازم آئے گی، کیونکہ لاعلم لنا میں لا نفی جنس کے لئے ہے تو کسی قسم کا علم بھی ان کے لئے ماننا نص قرآنی قطعی کے خلاف ہوگا۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے امت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اعزاز و شرف بخشا ہے کہ وہ قیامت کے دن انبیاء علیہم السلام کے حق میں اور ان کی امتوں کے خلاف گواہی دیں گے اور گواہی بغیر علم کے درست نہیں ہوتی اور نہ ممکن ہے تو لازم آئے گا کہ امت محمدیہ میدان قیامت میں انبیاء علیہم السلام پر افضل ہو جائے حالانکہ بقول مولانا قاسم نانوتوی نبوت کمالات علمیہ میں سے ہے عملیہ میں سے نہیں اور ان منکرین کے مسلک و مذہب کے مطابق کمالات علمیہ سے بھی نہیں رہے گی، کیونکہ غیر نبی ان پر علم میں فوقیت لے گئے کیا واقعی یہ منکر اس فساد کا التزام و اعتراف کرتے ہیں؟ علم امت اور ان کی شہادت پر قرآن کریم شاہد ہے۔ وکذالك جعلنا کم امة وسطا لتکونوا شهداء علی الناس (اور ایسے ہی بنایا ہے ہم نے تمہیں بہترین امت تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو) حدیث پاک سے اس کی تفسیر ملاحظہ ہو:

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ، قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدعیٰ نوح (علیہ السلام) یوم القیامة فیقول لبیك وسعدیك یا رب فیقول هل بلغت فیقول نعم فیقال هل بلغکم فیقولون ما آتانا من نذیر فیقول من یشهد لك فیقول محمد وامته فیشهدون انه قد بلغ الحدیث - بخاری جلد دوم - ص ۶۴۵

ترجمہ: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت نوح علیہ السلام کو قیامت

کے دن طلب کیا جائے گا۔ وہ عرض کریں گے اے رب میں حاضرِ خدمتِ اقدس ہوں
اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تم نے فریضۂ تبلیغ ادا کیا۔ وہ عرض کریں گے جی ہاں اللہ تعالیٰ ان
کی امت کو فرمائے گا، کیا واقعی انہوں نے تبلیغ کی۔ وہ کہیں گے ہمارے پاس کوئی نبی تیرے
عذاب سے ڈرانے والا نہیں آیا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے نوح تمہاری گواہی کون دے
گا کہ تم نے تبلیغ کی ہے۔ وہ کہیں گے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت۔ تب
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت ان کے حق میں گواہی دیں گے۔

لہٰذا کتاب وسنت سے واضح ہو گیا کہ امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام شہادت
دیں گے اور شہادت بغیر علم کے ناممکن اور علم جب انبیاء علیہم السلام میں نہیں ہو گا تو امت
میں کیونکر ہو سکتا ہے، ورنہ امت کی افضلیت انبیاء پر باعتبارِ علم کے لازم آجائے گی اور
یہ باطل ہے۔

نیز نصِ قرآنی سے انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے علم وشہادت ثابت ہے۔ اللہ
تعالیٰ نے فرمایا: فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشہید وجئنا بک علیٰ ھولاء شہیدا۔
وہ منظر کیسا ہو گا جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور ہم آپ کو سب پر گواہ
بنائیں گے اور ہر امت میں سے جو شہید لایا جائے گا، وہ ہر امت کا نبی ہو گا جو ان کے کفر
وایمان کی گواہی دے گا اور مکذبین وکفار کے کفر وتکذیب پر شاہد ہو گا جلالین میں ہے
بشہید یشہد علیہا بعملہا وھو نبیہا۔ قسطلانی میں ہے: فکیف ھولاء
الکفار وصنیعھم اذا جئنا من کل امۃ بنبیھم یشہد علیٰ کفرھم خلاصہ یہ کہ
یا حال ہو گا ان کفار کا جبکہ ہم ہر امت میں سے ان کے نبی کو بطورِ گواہ لائیں گے جو کہ ان
کے کفر پر گواہی دے گا۔

لہٰذا اس آیتِ کریمہ سے قطعی طور پر ثابت ہو گیا کہ ہر نبی اپنی امت کے کفر وانکار کی
اور جحود وتکذیب کی گواہی دے گا اور منکرین کے معنی کے مطابق لاعلم لنا سے جنسِ علم کی

نفی ثابت ہو جاتے گی، تو آیاتِ قرآنیہ میں تعارض وتخالف لازم آجائے گا۔ حالانکہ
امت کی فضیلتِ علمی انبیاء علیہم السلام پر بھی باطل اور آیات قرآن میں تخالف وتعارض
بھی محال وناممکن، لہٰذا منکرین کا بیان کردہ معنی بھی باطل محض۔

الحاصل اس آیت کریمہ کا صرف وہی معنی درست ہے جو مفسرین کرام نے ذکر فرمایا
علی الخصوص حبر امت مفسر صحابہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جو تفسیر فرمائی صرف
وہی معتبر ہے اور اس آیت کو مسئلہ سماع اموات سے کوئی تعلق نہیں۔ لہٰذا اس سے استدلال
نفی سماع پر قطعاً غلط ہے اور بناءً فاسد علی الفاسد ہے۔ محض افتراء وبہتان قبیح ہے۔
مکر وفریب اور کذب صریح ہے۔ صرف مقدس انبیاء کے ساتھ اپنی عداوت ودشمنی
کا اظہار ہے نعوذ باللہ من ھذا الشقاء العظیم۔ اللھم انا نجعلک فی نحورھم
ونعوذ بک من شرورھم۔

فائدہ جلیلہ:

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت انبیاء سابقین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے
حق میں گواہی دے گی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
اپنی امت کی عدالت اور صفائی کی گواہی دیں گے ویکون الرسول علیکم شہیدا۔
تو اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی امت کے کفر وانکار یا ایمان
واقرار کا سوال نہیں کیا جائے گا اور نہ امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دریافت کیا جائے گا
کہ تمہارے پاس کوئی رسول آیا یا نہیں اور اس نے میرے احکام تمہیں پہنچائے یا نہیں؛
یوم لا یخزی اللہ النبی والذین آمنو معہ۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان رسل
کرام میں داخل نہیں جو لا علم لنا انک انت علام الغیوب کہیں گے لہٰذا آپ کے
حق میں علم کی نفی قطعاً ثابت نہیں اور نہ ہی تاویل وتوجیہ کی ضرورت ہے۔ یہ سوال
وجواب بھی دوسرے انبیاء ورسل علیہم السلام سے ہے اور تاویل وتوجیہ بھی انہیں

کے حق میں ہے۔

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امت کی عدالت اور اہلیت شہادت پر گواہ ہوں گے اور گواہی بغیر علم حتمی یقینی کے نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا امت کے تمام اعمال کا علم قطعی ثابت ہو گیا۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اصل شاہد ہیں نہ کہ کسی گواہ کی گواہی اور شہادت پر شاہد و گواہ اور اصل شاہد کا چشم دید شاہد ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا سرورِ انبیاء علیہم السلام کا اپنے نورِ نبوت سے تمام امت اور اس کے اعمال و افعال کا مشاہدہ فرمانا ثابت ہو گیا اور یہی معنی شاہ عبد العزیز قدس سرہٗ العزیز اور علامہ قسطلانی کی کلام سے ظاہر ہے جیسا کہ معروض ہو چکا۔

دلیل ہشتم

قال اللہ تعالیٰ۔ او کالذی مر علیٰ قریۃ وھی خاویۃ علیٰ عروشھا قال انی یحیی ھذہ اللہ بعد موتھا فاماتہ اللہ مائۃ عام ثم بعثہٗ قال کم لبثت قال لبثت یوماً او بعض یوم قال بل لبثت مائۃ عام۔

ترجمہ: یا مثل اس شخص کے جو کہ قریہ (بیت المقدس) پر گزرا۔ درآنحالیکہ وہ اپنی چھتوں کے بل گرا ہوا تھا تو کہا کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس کی ہلاکت و بربادی کے بعد کس طرح دوبارہ آباد فرمائے گا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو سو سال تک حالتِ موت میں رکھا، پھر اس کو اٹھایا اور فرمایا تو یہاں کتنا عرصہ ٹھہرا رہا، تو اس نے کہا ایک دن بلکہ دن کا بعض حصہ، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا نہیں تو تو ایک سو سال یہاں ٹھہرا رہا ہے۔

وجہ استدلال، یہ آیت کریمہ حضرت عزیر علیہ السلام کے حق میں وارد ہے اور انہیں کوئی پتہ نہ چلا کہ میں کتنی مدت یہاں پڑا رہا ہوں اور سو سال کے عرصہ کو ایک دن بلکہ اس سے بھی کم مدت خیال کیا، جب پیغمبر کو کوئی پتہ نہ چل سکا تو اور کسی کو کیا علم موت کے بعد ہو سکتا ہے۔ لہٰذا میت سے علم و ادراک اور سماع و فہم وغیرہ کی نفی ثابت ہو گئی۔ کذا فی جواہر القرآن۔ جلد اول

جواب اول: الذی مر علیٰ قریۃ کے مصداق میں مختلف اقوال ہیں۔ بعض نے اس کا مصداق کافر شخص کو بنایا ہے (بیضاوی) لہٰذا جب قطعی طور پر یہاں

عزیز علیہ السلام کا مراد ہونا ثابت نہ ہوا تو ان سے نفی علم ثابت ہوئی اور نہ ہی جو کہ ان سے مرتبہ میں کم ہیں، ان سے نفی لازم آئے گی۔

جواب دوم: یہ مان لیتے ہیں کہ یہاں مراد حضرت عزیز علیہ السلام ہیں، لیکن ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ یہاں موت سے مراد حقیقی معنی ہے، بلکہ یہاں نیند والا معنی مراد ہے اور چونکہ نیند مثل موت ہے؛ لہٰذا اس کو موت سے تعبیر کر دیا گیا ہے اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام سے مدتِ قیام کے متعلق سوال فرمایا اور مخاطب حقیقتاً روح اور نفس انسانی ہوتا ہے نہ کہ بدن اور موت کی صورت میں ارواح انبیاء علیہم السلام اعلیٰ علیین میں ہوتے ہیں اور بقولِ منکرین کسی کے روح کا بعد از موت بدن سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ——— تو جب روح اس عرصہ میں یہاں زمین پر موجود ہی نہیں تھا تو زمین پر قیام وسکونت کے عرصہ سے سوال کا کیا معنیٰ۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ ان پر نیند طاری کر دی گئی تھی۔

یہی الفاظ، سوال وجواب کے اصحابِ کہف کے حق میں وارد ہیں قال قائل منھم کم لبثتم قالوا لبثنا یوما او بعض یوم۔ جب تین سو سال سے بھی زیادہ عرصہ سو کر اٹھے تو باہم ایک دوسرے سے سوال کرنے لگے کہ تم یہاں کتنا عرصہ ٹھہرے ہو تو بعض نے کہا ایک دن بلکہ اس سے بھی کم اور اصحابِ کہف کا حالتِ نیند میں ہونا نص سے ثابت ہے۔ لہٰذا حضرت عزیر علیہ السلام کا بھی حقیقی موت کے ساتھ فوت ہونا مراد نہیں، بلکہ سو سال کے عرصہ تک حالتِ نیند میں رہنا مراد ہے اور چونکہ عادۃً نیند اتنے عرصے تک طول نہیں پکڑتی؛ لہٰذا اس کو موت سے تعبیر فرما دیا اور موت و وفات کا اطلاق نیند پر قرآن کریم سے بھی ثابت ہے۔ ھو الذی یتوفٰکم باللیل۔ اللہ تعالیٰ وہ قادر ذات ہے جو کہ رات کے وقت تمہیں وفات دیتا ہے یعنی نیند کی حالت تم پر طاری کرتا ہے اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے بھی ثابت ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب نیند سے بیدار ہوتے تو فرماتے الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا۔ حمد ہے اس ذاتِ اقدس کے لئے جس نے ہمیں موت کے بعد زندگی بخشی۔ اسی طرح لفظ بعث کا اطلاق نیند سے بیدار ہونے پر بھی آتا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ فضربنا علی آذانھم فی الکھف سنین عددًا ثم بعثناھم لنعلم ای الحزبین احصیٰ لما لبثوا امدًا۔ ہم نے ان کے کانوں پر مہر لگا دی، کئی سال تک پھر ہم نے بیدار کیا تاکہ ہم واضح کریں کہ دو جماعتوں میں کون سی جماعت اس مدت کو اچھی طرح شمار کرنے والی ہے جو انہوں نے سوتے ہوئے گزاری۔ لہٰذا جب اماتہ اللہ کا معنی نیند دینا درست ہے اور اتنی مدت تک کی نیند کو موت کہنا ظاہر و متبادر ہے، تو استدلال درست نہ رہا، کیونکہ ہماری کلام حقیقی موت میں ہے نہ کہ حکمی موت اور نیند میں لہٰذا حضرت عزیر علیہ السلام سے حالتِ موت میں علم و ادراک اور سماع و فہم کی نفی لازم نہ آئی اور نہ ہی دوسروں سے ان پر قیاس کرتے ہوئے نفی درست ہوئی اور لفظ موت و حیات کا مجازی طور پر متعدد معنوں میں استعمال ہونا اسی آیت سے ظاہر ہے۔ شہر کی بربادی کو موت سے تعبیر فرمایا ہے اور آبادی کو زندگی سے۔ لہٰذا قرائن کے تحت مجازی معانی کا ارادہ درست ہو گا۔

جواب سوم: یہ بھی تسلیم کر لیتے ہیں کہ یہاں موت کا حقیقی معنی مراد ہے، لیکن نفی علم و ادراک اور انکار فہم و سماع۔ ثابت نہیں ہو سکتا، کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے ان سے دریافت کیا کہ تم نے یہاں کتنا عرصہ قیام کیا، تو انہوں نے یہ عرض نہیں کیا کہ میں نہیں جانتا، بلکہ عرض کیا کہ ایک دن بلکہ اس سے بھی کم۔ نیز اللہ تعالیٰ کا سوال مدت قیام کے متعلق ہے نہ کہ نفس قیام سے، تو معلوم ہوا کہ عند اللہ انہیں حالتِ موت طاری ہونے کے باوجود نفس قیام وسکونتِ ارضی کا علم تو تھا، لیکن مدت کی تعیین سے استفسار میں امتحان مقصود تھا۔ لہٰذا نفس علم بالقیام واللبث کی نفی نہیں کی گئی

البتہ حضرت عزیر علیہ السلام نے جو مدت بیان فرمائی وہ اس سے مختلف ہے اور بہت کم ہے جو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی تو ہم کہتے ہیں کہ دونوں قول حق و صحیح ہیں۔ وہ وقت عوام اہلِ زمان کے لئے سو سال تھا اور وہی وقت، حضرت عزیر علیہ السلام کے لئے ایک دن بلکہ اس سے بھی کم اور یہ طے زمانی پر مبنی ہے جس طرح کہ قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا ہوگا مگر اہلِ ایمان صلحاء و اولیاء اور شہداء علیہ السلام کے حق میں ایک وقت کی نماز سے بھی جلدی گزر جائے گا۔ اگر اصحابِ یمین سے وہاں دریافت کیا جائے کہ تم یہاں کتنا عرصہ ٹھہرے تو وہ اپنے تجربہ و مشاہدہ کے مطابق وقت کا اختصار بیان کریں گے اور اگر کفار و مشرکین سے دریافت کریں گے تو وہ اپنا ماجرا اور سرگزشت بیان کریں گے اور ہر ایک اپنے قول اور دعویٰ میں صادق ہوگا اور اصحاب کہف پر اتنا عرصہ بیت جانے کے باوجود ان کا بھوک و پیاس اور حبسِ بول وغیرہ سے نہ مرنا طی زمانی کی واضح دلیل ہے و بالجملہ طی زمانی مکانی اور لسانی امر مقرر و محقق ہے جس میں انکار کی گنجائش نہیں اور یہ تفاوت اقوال کا اسی پر مبنی ہے۔ لہذا حالتِ موت میں جو مدت ان پر گزری، انہوں نے اپنے تجربہ و مشاہدہ کے مطابق بیان فرمائی لہذا نفی علم کی باطل ہوگئی۔ کذا فی سبع سنابل للامام الربانی میر عبدالواحد بلگرامی صـ ۱۵۲

جواب چہارم : حضرت عزیر علیہ السلام کی موت حقیقی ہو تو بھی حکم نیند میں ہے، کیونکہ حسبِ تصریح مفسرین وہ انجیر اور انگور وغیرہ تناول فرما کر۔ اور بقیہ کو اپنے توشہ دان میں رکھ کر اور انگوروں کے شیرہ کو مشکیزہ میں ڈال کر اور اپنے گدھے کو مضبوطی کے ساتھ باندھ کر ایک درخت کے سائے میں محوِ خواب و استراحت ہو گئے اور نیند کی حالت میں روح جب بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہوا تو اس کو وہیں روک لیا گیا۔

قال اللہ تعالیٰ۔ اللّٰہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا فیمسک التی قضی علیھا الموت ویرسل الاخریٰ ۔ اللہ تعالیٰ تمام نفوس کو ان کی موت

کے وقت، فوت کرتا ہے اور جو فوت نہیں ہوتے تو وقت نیند میں ان کے روحوں کو اپنی طرف بلاتا ہے جس پر موت کا فیصلہ صادر ہو چکا ہو اس کو اپنے پاس روک لیتا ہے اور دوسرے کو چھوڑ دیتا ہے۔ لہٰذا جب عزیر علیہ السلام کا روحِ اقدس حسب عادت حالتِ نیند میں بارگاہِ خداوندی میں پہنچا اور وہیں اسے اتنے عرصہ دراز تک روک لیا گیا بغیر اس کے کہ اس کے ساتھ خلافِ معمول کوئی سلوک کیا جاتا؛ لہٰذا اس کو نیند کہو تو بھی درست ہے اور موت کہو تو بھی صحیح ہے، اگر موت معتاد ان پر طاری ہوتی یعنی حضرت عزرائیل علیہ السلام کے واسطہ سے اور ان کے معاونین فرشتوں کی وساطت سے ہوتی اور ملائکہ آپ کے روح کو قبض کر کے آسمانوں سے اوپر بارگاہِ خداوندی میں لاتے۔ دفترِ علیین میں نام درج کراتے اور اس کو منزلِ اُخروی دکھائی جاتی، تو لامحالہ انہیں اپنی موت کا علم ہوتا اور ان ملائکہ کا اور اپنے عروج و سفر آسمانی کا اور نعم جنت کے مشاہدہ کا مدتِ اقامت کا لہذا اللہ تعالیٰ کے دریافت فرمانے پر پوری مدت اقامت بیان کر دیتے کیونکہ حقیقی عالم و مدرک اور سامع و ناہم روح ہے۔ اس کی جہالت و لاعلمی کا کوئی بھی قائل نہیں اور نہ ہی اہلِ اسلام کے نزدیک روح پر موت طاری ہوتی ہے، موت صرف بدن پر زوال و انفصال روح کی وجہ سے طاری ہوتی ہے اور اگر بدن کی مدت اقامت سے سوال ہوتا اور روح کا بدن سے رابطہ نہ ہوتا اور نہ اس پر بعد از موت طاری احوال کا علم تو آپ کہہ دیتے میں تو فوت کر دیا گیا تھا اور روح اعلیٰ علیین میں تھا، مجھے کیا پتہ؟

بہر حال یہ بڑی عجیب بات ہے کہ فوت ہونے والے کو سو سال گزرنے کے باوجود یہ علم نہ ہو کہ میں فوت ہوا ہوں یا نہیں اور میرے ساتھ کیا سلوک کیا گیا ہے، لیکن یہاں یہ ہے کہ میں کافی دن چڑھ آیا تھا تو سویا تھا اور شام کے وقت بیدار ہوا ہوں لہٰذا میری اقامت کی مدت ایک دن بلکہ اس سے بھی کم ہے جیسا کہ مفسرین نے

یومًا او بعض یوم میں اضراب و ترقی کی وجہ بیان کرتے ہوئے تصریح فرمائی ہے۔

لہذا یہ امر تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ طی زمانی کے تحت حضرت عزیر علیہ السلام پر جو وقت گزرا انہوں نے بالکل درست بیان فرمایا۔ اگرچہ دوسرے لوگوں کے لحاظ سے سو سال کا عرصہ ہی بیت چکا تھا، خواہ آپ پر نیند کی کیفیت طاری رہی خواہ موت والی مآل و انجام کے لحاظ سے دونوں آپ کے حق میں ایک تھیں، کیونکہ آپ پر زمانہ دراز نہیں گزرا تھا۔

جواب پنجم: حضرت عزیر علیہ السلام نے بیت المقدس کی خرابی و بربادی کا مشاہدہ کیا۔ دل میں اس کی آبادی اور بنی اسرائیل کی واپسی کا شوق پیدا ہوا جن کو بخت نصر نے اِدھر اُدھر منتشر کر دیا اور غلام بنا لیا تھا اور ساتھ ہی اس امر کو عظیم سمجھا اور فی نفسہٖ اس کو مشکل جانا، اگرچہ قدرتِ باری تعالیٰ سے یہ بات باہر نہ تھی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی بیت المقدس کی آبادی کے ساتھ دلچسپی اور اس امر کو عظیم اور مشکل سمجھنے پر انہیں اپنی قدرتِ کاملہ قاہرہ کا مشاہدہ کرانا چاہا۔ ان پر نیند یا وفات طاری کر دی۔ ان کے گدھا پر موت نازل فرمائی۔ اس کا ایک ایک جوڑ الگ ہو گیا، لیکن بایں ہمہ انجیر اور عصیر کو بالکل اسی طرح باقی رکھا اور اتنے عرصہ دراز اور مدت مدیدہ کے بعد انہیں بیدار کیا یا زندہ فرمایا تاکہ اپنی ذات میں اور اپنے مشروب و ماکول میں اور اپنی سواری میں رب تعالیٰ کی آیاتِ قدرت کا ملاحظہ و مشاہدہ کریں اور حق الیقین کے درجہ کو پا لیں اور ان کے دل میں استعظام و استشکال والی جو کیفیت موجود تھی، وہ کلیۃً زائل ہو جائے۔

لہذا یہ موت وغیرہ اس حکمت کے پیش نظر ہے نہ کہ موت معتاد جس میں زندگی درحقیقت ختم ہو جاتی اور اس میں تقدیم و تاخیر محال ہو قال اللہ تعالیٰ۔ اذا جاء اجلھم لا یستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون اور روح و بدن عالم برزخ میں ثواب و تنعیم یا العیاذ باللہ سزا و تعذیب میں شریک ہوں اور قبر و برزخ میں پیش آنے والے

سارے احوال ان پر منکشف ہوں اور یہ واضح ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام والا واقعہ اس سے قطعاً مختلف ہے لہٰذا اس سے ما نحن فیہ میں استدلال قطعًا غلط ہے۔

اقول: ذہن قاصر اور طبع فاتر کے نزدیک اس طویل نیند یا غیر معتاد اور خلافِ معمول موت کی حکمت یہ ہے کہ عند اللہ بیت المقدس کی آبادی شروع ہونے میں ابھی ستر سال باقی تھے اور پہلی چہل پہل اور چمک دمک اور رونق و زینت میں مزید تیس سال باقی تھے اور اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں تھا کہ اپنے نبی اور صفی کو اس مدت تک حزن و ملال میں رکھے اور انہیں اتنے عرصہ دراز تک ان کا متمنیٰ و مطلوب نہ دکھلائے۔ لہٰذا ان پر نیند یا موت طاری کر دی۔ ستر سال اس طرح گزرے تو بیت المقدس کی آبادی و تعمیر کی طرف لوگوں کو متوجہ فرمایا اور تیس سال کے اندر شہر اپنی سابقہ حالت پر آ گیا اور چہل پہل، حسن منظر اور خوبی طلعت میں بے مثل و بے نظیر بن گیا۔ تب حضرت کو بیدار فرمایا، جبکہ ان پر ایک دن بلکہ اس سے بھی کم مدت گزری تھی لیقضی اللہ امرا کان مفعولا۔ نہ بیت المقدس کی تعمیر و ترقی والی مدت میں کمی فرمائی اور نہ ہی عزیر علیہ السلام کی عمر دنیویہ کو اتنا لمبا فرمایا تاکہ لا یستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون کا خلاف لازم آئے اور اس عرصہ میں انہیں حزن و ملال کے پہاڑ برداشت کرنا پڑیں اور ایک ایک لمحہ زندگی کا صدیوں کے برابر بن کر ان کے لئے سوہانِ روح بنے۔

لہذا انہیں ان کی مقررہ عمر میں ہی منزلِ مقصود تک اور ساحلِ مراد تک پہنچایا اور ان کی آرزو کو شرمندۂ تکمیل فرما دیا، جبکہ وہ خود جوان تھے اور ان کی اولاد انتہائی عمر رسیدہ۔ فسبحان من لا یعجزہ عما اراد شیئ وھو علیٰ کل شیئ قدیر۔

جواب ششم: ہم نے کتاب و سنت سے ثابت کر دیا ہے کہ میت کے لئے قبر و برزخ میں حیواۃ اور علم و ادراک ثابت ہے۔ لہٰذا اس آیت کریمہ میں تاویل نہ کی جائے تو آیات میں تخالف و تعارض لازم آ جائے گا۔ لہذا یہ تاویل واجب و ضروری ہے۔

نیز یہ ایک مخصوص واقعہ ہے جس میں مختلف مقاصد و فوائد اور حکم و مصالح کے تحت بے توجہی و بے التفاتی کا امکان ہے، لہٰذا اس سے عموم سلب اور عموم نفی پر استدلال لغو و باطل ہے۔

علیٰ ہٰذا القیاس یہ دعویٰ کہ انہیں اپنے گدھے کے مرنے اور اس کے اجزاء و اعضاء کے بکھر جانے کا کوئی پتہ نہ چلا بھی باطل ہے اوّل تو اس کی قرآن نے نفی نہیں کی۔ دوم یہ کہ کلام اس میں ہے کہ میّت کو اپنے زائرین اور سلام دینے والوں کا علم ہوتا ہے یا نہیں نہ کہ ہر شیٔ کا۔ نیز جب تک یہ ثابت نہ ہو کہ گدھا آپ کے بالکل قریب تھا۔ اتنے وقت تک بھی محل نزاع میں اس سے استدلال باطل ہوگا حالانکہ اس کا کوئی ثبوت نہیں، جبکہ عموماً ایسے جانوروں کو دُور ہی باندھا جاتا ہے، لہٰذا دُور ہونے کی صورت میں جیسا کہ ظاہر یہی ہے محل بحث میں یہ شبہ مفید نہیں ہوسکتا۔ علاوہ ازیں کبھی زندہ آدمی خود اپنی ذات کے متعلق نہیں جانتا جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السّلام کا دیدار کرنے والی عورتوں نے بیخودی میں اپنی انگلیوں کو کاٹ دیا اور خبر تک نہ رہی کہ اپنے ساتھ کیا کر دیا ہے۔ فلما رأینہٗ اکبرنہٗ وقطعن ایدیھن وقلن حاشا للّٰہ ما ھذا بشرا ان ھذا الا ملک کریم۔ جب جمال یوسف علیہ السّلام میں محویت و استغراق نے ان کو اپنے آپ سے اس قدر بے خبر کر دیا کہ اپنے ہاتھوں سے اپنے ہاتھوں کو کاٹ دیا، مگر پتہ نہ چلا، دَرد نہ ہوا تو حضرت عزیر علیہ السلام اگر حسنِ حقیقی اور کمالِ مطلق میں محو و مستغرق ہو کر اپنی ذات کی طرف دھیان اور توجہ نہ دے سکیں تو کیا بعید اور اس مرتبہ پر فائز آدمی کے لئے گدھے جیسے جانور کی طرف دھیان و التفات کی کہاں گنجائش۔ ہاں یہ مستدل اور ان کے اسلاف کا مقام ہے کہ ان کی نماز میں آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے تصوّر کی تو گنجائش نہیں، مگر گدھے کے خیال میں مستغرق ہو جانے میں کوئی حرج نہیں۔ اسماعیل دہلوی صاحب فرماتے ہیں: صرف ہمت بسوئے شیخ و امثال آں گو جناب رسالتمآب صلی اللّٰہ علیہ وسلم باشند

بچندیں مرتبہ بدتر از استغراق در خیال گاؤ خر خود است۔ صراط مستقیم۔ للناس فیما یعشقون مذاھب۔ اور اس توجیہ و تاویل کی دلیل محدثین کرام کا وہ قول ہے جو انہوں نے تنام عینای ولا ینام قلبی پر وارد اعتراض کے جواب میں ذکر فرمایا۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے فرمایا تنام عینای ولا ینام قلبی۔ (میری آنکھیں سوتی ہیں اور دل جاگتا ہے) مگر لیلۃ التعریس میں آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سو گئے اور صبح کی نماز قضا ہوگئی اور سورج طلوع ہونے اور وقت نماز گزرنے کا پتہ نہ چلا۔ محدثین کرام نے مختلف جواب ذکر فرمائے جن میں شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی کا جواب ملاحظہ ہو اشعۃ اللمعات جلد اوّل ص ۳۴۴

جوابِ دیگر آنست کہ نعم دل بیدار است ولیکن تواند کہ اُو را حالتے و شہودے دست دہد کہ دراں مستغرق گردد از ماسوائے مشہود و از جمیع صور و معانی ذاہل و غافل گردد، چنانکہ در بعض احیان در حالت وحی مثل ایں حالت روئے میداد پس باعثِ نسیان و غفلت نوم قلب نباشد بلکہ طریان حالتِ عظیم کہ جز خدائے رب العزّت حقیقت آں را نداند فافہم و باللّٰہ التوفیق۔

اور جواب یہ ہے کہ ہاں دلِ اقدس آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم کا بیدار تھا، لیکن ممکن ہے کہ اس پر حالتِ مخصوصہ اور شہودِ حق والی کیفیت طاری ہو گئی ہو کہ اس میں مستغرق ہو کر مشہودِ حقیقی کے علاوہ ہر شیٔ اور تمام معانی و صور سے بے توجہی و ذہول طاری ہو گیا ہو جیسا کہ بعض اوقات حالتِ وحی میں بیداری کی حالت میں ہو جاتا تھا۔ پس واضح ہو گیا کہ سبب نسیان و ذہول کا دلِ اقدس کا سو جانا نہیں تھا بلکہ ایسی عظیم حالت کا طاری ہونا جس کی حقیقت سوائے رب العزّت کے کوئی نہیں جانتا۔

اور یہی کلام شیخ نے نماز کے اندر سہو و ذہول کے طاری ہونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے ذکر فرمائی: باید فہمید کہ وقوع سہو و نسیان از آنحضرت از کدام مقام است لابد از مرتبۂ

اشتغال واستغراق درمقامے خواہد بود کہ دستِ عقول از دامن ادراک آں قاصر است۔ جلد اول

ترجمہ : یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سہو اور نسیان کا طاری ہونا کس مقام سے ہے۔ یقیناً آپ کا سہو ونسیان ایسے مقام میں مصروف ومستغرق ہونے کی وجہ سے ہوگا کہ جس کے دامن علم وادراک سے عقولِ انسانیہ کے ہاتھ کوتاہ وقاصر ہیں۔

جواب ہفتم : حضرت عزیر علیہ السلام کو اپنی خبر رہی یا نہ؟ اور اپنی سواری کا علم ہوا یا نہ ہوا اس بحث کو چھوڑیئے ہمیں یہ بتلایئے حضرت عزیر علیہ السلام درخت کے سائے میں آرام فرما رہے تھے اور تیس سال تک لوگ بیت المقدس میں آکر آباد ہوتے رہے اور ادھر اُدھر گھومتے رہے، مگر اتنی طویل میعاد میں کوئی انہیں دیکھ نہیں سکا، کیا وہ سارے لوگ قوتِ بینائی سے محروم تھے اور ان کی آنکھیں کام نہیں کرتی تھیں۔ اگر ان کے صاحب نظر و بصر ہونے کے باوجود انہیں کچھ نظر نہیں آیا اور اس میں ان کی نظر و بصر پر اعتراض نہیں ہوسکتا تو اسی طرح حضرت عزیر علیہ السلام کو مدتِ اقامت اور اپنے گدھے کے بارے میں علم یقینی حتمی نہ ہونے سے ان کے علم اور قوتِ نظر پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ جو حکمت لوگوں کو عزیر علیہ السلام سے دُور رکھنے میں اور ان کی نظروں سے پوشیدہ رکھنے میں تھی اسی طرح کی حکمت ادھر بھی ہوسکتی ہے، بلکہ یقیناً ہے۔ لہٰذا حضرت عزیر علیہ السلام کی بے توجہی اور بے التفاتی خاص مصلحت کے تحت ہے اور مخصوص وقت کے لئے نہ کہ علی الاطلاق۔

جواب ہشتم : یہاں ہماری بحث سماع اموات میں ہے اور حضرت عزیر علیہ السلام سے سماع کی نفی تب ہوسکتی ہے، جب یہ ثابت ہو جائے کہ کوئی شخص وہاں گیا، انہیں سلام دیا یا خطاب کیا اور انہوں نے بیدار یا زندہ ہونے کے بعد کہا ہو کہ مجھے کسی نے سلام نہیں دیا یا خطاب نہیں کیا یا میرے پاس کوئی نہیں آیا۔ جب یہ ثابت نہیں اور نہ ہی اس کا ثابت کرنا ممکن ہے تو استدلال لغو و باطل ہوگیا، کیونکہ یہاں نفی سماع اگر ہے تو اس لئے کہ نہ کوئی سلام دینے والا تھا اور نہ خطاب کرنے والا تو سنتے کس طرح اور کس آواز کو۔

خلاصۃ الجوابات

منکرین و مانعین نے جتنی آیات پیش کی ہیں، وہ درحقیقت کفار و مشرکین کی صفات ہیں جنہوں نے کفر و شرک پر اصرار کر کے فطرتی صلاحیتوں کو ختم کر دیا، جن کے دلوں پر مہر لگا دی گئی اور جن کے حواس حق کو دیکھنے سننے اور فائدہ اٹھانے کے قابل نہ رہے یا اصنام واوثان اور تماثیل وصور کے حق میں وارد ہیں اور ان کی بے بسی، لاعلمی و بے شعوری وغیرہ بیان کرنے کے لئے یا ان میں نیند کی حالت میں حواس ومشاعر پر عارضی تعطل طاری ہونے کی وجہ سے بے توجہی و بے التفاتی کا بیان ہے یا استغراق وانجذاب اور مقام مشاہدہ پر وصول کی وجہ سے ماسوا سے ذہول ونسیان پر مبنی ہیں اور یا پھر ان حضرات نے ان میں پوری بددیانتی کا ثبوت دیتے ہوئے صرفی ونحوی قواعد وضوابط۔ لغت عربی اور دیگر دلائل وقرائن کو یکسر نظر انداز کر کے من مانے معنی کئے۔ کوئی ایک ایسی دلیل کتاب اللہ میں موجود نہیں جو اہلِ قبور اور اربابِ برزخ علی الخصوص اولیاء، وصلحاء، شہداء، واصدقاء اور رسل وانبیاء کے عدم سماع پر نص ہو اور اس میں ان کا اپنے زائرین سے بے خبر ہونا، ان کے سلام و کلام سے غافل ہونا بیان کیا گیا ہو۔

اس کے برعکس سماع اموات کا امکان اور اس کا بالفعل وقوع وتحقق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پرندوں کے بکھرے ہوئے اجزاء کو خطاب کرنے اور ان کے دوڑ کر حاضرِ خدمت ہونے سے ظاہر۔ حضرت صالح علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام کے نداء و خطاب سے واضح اور علی الخصوص ان اللہ یسمع من یشاء کا اطلاق اور اموات واحیاء کی تخصیص وتقیید کے بغیر اللہ تعالیٰ کا اپنے عمومِ قدرت اور احاطۂ قدرت کا اظہار اس کی واضح برہان و دلیل۔ پھر صحاح ستہ علی الخصوص بخاری شریف ومسلم شریف کی

روایات اور دیگر کتب احادیث میں احادیثِ سماع کے ذخائر ان آیاتِ قرآنی کی روشن تفسیر ہیں اور مرادِ خداوندی و مقصودِ باری تعالیٰ کی مکمل توضیح و تلویح ہیں۔

نیز یہی جمہور مفسرین و محدثین کا مذہب مختار اور پسندیدہ نظریہ و اعتقاد ہے۔ لہٰذا اس کا خلاف، خلافِ صواب ہے اور ناقابل قبول بلکہ باطل و مردود۔

اہل السنت والجماعت کا ضابطہ وقاعدہ تفسیر قرآن کے متعلق اور منکرین سماع کو چیلنج

قرآن کریم کے وہی معانی معتبر ہیں جو آیات و احادیث اور سنن مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثنائ کے موافق و مطابق ہوں۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے عمال و نائبین کو لکھا کہ تم فرائض اور سنت کا علم حاصل کرو اور لغت عربیہ کا اور ساتھ ہی فرمایا:

ان ناسا یجادلونکم یعنی بالقرآن فخذوھم بالسنن فان اصحاب السنن اعلم بکتاب اللہ۔ شفا لقاضی عیاض جلد دوم ص۱۱

لوگ تمہارے ساتھ قرآن کریم کے معانی و مطالب میں جھگڑا کریں گے اور اپنی مرضی کے مطابق معانی کریں گے، تم ان پر سنن کے ساتھ گرفت کرو، کیونکہ سنن مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے واقف اور ان کے محافظ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو بہتر جانتے ہیں۔

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معلم کتاب اور مبین معانی ہیں۔ قال اللہ تعالیٰ: وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم۔ لھذا اصل معانی و مطالب وہی ہیں جو آپ کی زبان حق ترجمان نے واضح فرمائے جو ان احادیث کو رد کر کے بیان کئے جائیں، وہ گمراہی و بے دینی کا موجب ہیں اسی لئے فرمایا یھدی بہ کثیرا و یضل بہ کثیرا۔ قرآن ایک جماعت کے لئے سرچشمۂ ہدایت ہے تو دوسرے گروہ کے لئے موجب گمراہی و ضلالت ہے، لہٰذا محض قرآن ہدایت کے لئے کافی نہیں جب تک اس کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان شامل نہ ہو۔

ملا علی قاری نے فرمایا جمیع ما قال الائمۃ شرح للسنۃ وجمیع السنۃ شرح للقرآن۔ مرقات جلد اول ص۲۴۰

ائمہ دین نے جو کچھ فرمایا وہ احادیثِ نبویہ کی شرح ہے اور تمام احادیث و سنن قرآن کریم کی شرح و تفسیر ہیں۔

لہٰذا اقوال اسلاف اور ائمہ دین کو یا احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خلافِ قرآن کہہ کر رد کرنا قطعاً غلط ہے بلکہ دین مبین کے ساتھ مذاق ہے۔

ہم منکرین کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ کتب احادیث میں سے صرف ایک حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ بھی صحیح نہیں ضعیف سہی ایسی دکھلادیں جس میں آپ نے فرمایا ہو کہ اہلِ قبور نہیں سنتے اور انہیں زائرین کا علم نہیں ہوتا۔ فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ۔ لیکن ثبوت سماع پر سینکڑوں احادیث و روایات اور آثار و حکایات پیش کی جاسکتی ہیں۔ معاندین و مخالفین کے مذہب و مسلک کے مطابق محدثین و مفسرین اور ارباب سنن کا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مخالفِ قرآن ہونا لازم آئے گا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کا خلاف قرآن ہونا اور سب احادیث کا خلاف قرآن ہونا لازم آئے گا۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

اس سے بڑھ کر ملحدین و بے دین لوگوں اور اسلام کے معاندین و مخالفین کی خدمت کیا ہوسکتی ہے۔ علی الخصوص منکرین حدیث کی کہ اسلام کا لبادہ اوڑھنے والے خود کہہ دیں۔ واقعی احادیث قرآن کے خلاف ہیں اور ہماری بخاری و مسلم بھی اس عیب سے خالی نہیں اور ان کی روایات بھی مردود و باطل ہیں۔ نعوذ باللہ۔

منکرین کا عذر:

منکرین کو ہمارے اس چیلنج کے جواب میں بڑی دُور کی سوجھی۔ فرمایا در اصل بات یہ ہے کہ جب اہل قبور کا سننا اور نہ جاننا اور نہ ان امور کا اہل ہونا واضح تھا تو آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم اسے کیوں ذکر فرماتے۔ یہ تو توضیح الواضح اور تحصیل الحاصل بن جاتی۔

(شفاء الصدور مترجم صہ۳۵)

عذر کا رد:

یارب ہم حیران ہیں کہ یہ لوگ علماء و فضلاء ہیں یا پرلے درجے کے جہلاء۔ ایک طرف تو اتنی وضاحت کا دعویٰ کہ بیان کی ضرورت بھی نہیں رہی تھی اور دوسری طرف غیر واضح امر یعنی علم و ادراک اور سماع و فہم پر دلالت کرنے والی احادیث کا شمار بھی متعسر و متعذر۔ اگر آپ نے عدم سماع کے واضح ہونے کی وجہ سے اس کی تصریح نہیں فرمائی تھی تو اثبات میں ایک لفظ بھی آپ سے صادر ہونا ناممکن تھا، پھر اس طرف اتنے ذخائر احادیث صحیحہ کے کیوں ہیں۔ نیز یہ حضرات قرآن کریم سے آیت پر آیت پڑھتے چلے جائیں گے جن میں ان کے زعم کے مطابق سماع کی نفی کی گئی ہے تو کیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ امر اتنا واضح و بدیہی نہیں تھا یا اس کے حق میں تحصیل حاصل اور توضیح واضح محال نہیں ہے۔ اس نے واضح امر کی بار بار وضاحت کیوں فرمائی اور اموات و اہل قبور سے بقول منکرین علم و ادراک اور سماع و فہم کی نفی کیوں فرمائی؟ ع جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے۔

منکرین و معاندین کا کتب حدیث میں سے واحد سہارا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول اور ذاتی اجتہاد و استنباط ہے۔ اب ہم اس کی حقیقت حال واضح کرتے ہیں تاکہ ان کے ترکش کا آخری تیر بھی ختم ہو جائے وباللہ التوفیق۔

دلیل نہم

ام المومنین حبیبۂ حبیب خدا علیہ و علیٰ آلہ و ازواجہ التحیۃ والثناء نے سماع اموات کا انکار فرمایا ہے اور شرعی مسائل میں ان کی بصیرت اور حسن رائے کا پورا عالم اسلام معترف ہے۔ نیز انہوں نے انکار پر قرآن کریم سے استدلال کیا اور اپنے دعویٰ کو آیات سے ثابت کیا۔ بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کیا: ان المیت یعذب فی قبرہ ببکاء اھلہ علیہ۔ بیشک میت کو اپنی قبر میں اس کے متعلقین کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے تو حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: انما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ لیعذب بخطیئتہ و ذنبہ وان اھلہ لیبکون علیہ الآن۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو صرف یہ فرمایا ہے کہ یہ میت اپنی خطاؤں اور گناہوں کی وجہ سے عذاب دیا جا رہا ہے اور اس کے رشتہ دار اس پر اب رو رہے ہیں۔

پھر حضرت ام المومنین نے فرمایا: وذالک مثل قولہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قام علی القلیب وفیہ قتلیٰ بدر من المشرکین فقال لھم ما قال انھم لیسمعون ما اقول لھم وانما قال انھم الآن لیعلمون ان ما کنت اقول لھم حق ثم قرءت انک لاتسمع الموتیٰ وما انت بمسمع من فی القبور۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول مثل اس قول کے ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم قلیب بدر پر تشریف لے گئے جس میں مشرکین کے مُردار پھینکے گئے تھے اور
آپ نے انہیں فرمایا جو کچھ فرمایا، مگر عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا میں جو کچھ کہہ رہا
ہوں۔ یہ مقتول اس کو سُن رہے ہیں، حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ مردار
اب جانتے ہیں کہ جو کچھ میں انہیں کہا کرتا تھا، وہ حق ہے۔ حضرت صدیقہ نے یہ دو آیات
پڑھیں انک لا تسمع الموتیٰ اور وما انت بمسمع من القبور۔ بخاری شریف جلد دوم ص ۵۶۷

لہٰذا ثابت ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سماع اموات کا انکار فرماتی ہیں اور وہ
قرآن کریم سے استدلال بھی فرمائیں، تو ان کا قول حجت تھا چہ جائیکہ جب اس کو قرآن
کریم کی آیات سے ثابت کر دیا، لہٰذا سماع موتیٰ کا دعویٰ غلط ہے اور سماع کی نفی و انکار
حق ہے۔

نیز یہاں سے یہ قاعدہ بھی پتہ چل گیا کہ جو روایت قرآن کریم کے خلاف ہو، وہ قابلِ
قبول نہیں، اسی لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت
کو قرآنِ کریم کے ساتھ رد فرمایا۔ لہٰذا ایسی احادیث جو سماع پر دلالت کرتی ہیں خلافِ
قرآن ہیں اس لئے قابلِ قبول نہیں۔ سماع موتیٰ کے قائل جتنی روایات پیش کرتے ہیں۔
ان سب کا جواب بھی اس قاعدہ سے آگیا جو حضرت ام المومنین نے وضع فرمایا۔

الجواب بتوفیق الوهاب:

قبل ازیں دونوں آیات کی تحقیق عرض کر چکے ہیں بما لا مزید علیہ انشاء اللہ
تعالیٰ لہٰذا ان سے نفی سماع پر استدلال درست نہیں، اب صرف ام المومنین حضرت عائشہ
صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قول کا جواب اور اس کی حقیقت کا بیان رہ گیا تھا تو ہم یہاں
صرف اس کی تحقیق پیش کریں گے تاکہ منکرین و مانعین اور معاندین و مجادلین کے لئے
کوئی سند و دلیل باقی نہ رہ جائے، لیکن اس تحقیق سے پہلے تمہیدی طور پر مذہب صدیقہ رضی اللہ
عنہا اور مذہب مانعین و مجادلین میں فرق کی وضاحت ضروری ہے۔

اوّل: منکرین عذاب قبر اور اس کے ثواب اور حیواۃ قبر و برزخ حتیٰ کہ حیاتِ
انبیاء علیہم السلام کے منکر ہیں۔ نیز اموات کے لئے سرے سے علم و ادراک ہی تسلیم نہیں کرتے۔
لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عذاب قبر اور حیواۃ برزخ کی قائل ہیں۔ خود حضرت صدیقہ
رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا۔ عذاب القبر حق۔ بخاری
باب عذاب القبر۔ اسی طرح آپ نے روایت فرمایا کہ میت کی ہڈی توڑنا ایسے ہے جیسا
کہ زندہ شخص کی ہڈی توڑنا کسر عظم المیت ککسرہ حیا۔ نیز آپ نے اہلِ قلیب کے لئے علم تسلیم
فرمایا جبکہ فرمایا انہم لیعلمون۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، کے دفن کے بعد ان سے شرم و
حیاء کی وجہ سے اچھی طرح کپڑے لپیٹ کر اور ستر کے ساتھ حجرۂ مبارکہ اور روضہ مقدسہ
میں حاضری دیتیں فلما دفن عمرؓ فواللہ ما دخلت الا وانا مشدودۃ علی ثیابی
حیاء من عمرؓ۔ لیکن ان کے دفن سے پہلے اس کی ضرورت نہیں سمجھتی تھیں اور خیال فرماتیں
انما ھو زوجی وابی۔ ایک میرے خاوند ہیں اور دوسرے میرے باپ، لہٰذا کسی سے
پردہ کی کیا ضرورت۔ اسی طرح آپ کا اپنے بھائی کی قبر پر تشریف لے جانا انہیں خطاب
کرنا بھی اس امر کی دلیل ہے کہ آپ کے نزدیک میت کو علم و ادراک ہوتا ہے۔ نیز اگر کوئی
شخص روضۂ اقدس کے پڑوسیوں میں سے اپنی دیوار میں میخ وغیرہ ٹھونکتا تو آپ اس کو
منع کر بھیجتیں اور فرماتیں لا تؤذوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی قبرہٖ۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے مزار میں تکلیف نہ پہنچاؤ۔ مواہب لدنیہ مع الزرقانی
ص ۳۳۷ جلد پنجم۔ جلد ہشتم ص ۳۰۵

دوم: علامہ عینی اور علامہ ابن حجر کی تحقیق کے مطابق بخاری باب عذاب القبر میں
حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی متضاد اور متخالف روایتیں جمع کرنے
کی صرف یہی وجہ ہے کہ حضرت عبداللہؓ کی روایت، وقتِ سوال میں ثبوتِ سماع پر دلالت
کرتی ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس کے بعد نفی سماع پر لیکن وقت سوال

ہیں سماعِ میت کے اندر ان کا اختلاف نہیں، بلکہ منکر نکیر کے سوال وجواب کے دوران سماعِ میت متفق علیہ ہے اور اس پر اجماع ہے اور مدتِ سوال بعض کے نزدیک تین دن ہے بعض کے نزدیک سات دن، لیکن معاندین ومخالفین اس وقت میں بھی سماع کو تسلیم نہیں کرتے اور حدیث صحیح انه ليسمع قرع نعالهم اذا ولوا عنه مدبرين کی من گھڑت تاویلات کرتے ہیں۔ اس تمہید کے بعد حضرت صدیقہ کے اس ارشاد کا جواب معروض خدمت ہے۔

الجواب الاول: ہم نے حیاتِ برزخ کے اثبات اور سماعِ اہلِ قبور اور ان کے علم وادراک کے اثبات میں اور پہلے تمہیدی مقدمہ میں متعدد روایات سے ثابت کر دیا ہے کہ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میت کے لئے علم وادراک اور سماع سلام وغیرہ کی قائل ہیں اور اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ علم وادراک اور سماع کی منکر ہیں، لہذا دونوں طرح کے روایات میں تعارض پیدا ہو گیا اور حکم تعارض یہ ہے کہ دونوں دلیلیں موقوف کر دی جائیں اور ان پر عمل نہ کیا جائے؛ لہذا حضرت صدیقہ کی نفی علم وسماع والی روایت موقوف ہو جائے گی، جیسا کہ آپ کی دوسری روایات موقوف العمل ہو جائیں گی، لیکن وہ آیات جو سماع پر دلالت کرتی ہیں اور وہ روایات جو دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہیں۔ وہ معارض سے سالم ہونے کی وجہ سے واجب العلم والعمل ہوں گی اور دعویٰ سماع پر حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قول سے اعتراض نہیں ہو سکے گا۔ لہذا ہمارا دعویٰ باطل نہ ہو سکا اور مخالفین کا دعویٰ ثابت نہ ہو سکا۔

سوال: تعارض حقیقی تب پایا جاتا ہے۔ جب دونوں متقابل دلیلیں قوت میں برابر ہوں۔ اور یہاں نفی پر قائم کردہ دلیل بخاری شریف اصح الکتب بعد کتاب اللہ میں موجود ہے اور علم وادراک یا سماع وفہم پر دلالت کرنے والی روایتیں جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہیں۔ وہ بخاری شریف میں موجود نہیں، بلکہ حجاب اور شد ثیاب والی روایت مسند امام احمد اور مستدرک حاکم میں ہے اور زائرین کے ساتھ انس حاصل

کرنا اور انہیں جواب دینا جس روایت سے ثابت ہے، وہ ابن ابی الدنیا نے کتاب القبور میں ذکر کی ہے۔ اپنے بھائی کی قبر پر جانا اور انہیں خطاب کرنا ترمذی نے روایت کیا ہے اور میت کی ہڈی توڑنے کا زندہ کی ہڈی توڑنے کی طرح ہونا۔ موطا امام مالک، ابوداؤد اور ابن ماجہ میں منقول ہے اور ان میں سے کوئی کتاب درجہ صحت میں بخاری شریف کے برابر نہیں۔ لہذا یہ روایات بخاری شریف کی روایت کے معارض ومقابل نہیں ہو سکتیں علی الخصوص جبکہ نفی سماع موتیٰ اور اہلِ قبور کی نصِ قرآنی سے ثابت ہے۔ لہذا نہ یہاں تعارض ہے نہ ہی دلیل نفی میں توقف بلکہ اس پر اعتقاد رکھنا ضروری اور اس کے مطابق عمل کرنا لازم۔

جوابِ اول: محض بخاری شریف میں کسی روایت کا موجود ہونا اس کے اقوی ہونے کی دلیل نہیں، جب تک کہ یہ ثابت نہ ہو جائے کہ دوسری روایات میں وہ راوی موجود نہیں جو امام بخاری کی شرائط کے مطابق ہیں یا امام بخاری نے جن سے روایات لی ہیں۔ اگر دوسری کتب حدیث میں منقول روایات انہی راویوں سے ہوں یا ان راویوں میں وہی شرائط موجود ہوں جو امام بخاری کے نزدیک معتبر ہیں، تو ان کی قوت اور درجہ بخاری شریف والی روایات سے کم نہیں ہوگا۔ لہذا یہ ثابت کرو کہ ان روایات میں وہ راوی نہیں یا ان میں وہ شرائط موجود نہیں ودونہ خرط القتاد۔

جوابِ ثانی: ان روایات میں بذاتِ خود وہ درجہ نہ سہی لیکن بخاری ومسلم کی متفق علیہ روایت، انه ليسمع قرع نعالهم اذا ولوا عنه مدبرين ان کی تائید کرتی ہے نیز حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول سماعِ اہلِ قلیب کی روایت انکی مؤید ہے نیز حضرت عمر، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن سیدان رضی اللہ عنہم تینوں بدری صحابیوں کی روایت، ما انتم باسمع لما اقول منهم ان کی تائید کرتی ہے۔ نیز جمہور کی موافقت ان روایات کی قوت وصحت پر واضح دلیل ہے بلکہ قرآن کریم کی وہ آیات جو ہم اثبات

سماع میں ذکر چکے ہیں، وہ بھی ان روایات کی قوت پر دلیل ساطع اور برہانِ ناطق ہیں اور
انک لا تسمع الموتیٰ یا وما انت بمسمع من فی القبور نفی سماع والی روایت کے
لئے مؤید نہیں بن سکتیں، کیونکہ ان سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ میت اور اہل قبور سنتے نہیں
صرف ظاہر ومتبادر کے لحاظ سے اتنا ثابت ہوتا ہے کہ انہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
نہیں سناتے اور نزاع اس میں تو نہیں کہ انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سناتے ہیں
یا نہیں بلکہ اس میں ہے کہ وہ سنتے ہیں یا نہیں قطع نظر اس سے کہ انہیں سنانے والا کون
ہے لہٰذا ہماری نقل کردہ روایات جو کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہیں اور
علم وادراک پر دلالت کرتی ہیں، وہ اقوی ہیں اور دلیل نفی ان کے معارض نہیں ہو سکتی
اور پہلا جواب تنزل پر مبنی تھا، ورنہ حقیقۃً ان میں قوت زائد ہے، کیونکہ قوت روایت
کی مدار محض سند پر نہیں، بلکہ متن حدیث کے معنی ومفہوم پر بھی ہے، حتّٰی کہ اگر کوئی روایت
صحیح سند کے ثابت ہو، مگر پیغمبر کی عزت وعظمت کے منافی ہو تو اس کو رد کر دیا جائے
گا اور پیغمبر ورسول کی عصمت پر اعتراض کی بجائے راوی کا کذب تسلیم کر لیا جائے گا
کما ھو المقرر عند القوم۔ لہٰذا اگر یہ مان بھی لیں کہ باعتبار سند کے حضرت صدیقہ کی
یہ روایت اقویٰ ہے، لیکن یہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ باعتبار معنی کے آپ کی دوسری
روایات زیادہ قوی ہیں، کیونکہ قرآن کریم اور بخاری ومسلم کی متفق علیہ روایات اثبات
سماع وادراک والی روایات کی تائید کرتی ہیں۔

الجواب الثانی: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پہلے اگرچہ سماع کی نفی
فرمائی، لیکن بعد میں آپ نے اس قول سے رجوع فرمالیا اور جب خود انہوں نے اپنے
قول سے رجوع فرمالیا، تو ہم پر بھی اس قول کو ترک کرنا لازم ہے جس طرح حضرت صدیقہ نے جمہور کی موافقت فرمائی
ہمارے لئے بھی ان کی موافقت لازم ہے۔

۱۔ شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز نے فرمایا:

بتحقیق ذکر کردہ است در مواہب لدنیہ کہ در مغازی محمد بن اسحاق باسناد جید در
مسند امام احمد بن حنبل نیز باسناد حسن از عائشہ رضی اللہ عنہا مثل حدیث عمر رضی اللہ عنہ
آمدہ پس گویا عائشہ رجوع کرد از انکار بسبب آنچہ ثابت شد نزد وے از روایت ثقات
صحابہ کبار زیرا کہ وے رضی اللہ عنہا حاضر نبود در آں قضیہ و در شرح مسلم نیز مثل ایں
مذکور شد۔ مدارج النبوت جلد دوم - اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ جلد سوم ص ۴۲۲

۲۔ مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندی نے فتح الملہم میں اسی مضمون کو نقل فرمایا ہے:

ان فی المغازی لابن اسحاق روایۃ یونس بن بکیر باسناد جید عن عائشۃ
رضی اللہ عنہا مثل حدیث ابی طلحۃ وفیہ ما انتم باسمع لما اقول منہم
واخرجہ احمد باسناد حسن فان کان محفوظاً فکانہا رجعت عن الانکار لما
ثبت عندھا من روایۃ ھؤلاء الصحابۃ رضی اللہ عنہم لکونہا لم تشہد القصۃ۔

فتح الملہم ۔ جلد دوم ص ۴۷۸ ۔ نقلا عن فتح الباری جلد سابع ص ۲۳۶

تحقیق مغازی ابن اسحاق میں یونس بن بکیر کی روایت حضرت عائشہ رضی اللہ
عنہا سے عمدہ سند کے ساتھ منقول ہے جو کہ حدیث ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کی مثل ہے اور
اس میں ہے کہ اے صحابہ تم ان سردار کفار سے زیادہ سننے والے نہیں اور امام احمد نے
سند حسن کے ساتھ اس روایت کو نقل فرمایا ہے۔ اگر یہ روایت محفوظ ہے (اور یقیناً
ہے، کیونکہ ہر دو سند جید اور حسن ہیں) تو گویا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انکار سماع
سے رجوع فرمالیا، اس لئے کہ انہیں ان صحابہ رضی اللہ عنہم کی روایت سے جو کہ بدر میں
موجود تھے۔ اس امر کا یقین ہوگیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ما انتم باسمع لما
اقول منہم فرمایا ہے، کیونکہ حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا خود تو اس واقعہ کی
شاہد نہیں تھیں (بلکہ مدینہ شریف میں موجود تھیں)

۳۔ نیز حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا اہل قبور پر سلام کرنا علی الخصوص حجرۂ اقدس

میں حاضری اور اپنے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کی قبر پر تشریف لے جانا
سلام دینا اور انہیں خطاب کرنا یا اپنے انکار سے رجوع پر مبنی ہے اور یا صرف کفار کے
حق میں اس انکار کے منحصر و مخصوص ہونے پر مبنی ہے، کیونکہ جو شخص کلام و سلام کو سنتا
نہیں ہے اس کو خطاب کرنا فعلِ عبث ہے اور عقلاً سے بعید۔ شیخ عبدالحق محدث
دہلوی قدس سرہٗ نے فرمایا۔ زیراکہ خطاب باکسی کہ نشنود و نہ فہمد معقول نیست و نزدیک
است کہ شمار کردہ شود از قبیلہ عبث چنانکہ عمر رضی اللہ عنہ گفت یا رسول اللہ چہ سخن
میکنی باجساد کہ نیست در آں ارواح۔

نیز ہم نے مفسرین کرام کی کلام سے واضح کر دیا ہے کہ اگر بالفرض انک لا تسمع
الموتی اور وما انت بمسمع من فی القبور میں ظاہری معنی مراد ہو تو بھی موتی اور
اہلِ قبور سے مردہ کافر مراد ہیں نہ کہ مسلمان اور اہلِ ایمان۔ لہٰذا رجوع کی صورت میں
بھی اس قول متروک سے استدلال باطل ہو گیا اور کفار کے ساتھ مخصوص ہونے کی صورت
میں بھی اور حضرت صدیقہ کے سلام و خطاب کی روایات مسلم شریف میں موجود ہیں،
جن کی صحت میں کلام نہیں ہو سکتا۔ نیز علامہ عینی اور ابن حجر کی تحقیق کے مطابق کفار
کے سماع کا انکار بھی سوالِ نکیرین کی مدت کے بعد ہو گا نہ کہ مطلقاً۔

الجواب الثالث: حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کے مخالف نہیں، بلکہ ان میں توفیق و تطبیق
ممکن ہے لہٰذا حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قول سے روایات سماع کو رد کرنا قطعاً
غلط ہے، کیونکہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جب یہ تسلیم فرما لیا کہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا انہم الان لیعلمون انما کنت اقول لہم حق تو ثابت ہو گیا کہ
اہلِ قلیب جمادات کی مانند بے علم و بے شعور اور مطلقاً علم و ادراک سے عاری نہیں
تھے۔ لہٰذا جب اس وقت میں ان کے لئے علم ممکن ہے، بلکہ بالفعل ثابت ہے تو سماع

کا امکان بھی ثابت ہو جائے گا۔ صاحب روح المعانی علامہ محمود آلوسی نے فرمایا:

۱۔ قال السهيلي ان عائشة رضي الله عنها لم تحضر قول النبي صلى الله
عليه وسلم فغيرها ممن حضر احفظ للفظه عليه الصلوٰة والسلام وقد
قالوا له أتخاطب قوما قد جيفوا فقال ما انتم باسمع لما اقول منهم. قالوا
واذا جاز ان يكونوا في تلك الحالة عالمين يعني كما تقول عائشة جاز
ان يكونوا سامعين - هو كلام قوي (الى) ولا مانع ان يكون النبي صلى الله
عليه وسلم قال اللفظين جميعًا فانه كما علم من كلام السهيلي لا تعارض
بينهما - روح المعاني - جلد ۲۱ ص ۵۰ وكذا في فتح الباري جلد سابع ص ۲۳۶

ترجمہ: علامہ سہیلی نے فرمایا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور نبی کریم
علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے خطاب اور اہلِ قلیب کے ساتھ کلام کے وقت حاضر نہیں
تھیں۔ لہٰذا ان کے علاوہ وہ صحابہ کرام جو اس وقت وہاں موجود تھے۔ وہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے الفاظ کو زیادہ محفوظ رکھنے والے ہیں۔ لہٰذا ان کی روایت راجح اور وزنی
ہو گی۔ علاوہ ازیں محدثین نے فرمایا کہ دونوں روایتوں میں تخالف نہیں)، جب اس
حالت میں ان کے لئے علم ممکن ہے تو سماع بھی ممکن ہے۔ صاحب روح المعانی فرماتے
ہیں کہ یہ کلام قوی ہے اور اپنی طرف سے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ ہو سکتا ہے آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں لفظ فرمائے، کیونکہ سہیلی کی کلام سے واضح ہو چکا ہے کہ دونوں
میں کوئی تعارض نہیں۔ لہٰذا دونوں روایات درست ہیں اور ایک دوسرے کے
خلاف نہیں کوئی روایت دوسری کو رد نہیں کرتی۔

(۲) شبیر احمد صاحب عثمانی نے فتح الملہم میں کہا:

لا مانع ان يكون النبي صلى الله عليه وسلم قال اللفظين معًا فانه لا
تعارض بينهما وقال ابن التين لا معارضة بين حديث ابن عمرؓ والاية

لان الموتیٰ لایسمعون بلاشك لکن اذا اراد اللہ السماع مالیس من شانہ السماع لم یمتنع کقولہ تعالیٰ انا عرضنا الامانۃ علی السموات الایۃ وقولہ ائتیا طوعًا اوکرھًا کذا فی الفتح من الجنائز وفی المغازی قال البیہقی العلم لایمنع من السماع والجواب عن الایۃ انہ لایسمعھم وھم موتیٰ ولکن اللہ احیاءھم حتیّٰ سمعوا کما قال قتادہ - فتح الملہم - جلد ثانی - ص۴۷۸

ترجمہ: اس میں کوئی امتناع واستحالہ نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں لفظ فرماتے ہوں، کیونکہ دونوں میں کوئی تعارض نہیں اور علامہ ابن التین نے فرمایا حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں اور آیتِ کریمہ میں کوئی تعارض نہیں، کیونکہ مردے یقیناً نہیں سنتے، لیکن جب اللہ تعالیٰ سنانا چاہے اس شیٔ کو جس میں سننے کی اہلیت نہیں تو بھی سننا ممتنع ونا ممکن نہیں ہوگا جیساکہ دونوں آیات انا عرضنا الامانۃ علی السموات والارض اور ائتیا طوعا اوکرھا آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کے سماعِ خطاب اور جواب پر دلالت کرتی ہیں۔ کذا فی الفتح من الجنائز اور مغازی میں منقول ہے امام بیہقی نے فرمایا کہ علم سماع سے مانع نہیں (یعنی حضرت صدیقہ کی روایت میں لیعلمون کا ذکر حضرت ابن عمر کی روایت میں مذکور ما انتم باسمع لما اقول منھم کے منافی نہیں) اور حضرت صدیقہ نے جو آیت پیش کی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہیں نہیں سناتے۔ دراں حالیکہ وہ مردہ ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ فرمادیا، حتیٰ کہ انہوں نے آپ کی کلام کو سن لیا جیساکہ حضرت قتادہ نے کہا۔

لہٰذا ان تصریحات سے واضح ہوگیا کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول نہ ان کی اپنی روایات کے منافی ہے جو کہ اہلِ قبور کے علم وشعور پر دلالت کرتی ہیں اور نہ ہی دوسری روایات کے لہٰذا تعارض ورجوع سے قطع نظر کرلیں تو بھی ام المومنین کی روایت سے ان روایات کا رد اور بطلان لازم نہیں آتا، کیونکہ تخالف ہی نہیں۔

۲۔ نیز حضرت صدیقہ اور حضرت ابن عمر کے روایات میں ایک اور وجہ سے بھی تطبیق ممکن ہے، کیونکہ سماع عرفِ عام میں حاسۂ سمع سے ہوتا ہے اور خرابیٔ بدن سے قوتِ سامعہ بھی خراب ہو جاتی ہے۔ اس لئے یہاں سماع سے حاسۂ سمع کے ساتھ سننا مراد نہیں، بلکہ علمِ مسموعات مراد ہے۔ لہٰذا حضرت عبداللہ بن عمر کی کلام میں بھی علمِ مسموعات مراد ہے اور حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بھی علم تسلیم فرمایا ہے۔ لہٰذا اب بھی ان میں کوئی تخالف نہیں رہے گا۔ شیخ محقق قدس سرہ نے فرمایا:

فرضاً اگر از ثبوت سماع تنزل کنیم باعتبار آنکہ سماع بحاسۂ سمع میباشد وسمع بخرابی بدن خراب شد بگوئیم از نفی سمع نفی علم لازم نمی آید وعلم بروح بود کہ باقی است پس علم بمبصرات ومسموعات حاصل باشد نہ بروجہ ابصار وسمع چنانکہ بعضے متکلماں سمع وبصر الٰہی را بعلم بمسموعات ومبصرات تاویل کردہ اند، وتحقیق وارد شدہ اخبار وآثار در علم موتیٰ باحوالِ زیارت کنندگاں را وشناختن ایشاں را دتا، ونیز شک نیست در حصول علم مرموتیٰ را در آخرت وبرزخ وبحقیقت دینِ اسلام چنانکہ عائشہ رضی اللہ عنہا گفتہ ومتفق علیہ است در مراد بحدیث پس ممکن است علم بدنیا واہلِ دنیا الخ۔ اشعۃ اللمعات جلد سوم ص۴۰۱ و۴۰۲

اقول: حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی کلام میں سماعِ متعارف کی نفی پر دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مقتولِ کفار کے کنوئیں میں پھینکے جانے کے بعد اس کنوئیں پر تشریف لے گئے اور ان میں سے ہر ایک کا نام لے کر خطاب فرمایا جیساکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ترك قتلی بدر ثلاثا ثم اتاھم فقام علیھم فقال یا ابا جھل بن ھشام یا امیۃ بن خلف یا عتبۃ بن ربیعہ یا شیبۃ بن ربیعۃ الیس قد وجدتم ما وعدکم ربکم حقا الخ۔ نیز صحابہ کرام نے اس خطاب اور کلام پر تعجب کا اظہار کیا اور عرض کیا أتدعوا امواتاً۔ اور دوسری روایت میں ہے فسمع عمر قول النبی صلی اللہ

علیہ وسلم فقال یارسول اللہ کیف یسمعوا و انی یجیبوا وقد جیفوا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان دونوں امور کا انکار نہیں فرماتیں، بلکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت جو مانعین کی طرف سے پیش کی گئی ہے۔ اس میں تصریح موجود ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قام علی القلیب و فیہ قتلی بدر من المشرکین فقال لھم ما قال کہ آپ قلیب بدر پر تشریف لے گئے جس میں مشرکین کے مقتول تھے اور آپ نے انہیں فرمایا جو کچھ فرمایا۔

لہٰذا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اختلاف ہے تو صرف اس میں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے استعجاب اور استفسار کا جواب دیتے ہوئے کیا الفاظ فرمائے ما انتم باسمع لما اقول منھم یا انھم الآن لیعلمون ان ما کنت اقول لھم حق فرمایا۔ جب یہ واضح ہوگیا کہ پہلے دو امر میں اختلاف نہیں نہ آپ کے نداء و خطاب میں اور نہ ہی صحابہ کرام کے اظہارِ تعجب اور استفہام و استفسار میں تو یہ بھی روزِ روشن سے زیادہ واضح ہوگیا کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک وہ مردار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطاب و نداء کو جانتے تھے اگرچہ حاسہ سمع سے نہیں سن رہے تھے، ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب عبث و بے مقصد ہو جائے گا اور صحابہ کرام کا سوال لاجواب بن جائے گا اور جو جواب بقول حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا دیا گیا، وہ صحابہ کرام کے سوال کو نہیں اٹھاتا اور نہ ان کے تعجب کو دور کرتا ہے، کیونکہ ان کے نزدیک وہ مردار اس قابل نہیں تھے کہ انہیں ندا کی جائے یا ان سے کلام کی جاتے، حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نداء و خطاب کیا اور ان سے کلام فرمائی۔ لہٰذا یہ تسلیم کرنا لازم و واجب ہے کہ ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک اموات و اہلِ قبور کو زائرین کے خطاب و نداء اور سلام و کلام کا علم ہوتا ہے۔ اگرچہ متعارف سماع یعنی جسمانی کانوں کے ساتھ سننا ان میں ثابت نہیں، اور

حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عمر، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن سیدان کی روایت میں وارد سماع کو اگر علم بالمسموعات پر حمل کریں اور اسی طرح انک لا تسمع الموتی وغیرہ میں تو اب نہ احادیث و روایات میں باہم تخالف ہوگا اور نہ ہی قرآن کریم کے ساتھ۔

ہماری اس تقریر سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ منکرین و مانعین کا حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قول سے استدلال لغو و باطل ہے اور جمہور اہلِ اسلام جو کہ سماع کے قائل ہیں، ان کے نزدیک بھی سماع متعارف مراد نہیں، کیونکہ جب بدن ہی میت کا ذرہ ذرہ ہو جاتا ہے اور ہر ہر عضو بکھر جاتا ہے تو کان کا موجود ہونا اور اس کی گہرائی میں عصب مفروش کا متحقق ہونا اور اس میں ہوا کا موجود ہونا اور باہر سے کیفیات صوتیہ کے ساتھ متصف ہو کر ہوا کا کان تک پہنچنا، تب میت کا اس آواز کو سننا قطعاً جمہور کے نزدیک مراد نہیں جیسا کہ آنکھوں سے دیکھنا متعارف مراد نہیں، بلکہ ان کے نزدیک سننے دیکھنے وغیرہ کی مدار بدن اور اس کے اجزاء و اعضاء کے ساتھ روح کے مخصوص تعلق پر ہے جس کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے. خواہ اس کا نام سماع و رویۃ ہو یا علم مبصرات و مسموعات جس طرح روح کا تعلق بالبدن بدن میں حیات متعارف کو مستلزم نہیں، اسی طرح سمع و بصر متعارف کو بھی مستلزم نہیں، لیکن جس طرح مطلق حیات کا انکار باطل ہے، اسی طرح مطلقاً سلام و کلام اور خطاب و ندا کے علم کا انکار بھی لغو و باطل ہے۔

علامہ آلوسی کی کلام سے اور دیگر محققین کی کلام سے کیفیتِ سماع کا بیان پہلے آچکا ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمائیے :

الجواب الرابع : بالفرض مان لیں کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا مطلقاً علم کی قائل نہیں ہیں، تو ہم کہتے ہیں کہ ان کا قول ان کے اپنے اجتہاد و استنباط پر مبنی ہے،

اسی لئے انہوں نے اس پر روایت و حدیث سے استدلال نہیں کیا، بلکہ قرآن کریم سے استدلال کیا ہے اور دوسرے صحابہ کرام جن سے وہ روایت ثابت ہے۔ وہ یا تو خود میدانِ بدر میں موجود تھے اور اپنے کانوں کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو سنا اور یا ان صحابہ سے سنا جنہوں نے بالمشافہہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ لہٰذا ان کا قول راجح و مختار ہے نہ کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا۔

(۱) فتح الملہم میں ہے: ولم ینفرد عمرؓ ولا ابنہ رضی اللہ عنہما بحکایۃ ذالک بل وافقھما ابوطلحۃ کما تقدم وللطبرانی من حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ مثلہ باسناد صحیح ومن حدیث عبد اللہ بن سیدان نحوہ وفیہ قالوا یارسول اللہ وھل یسمعون قال یسمعون کما تسمعون ولکن لا یجیبون وفی حدیث ابن مسعود ولکنھم الیوم لا یجیبون

فتح الملہم۔ جلد دوم۔ صہ ۲۷۴ نقلا من فتح الباری جلد سابع صہ ۲۳۶

ترجمہ: حضرت عمر اور ان کے بیٹے حضرت عبد اللہ حکایتِ واقعۂ بدر میں منفرد نہیں، بلکہ حضرت ابوطلحہ بھی ان کے موافق ہیں اور طبرانی میں حضرت عبد اللہ بن مسعود سے صحیح سند سے اس کی مثل منقول ہے اور عبد اللہ بن سیدان سے بھی اسی طرح منقول ہے اور اس میں ہے کہ صحابہ نے عرض کیا، یہ اہل قلیب سنتے ہیں، تو آپ نے فرمایا ایسے ہی سنتے ہیں جیسا کہ تم لیکن جواب نہیں دیتے اور حدیث عبد اللہ بن مسعود میں ہے لیکن آج کے دن وہ جواب نہیں دیتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت اور حضرت ابوطلحہ کی روایت مسلم میں مذکور ہے اور احادیثِ سماع میں ان کا ذکر کیا جا چکا ہے اور حضرت عبد اللہ بن مسعود سے اسناد صحیح کے ساتھ اس روایت کا ثبوت طبرانی میں منقول ہے اور یہ تینوں بدری صحابی ہیں اور موقعہ کے شاہد و گواہ اور حضرت عبد اللہ بن عمر اور حضرت عبد اللہ بن سیدان اگرچہ میدانِ بدر میں حاضر نہیں تھے لیکن

ان کو ان صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت پہنچی ہے جو موقعہ پر موجود تھے لہٰذا انہیں کی روایت معتبر ہے جو موقعہ کے شاہد ہیں یا جن کی روایت ان کے موافق ہے۔

(۲) نیز حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے خود یہ ضابطہ و قاعدہ بیان فرمایا ہے کہ جس کو واقعہ کا مشاہدہ ہے اس کا قول راجح و مختار ہے۔ مسلم شریف میں ہے کہ حضرت شریح بن ہانی نے صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مسح خفین کی مدت کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا:

علیک بابن ابی طالب فاسألہ فانہ کان یسافر مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفی روایۃ ایت علیاً فانہ اعلم بذالک منی۔ مسلم شریف جلد اول صہ ۱۳۵

تو حضرت علی بن ابی طالب کی خدمت میں حاضر ہو اور ان سے دریافت کر، کیونکہ وہ سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتے تھے اور دوسری روایت میں ہے کہ انہیں اس معاملہ میں مجھ سے زیادہ علم ہے۔

اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ جس کو واقعہ کا علم زیادہ ہے، اسی کا قول معتبر ہے اور اس کا علم دوسروں سے بہرحال زیادہ ہے جو موقعہ پر موجود ہے، چونکہ بدری صحابہ موقعہ کے گواہ ہیں اور خود آنحضرت علیہ السلام کے سامنے تعجب کا اظہار اور حقیقتِ حال سے استفسار کرنے والے ہیں لہٰذا انہیں کا قول معتبر ہے۔

نیز وہ صحابہ کرام جنہوں نے خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ان کا علم قطعی یقینی ناقابلِ شک و تردد ہے اور جن کو راویوں کے واسطہ سے وہ حدیث پہنچی ان کا علم اس درجہ قطعی اور یقینی نہیں ہوسکتا۔ ملا علی القاری نے فرمایا:

ان ظنیۃ الخبر الواحد انما ھو بالنسبۃ الیٰ غیر راویہ فاما بالنسبۃ الی راویہ الذی سمعہ من فی رسول اللہ فقطعی حتی ینسخ بہ الکتاب اذا کان قطعی الدلالۃ فی معناہ۔ مرقات۔ جلد دوم۔ صہ ۸۵

خبر واحد کا ظنی ہونا اصل راوی کے ماسوا میں ہے، لیکن جس راوی نے اس خبر کو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ مبارک سے سنا یہ اس کے حق میں قطعی ہے حتیٰ کہ اگر وہ حدیث اپنے معنی میں قطعی الدلالت ہو تو اس کے ساتھ کتاب اللہ کو منسوخ کیا جا سکتا ہے۔

(۳) جب ایک طرف صحابہ کرام کی روایت ہو جو اس واقعہ کے شاہد ہیں اور جن کو اتنا قطعی علم ہے کہ ان کے نزدیک کتاب اللہ کا نسخ بھی اس حدیث سے ہو سکتا ہے اور دوسری طرف حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا اپنا اجتہاد و استنباط ہو، حالانکہ المجتہد قد یخطی و قد یصیب۔ مجتہد کبھی غلطی کر جاتا ہے اور کبھی صواب کو پا لیتا ہے، تو لامحالہ اس قیاس و اجتہاد پر ان روایاتِ مرفوعہ کو ترجیح ہوگی اور صرف وہی قابل قبول ہوں گی۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے فرمایا: کان ھذا شبھۃ وقعت لعائشۃ رضی اللہ عنہا انہ کیف یصح خطابہ صلی اللہ علیہ وسلم للموتی مع ان اللہ تعالیٰ قال انک لا تسمع الموتیٰ۔ شرح تراجم بخاری۔ ص۳۰

ترجمہ: حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کو یہ شبہ واقع ہوا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مردوں کو خطاب کرنا اور ان کے سننے کا حکم کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے اور آنحضرت کی طرف ۔ اس قول کی نسبت کیسے درست ہو سکتی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے انک لا تسمع الموتیٰ۔ تو ثابت ہو گیا کہ حضرت صدیقہ کا قول مرفوع یا منقطع و مرسل روایت نہیں، بلکہ اپنا اجتہاد و قیاس ہے اور انہیں شبہ واقع ہوا لہٰذا صحابہ کرام کی شہادت کو اس شبہ پر یقیناً ترجیح حاصل ہے۔ ھذا۔

الجواب الخامس: قطع نظر اس سے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی روایت اصح و اقوی ہے اور حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول اپنے اجتہاد پر مبنی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ سماع اہل قبور کا قول و اقرار جمہور کا مذہب ہے اور انکار

میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا منفرد ہیں۔ لہٰذا اب بھی جمہور کی اتباع لازم ہے اور سماع اموات کا اعتراف و اقرار ضروری ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایاکم والشعاب وعلیکم بالجماعۃ والعامۃ اور علامہ علی قاری نے فرمایا علیکم بمتابعۃ جمہور العلماء من اھل السنۃ والجماعۃ۔ (تم اپنے آپ کو مختلف راستوں پر چلنے سے بچاؤ اور جماعت و جمہور کا دامن تھامو، یعنی جمہور علماء اہل السنت کی اتباع کا التزام کرو۔ مرقات جلد اول ص۲۵۵)

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اتبعوا السواد الاعظم (عظیم گروہ اور بھاری جمعیت کی اتباع کرو) مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ۔

تو ثابت ہوا کہ جمہور علماء کی اتباع واجب و لازم ہے۔

۱۔ علامہ عینی اور علامہ حافظ ابن حجر نے فرمایا: ھذا مصیر من عائشۃ الیٰ رد روایۃ ابن عمر رضی اللہ عنہما المذکور وقد خالفھا الجمہور فی ذالک وقبلوا روایۃ ابن عمر لموافقۃ من رواہ غیرہ عنہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ فتح الباری جلد پنجم ص۱۰۲ مطبع انصاری۔ فتح الملہم جلد دوم ص۴۷۸۔ عمدۃ القاری جلد رابع ص۲۲۴

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول انھم الان لیعلمون عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مذکورہ روایت کے رد کی طرف میلان ہے، لیکن جمہور نے اس قول میں ان کی مخالفت کی ہے اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کو قبول کیا ہے، کیونکہ ان کے علاوہ دوسرے صحابہ کرام کی روایت ان کی روایت کے مطابق ہے۔

۲۔ علامہ قسطلانی شارح بخاری نے فرمایا: وقد خالف الجمہور عائشۃ رضی اللہ عنہا وقبلوا حدیث بن عمر رضی اللہ عنہما لموافقۃ من رواہ غیرہ علیہ ولامانع انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللفظین معاً ولم

تحفظ عائشة رضی اللہ عنہا الا احدھما وحفظ غیرھا سماعھم بعد
احیاءھم واذا جاز ان یکون عالمین جاز ان یکونوا سامعین اما بآذان
رؤسھم کما ھو قول الجمھور او بآذان الروح فقط والمعتمد قول الجمھور
لانہ لوکان العذاب علی الروح فقط لم یکن للقبر بذالک اختصاص۔
قسطلانی جلد دوم صـ۳۷۸ نولکشور وکذا فی فتح الباری جلد سابع صـ۲۳۶ مطبوعہ مصر

ترجمہ: جمہور نے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس قول میں مخالفت کی ہے اور حدیث عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو قبول کیا ہے، کیونکہ ان کے علاوہ دوسرے حضرات صحابہ کی روایت ان کے موافق ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں لفظ فرمائے ہوں اور حضرت صدیقہ نے صرف ایک کو حفظ فرمالیا ہو اور دوسروں نے ان کے زندہ کئے جانے کے بعد ان کے سماع کو بھی حفظ کیا ہو اور جب اہلِ قلیب کا اس حال میں صاحبِ علم ہونا ممکن ہے تو ان کا سماع بھی ممکن ہے (کیونکہ جب عذابِ قبر کے حق میں مانند جماد نہیں، بلکہ اس کو جان رہے ہیں اور اس کا مزہ چکھ رہے ہیں تو سماع کے حق میں بھی جماد کی طرح نہیں) تو سماع ان کا یا تو سر کے کانوں کے ساتھ ہوگا جیسا کہ جمہور کا مختار ہے (یعنی بدن کے ساتھ تعلقِ روح قائم ہونے کے بعد خواہ بدن کی کیفیت کچھ ہی کیوں نہ ہو) یا صرف روح کے کانوں کے ساتھ (بغیر اس کے کہ رُوح کا تعلق بدن کے ساتھ ہو) لیکن قابلِ اعتماد و اعتبار صرف جمہور کا مذہب ہے، کیونکہ عذاب صرف روح پر ہو تو پھر قبر کے ساتھ عذاب کی کوئی خصوصیت نہیں ہوسکتی (حالانکہ احادیث میں قبر کے ساتھ عذاب کا اختصاص صراحت کے ساتھ مذکور ہے)

(۴) علامہ ابن حجر نے فرمایا: قال البعض ان السوال فی القبر یقع علی الجسد فقط وقال البعض یقع علی الروح فقط خالفھم الجمھور فقالوا

تعاد الروح الی الجسد کلہ او بعضہ کما ثبت فی الحدیث ولوکان للروح
فقط لم یکن بذالک اختصاص للبدن الخ فتح الباری جلد پنجم صـ۲۰۴

ترجمہ: بعض نے کہا کہ قبر میں سوال صرف جسم سے ہے نہ کہ رُوح مع البدن سے اور بعض نے کہا صرف روح سے ہے نہ کہ روح و بدن دونوں سے لیکن جمہور نے ان کی مخالفت کی اور کہا کہ روح بدن کی طرف لوٹایا جاتا ہے۔ خواہ سارے بدن کی طرف، خواہ بعض کی طرف جیسا کہ حدیث شریف میں ثابت ہے اگر سوال صرف روح سے ہوتا تو بدن کا اس کے ساتھ کوئی اختصاص نہ ہوتا (حالانکہ احادیث میں میت کا اٹھایا جانا اور اس کو گرز مارنا اور پسلیوں کا ایک دوسری میں دھنس جانا وغیرہ، واضح طور پر ثابت ہے لہٰذا سوال بدن و رُوح دونوں سے ہے)

(۵) علامہ سید محمود آلوسی صاحب روح المعانی فرماتے ہیں: الجمھور علیٰ عود الروح الی الجسد کلہ او بعضہ وقت السوال علیٰ وجہ لا یحس بہ اھل الدنیا الا ماشاء اللہ۔

ترجمہ: جمہور کا مختار یہ ہے کہ روح وقتِ سوال میں بدن کی طرف لوٹایا جاتا ہے، تمام کی طرف یا بعض کی طرف مگر ایسے طریقہ پر کہ اہلِ دنیا اس کا احساس اور مشاہدہ نہیں کرسکتے، مگر جن کو اللہ تعالیٰ مشاہدہ کرانا چاہے۔ انتہی بقدر الحاجۃ۔ جلد ۱۲ صـ۱۵

اقول، رُوح کے جسم کی طرف قبر میں لوٹائے جانے پر دلائل احادیثِ طیبہ سے اور اس پر علمائے اہل السنت کا اجماع و اتفاق قدرے تفصیل کے ساتھ عذاب و ثواب قبر کی بحث میں آچکا ہے۔ یہاں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ جمہور اہل اسلام صحابہ کرام تابعین تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین قبر میں میت کی حیات کے قائل ہیں اور سماعِ اموات کے بھی قائل ہیں۔ لہٰذا جمہور کی اتباع لازم ہے اور وہی مذہب قوی اور صواب ہے، جس کو سوادِ اعظم اور جماعتِ عامہ نے اختیار فرمایا ہے۔ لہٰذا مذہبِ جمہور کو چھوڑ کر

ایسا مذہب اختیار کرنا جس کے قائل نے خود اس سے رجوع کر لیا ہو یا اس کے اپنے
اقوال متناقض و متعارض ہوں یا مذہب جمہور کے مطابق نہ ہوں، قطعاً درست
نہیں، بلکہ لغو و باطل ہے اور کسی بھی سنیت کے دعویدار شخص کو ایسے مذہب کا اختیار
کرنا روا نہیں ہے۔

حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب ضابطہ اور قاعدہ

مانعین و منکرین نے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی کلام سے ایک قاعدہ و ضابطہ
اخذ کیا اور وہ یہ ہے کہ جو روایت قرآن کریم کے خلاف ہو وہ مردود ہے اور اسی بناء
پر خود حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت کو رد فرمایا لہٰذا
انہوں نے اس ضابطہ کو دل کھول کر استعمال فرمایا اور بخاری و مسلم اور صحاح ستہ و دیگر
کتب کی احادیث کو بیک جنبش قلم مردود اور ناقابل اعتبار قرار دے دیا، کیونکہ ان کے زعم
کے مطابق وہ خلاف قرآن مجید و کلام حمید ہیں اور اسی بناء پر منکرین مباحثہ و مناظرہ کے
وقت شرط کرتے ہیں کہ صرف آیات کے ساتھ استدلال ہونا چاہیئے۔ اس لئے ضابطہ
کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے تاکہ اہل السنت بھائی ان کے فریب میں آکر
مذہب حق سے برگشتہ نہ ہو جائیں۔

فاقول وعلی توفیقہ اعول (۱) سب سے پہلے یہ امر ذہن میں رکھنا ضروری
ہے کہ احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کا بیان ہیں اور اللہ تعالیٰ نے قرآن
کریم کو اسی لئے نازل فرمایا تاکہ آپ لوگوں کو اس کی تعلیم دیں اور اس کے حقائق و معارف
سے آگاہ کریں وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیہم نیز فرمایا
یعلمھم الکتاب والحکمۃ ویزکیھم۔ اور جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا
بیان کلام مجید کے ساتھ شامل نہ ہو، اتنے وقت تک بنیادی ارکان اور ان کی تفصیلات
بھی ثابت نہیں ہو سکتیں۔ پانچ نمازوں کے اوقات کی تفصیل۔ ان کی رکعات کا تعین

اور ارکان کی ترتیب وغیرہ۔ زکوٰۃ کی تفصیل اور سال میں ایک بار ادائیگی کی فرضیت۔
علیٰ ہذا القیاس حج اور روزہ کے تفصیلی احکام۔ نیز حلال و حرام کی تفصیلات کیونکہ
کلام مجید میں تو صرف چند اشیاء کی حرمت بیان کی گئی ہے۔ انما حرم علیکم المیتۃ
والدم ولحم الخنزیر وما اھل بہ لغیر اللہ۔ تو اگر حدیث پاک کا اعتبار نہیں،
تو پوری شریعت ناقابل اعتبار ہو گی۔

(۲) احادیث میں ظن و گمان کی گنجائش متن حدیث کی رو سے نہیں بلکہ محض سند اور
راویوں کی وجہ سے اخبار آحاد میں ظن غالب کا درجہ پایا گیا ہے، ورنہ جو حضرات
خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا واسطہ سننے والے ہیں ان کے لئے حدیث آیات
قرآنی کا درجہ رکھتی ہے، حتیٰ کہ اگر وہ حدیث اپنے معنی میں قطعی الدلالت ہو تو قرآن
کریم کو اس سے منسوخ کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ ملا علی القاری کی کلام میں
اس کی تصریح موجود ہے۔ نیز احادیث متواترہ علم یقینی کا فائدہ دیتی ہیں اور قرآن
کریم کی طرح قطعی ہیں جس طرح کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچ نمازیں اور ان
کی ترتیب وغیرہ تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔ نیز خبر مشہور مفید جزم و اذعان ہوتی ہے
ہے، اسی لئے اس کے ساتھ قرآن کریم سے ثابت حکم پر اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ
نسخ کتاب اللہ کا اس کے ساتھ جائز نہیں۔ خبر مشہور اور خبر واحد کلام اللہ شریف کے
مخالف ہوں تو حتی الامکان تطبیق کی کوشش کی جائے گی اور اگر کوئی وجہ تطبیق نہ نکلے
تب خبر واحد پر عمل نہیں کیا جائے گا اور یہی سمجھا جائیگا کہ راوی کو غلط فہمی ہوئی اور
اس نے متن حدیث کو صحیح طریقہ پر نقل نہیں کیا، لیکن پہلے دونوں قسموں کا کلام مجید کے
مخالف ہونا ناممکن ہے تا وقتیکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس حکم کے منسوخ ہونے
کا اعلان نہ فرمائیں۔ اس تمہید کے بعد مانعین کی تفریعات کا ابطال اور ان کے اس
ضابطہ و قاعدہ کی وضاحت۔ اور اس کے بے محل ہونے کا بیان ملاحظہ ہو:

وجہ اوّل: اسلام میں اہلِ قبور کی زیارت اور انہیں سلام دینے کی مشروعیت تواتر کے ساتھ ثابت ہے اور پہلے آپ نے منع فرمایا اور بعد میں زیارت اور سلام کا حکم دیا اور ہر زمانہ میں سب اہل اسلام کا اس پر اتفاق رہا ہے۔ جب اس کا مشروع ہونا قطعی طور پر ثابت ہو گیا تو اب دیکھنا یہ ہے کہ خطاب و ندا، بغیر فہم مخاطب کے درست ہے یا نہیں؟ لیکن کوئی محدث اور عالم اس کا قائل نہیں اور نہ ہی عقل اس امر کو جائز رکھتا ہے بلکہ بقول مولانا محمد قاسم نانوتوی اگر اموات نہ سنتے ہوتے تو سلام کا مسنون و مشروع ہونا ملحدین و بے دین لوگوں کے لئے اعتراضات و طعن و تشنیع کا سب سے بڑا موجب و باعث بن جاتا اور جب اہلِ اسلام پر کسی نے اعتراض نہیں کیا، تو معلوم ہوا کہ سب ملل و نحل اور مذاہب و ادیان میں یہ امر محقق و مسلم ہے کہ اہلِ قبور میں علم و ادراک اور سماع و شعور ہے۔

۱۔ شیخ محقق کی تصریح اس ضمن میں ملاحظہ فرمایئے:

وہمچنیں در زیارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اہلِ بقیع را آمدہ کہ سلام کرد بر ایشاں و خطاب کرد مر ایشاں را زیرا کہ خطاب باکسے کہ نہ شنود و نہ فہمد معقول نیست و نزدیک است کہ شمار کردہ شود از قبیلۂ عبث چنانکہ عمر رضی اللہ عنہ گفت چہ خطاب میکنی باجساد کہ نیست در آں ارواح۔

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اہل بقیع کی زیارت کرنا اور انہیں سلام دینا اور ان کو خطاب فرمانا (سماع اہلِ قبور کی دلیل ہے) کیونکہ ایسی ذات کو خطاب جس میں سننے سمجھنے کی لیاقت نہیں، عقل کے نزدیک درست نہیں اور عبث و بے فائدہ فعل سمجھا جائے گا جیسے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ ان مُرداروں کو کیوں خطاب فرما رہے ہیں جن میں رُوح نہیں۔

۲۔ ملا علی قاری نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اہلِ مقبرہ کو السلام علیکم

دار قوم مومنین الحدیث فرمانا اس امر کی دلیل ہے کہ اہلِ قبور زائرین کے سلام و خطاب کو سمجھتے ہیں۔ فیہ اشارۃ الی انہم یعرفون الزائر و یدرکون کلامہ وسلامہ۔
مرقات - جلد اول ص ۳۳۲

۳۔ علامہ نووی شارح مسلم نے فرمایا: قال القاضی العیاض قدس سرہ یحمل سماعھم علی ما یحمل علیہ سماع الموتیٰ فی احادیث عذاب القبر و فتنتہ التی لا مدفع لہا و ذالک باحیاءھم او احیاء جزء منھم یعقلون بہ و یسمعون فی الوقت الذی یرید اللہ ھذا کلام القاضی و ھو الظاھر المختار الذی تقتضیہ احادیث السلام علی القبور۔ واللہ اعلم۔ مسلم شریف جلد ۲ ص ۳۸۷

ترجمہ: قاضی عیاض قدس سرہ نے فرمایا کہ اہل بدر کفار کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطاب کو سننا اسی طرح حقیقت پر محمول ہے جیسا کہ عذاب قبر اور سوال نکیرین وغیرہ میں وارد احادیث کے اندر سماع موتیٰ حقیقت پر محمول ہے، یعنی اس میں وقتی طور پر شانِ اعجازی کا مظاہرہ تسلیم کرنا اور اسے اپنے مورد میں منحصر ماننا غلط ہے، بلکہ بالعموم موتیٰ میں جس طرح احادیثِ نبویہ سے سماع ثابت ہے۔ یہاں بھی اسی طرح کا سماع مراد ہے۔ علامہ نووی نے فرمایا، قاضی عیاض کا قول قطعی اور مختار ہے اور اہل قبور پر سلام والی احادیث اسی معنی کی متقاضی ہیں، یعنی یہ کہ اہلِ قبور میں سننے سمجھنے کی اہلیت موجود ہے۔

۴۔ مولانا شبیر احمد نے یخرج من آخر اللیل الی البقیع فیقول السلام علیکم الحدیث کے تحت فرمایا الصواب ان المیت اھل للخطاب مطلقا لما سبق من الحدیث ما من احد یمر بقبر اخیہ المومن یعرفہ فی الدنیا فیسلم علیہ الا عرفہ ورد علیہ السلام۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف

فرما ہوتے تورات کے آخری حصہ میں جنت البقیع کی طرف نکلتے اور انہیں سلام دیتے اس ضمن میں عثمانی صاحب نے کہا کہ مذہب صواب اور صحیح یہ ہے کہ میت خطاب و ندا کے قابل ہے۔ مطلقاً اور اس کی دلیل وہ حدیث پاک ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص بھی اپنے مسلمان بھائی کی قبر کے پاس سے گزرے جس کو وہ دنیا میں جانتا تھا اور اس پر سلام دے تو وہ اس کو پہچان بھی لے گا اور اس کے سلام کا جواب بھی دے گا۔

الغرض اسی طرح حوالے اور نقول پیش کرتے جائیں تو طوالت ہو جائے گی ہمارا مقصد صرف اتنا ہے کہ اہل قبور کو سلام دینا اور خطاب کرنا دین اسلام میں متواتر و متوارث ہے اور ان اکابرین کی تصریحات اور اس کے علاوہ مقتدایانِ امت کے اقوال کی شہادت سے قطع نظر عقلاً یہ امر بعید اور ناقابلِ فہم ہے کہ جو لوگ سلام و کلام کو سمجھتے نہیں سنتے نہیں، ان کو سلام دینا اسلام کے شعائر میں سے بنا دیا جائے اور مجنونوں دیوانوں کی طرح خاک کے تودوں اور مٹی کے ڈھیروں کو ساری امت خطاب کرتی رہ جائے۔ نیز ایسے متواتر و متوارث امور کا خلافِ قرآن ہونا قطعاً باطل ہے، ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ساری امت کا خلافِ قرآن پر متفق ہونا لازم آئے گا اور خلافِ قرآن ضلالت و گمراہی ہے۔ نعوذ باللہ۔ حالانکہ ساری امت اور اس کے نبی امام الانبیاء و رسل سید الخلق اجمعین محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ و صحبہ اجمعین کے متعلق اس طرح کا وہم بھی کفر ہے۔

نیز کسی روایت میں مانعین و منکرین دکھلا دیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ وہ سلام و ندا سنتے نہیں، ویسے ہی تم ان صیغوں کو استعمال کر لیا کرو جب یہ نہیں فرمایا اور یقیناً نہیں فرمایا، تو گویا خود آپ نے امت کی گمراہی اور غلط فہمی کا دروازہ کھول دیا۔ نعوذ باللہ منہ اور اچھے خاصے اکابر اور ائمہ وقت مقتدایان امت یہ نہ سمجھ سکے کہ یہاں

انہیں سنانا مقصود نہیں، بلکہ مجنوں جس طرح منزلِ لیلیٰ اس کی دیواروں اور بنیادوں اور آثاروں کو خطاب کرتا تھا۔ اسی طرح یہاں بھی ہے، لہٰذا احادیثِ سماع کو رد کرنا غلط ہے، کیونکہ ان سے قطع نظر احادیث سلام اور اس کی مشروعیت و مسنونیت کا تواتر و توارث قطعی دلیل ہے اور اس کے نسخ کا قول بھی باطل اور ان کا خلاف ظاہر پر حمل کرنا بھی باطل۔

وجہ دوم: احادیث عذاب و ثواب قبر اور سوال نکیرین و سماع اموات تواتر معنوی کے درجہ تک پہنچی ہوئی ہیں، اور اگر یہ صحیح نہیں ہیں، تو دین کے اندر کوئی شئی صحیح نہیں ہے اور عذاب و ثواب کا جواز و امکان بعینہٖ سماع ندا، اور فہم خطاب کا جواز و امکان ہے، جیسا کہ تصریح اکابرین کی اس پر شاہد ہے۔ اذا جاز ان یکونوا عالمین جاز ان یکونوا سامعین۔ نیز امام بخاری کا حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ما انتم باسمع لما اقول منہم کو عذاب قبر کی بحث میں ذکر فرمانا بھی اس امر کی واضح دلیل ہے کہ دونوں میں تلازم ہے۔

وجہ سوم: احادیث سماع کا رد اس وقت ممکن ہو گا، جب ان میں اور قرآن کریم میں مخالفت ہو اور جب مخالفت ہی نہیں، تو ان روایات کے مردود و باطل ہونے کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ آیات میں صرف یہ فرمایا گیا ہے کہ اے حبیب ان کو تم نہیں سناتے ہم سناتے ہیں۔ یا یہ مقصد ہے کہ جب تک یہ مردہ ہیں آپ انہیں نہیں سناتے جب ہم انہیں برزخی حیات بخشتے ہیں، تب تم انہیں سنا سکتے ہو وغیرہ اور تصریحات اکابرین پہلے گزر چکی ہیں۔

وجہ چہارم: یہ قاعدہ مسلّم ہے کہ حدیث پاک اگر قرآن کریم کے خلاف ہو تو حدیث کو ترک کر دیا جائے گا، لیکن اس وقت جب آیت و حدیث میں کوئی تطبیق نہ ہو سکے اور اگر تطبیق ممکن ہو تو پھر حدیث کو رد کرنا ضلالت و گمراہی ہے۔ مثلاً میت کو اس کے اہل کے رونے کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

کی مرفوع روایت ہے۔ قرآن کریم کے ارشاد لاتزر وازرۃ وزر اخریٰ (کوئی
بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا) کے خلاف ہے، کیونکہ یہاں جرم رونے
والے کا ہے نہ کہ مرنے والے کا تو عذاب بھی اسی کو ہوگا نہ کہ مرنے والے کو لیکن محدثین
نے اس آیت کی بناء پر حدیث پاک کو رد نہیں فرمایا، بلکہ ان میں تطبیق پیدا کی ہے کہ اگر
میت رونے کی وصیت کر گیا یا اسے علم ہے کہ مجھ پر نوحہ کیا جائے گا اور میرے منع کرنے
پر وہ نوحہ کرنے سے رُک جائیں گے، مگر منع نہیں کیا، تو اس وقت وہ بھی جرم میں شریک
ہے لہٰذا اس کو عذاب ہوگا یا یہ کہ عذاب سے مراد فرشتوں کا استفسار ہے جب وہ نوحہ
کرنے والوں کی کلام کو سنتے ہیں واجبلا واکذا واکذا تو اس سے پوچھتے ہیں، کیا
واقعی تو ایسے ہی ہے جیساکہ تجھے یہ رونے والے لقب دے رہے ہیں علیٰ ہذا القیاس
قرآن کریم نے قرآت کے متعلق فرمایا فاقرءوا ما تیسر من القرآن۔ نماز میں جو
سورت بھی پڑھ سکو یا جو آیات تلاوت کر سکو کرو تم پر کوئی پابندی نہیں، مگر حدیث پاک
میں حکم ہے لا صلوٰۃ لمن لم یقرء بام القرآن۔ لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ
الکتاب۔ سورۃ فاتحہ پڑھے بغیر نماز نہیں ہوسکتی، لیکن کسی فقیہہ نے یہ نہیں کہا کہ یہ
حدیث خلاف قرآن ہونے کی وجہ سے مردود و باطل ہے، بلکہ یہ توجیہ کی ہے کہ نفس
قرآت فرض ہے۔ قرآن کریم کی سورتوں میں سے کوئی سورت اور آیات میں سے
کوئی سی تین آیتیں یا ایک بڑی آیت پڑھ لی جائے تو فرض قرآت ادا ہو جاتے گی،
لیکن حدیث پاک کی رو سے سورۃ فاتحہ واجب ہے اور واجب کے ترک سے نماز
کامل نہیں ہوگی۔ لہٰذا آیت کریمہ میں عموم و اطلاق قرآۃ فرضیہ کے لحاظ سے ہے اور حدیث پاک
میں فاتحہ کی تخصیص وجوب پر محمول ہے۔ نفس قرآت نہ پائی گئی تو فرض ادا ہی نہیں ہوگا۔
اور اگر فاتحہ کی تلاوت نہیں کی، تو فرض ادا ہو گیا، مگر کامل طور پر نہ ہوا، بلکہ ناقص طور پر
یہ ہے اس ضابطہ کی حقیقت لہٰذا اس کو یوں بے دریغ استعمال کرنا اور تمام تر

احادیث کو بیک جنبش قلم رد کر دینا کسی مسلمان کو زیب نہیں دیتا اور خاص طور پر ایسے
نظریہ و عقیدہ میں جس کو جمہور اہل اسلام نے اور علی الخصوص تمام اہل السنت نے اختیار کیا
ہو قطعاً غلط ہے۔ شیخ محقق اور علی القاری کی تصریحات حدیث متفق علیہ کے ناقابلِ تردید
و بطلان ہونے پر ملاحظہ فرمائیں اور منکرین کی وقاحت و جسارت بھی ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ علامہ ملا علی القاری الحنفی نے فرمایا: والحدیث متفق علیہ لا یصح
ان یکون مردوداً لاسیما ولا منافاۃ بینہ و بین القرآن فان المراد
من الموتیٰ الکفار والنفی منصب علی نفی النفع لا علیٰ مطلق السمع
کقولہٖ تعالیٰ صم بکم عمی فہم لا یعقلون او علیٰ نفی الجواب المترتب
علی السمع۔ قال البیضاوی فی قولہ تعالیٰ انک لا تسمع الموتیٰ وھم
مثلھم لما صدوا عن الحق مشاعرھم ان اللہ یسمع من یشاء ای ھدایتہ
فیوفقہ لفہم آیاتہ والاتعاظ بعظاتہ وما انت بمسمع من فی القبور ترشیح
لتمثیل المصرین علی الکفر بالاموات و مبالغۃ فی اقناطہ انحرفالایۃ
من قبیل انک لا تھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشاء۔

مرقاۃ۔ جلد ہشتم ص۱۱

ترجمہ: اور حدیث "قلیب بدر" جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ
کرام کو کفار کے متعلق فرمایا کہ تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں، متفق علیہ ہے اس کا مردود
ہونا ممکن نہیں، خاص طور پر جبکہ اس میں اور قرآن کریم میں مخالفت نہیں، کیونکہ لا تسمع
الموتیٰ (میں موتیٰ) سے مراد کفار ہیں اور اسماع کی نفی، نفع کی نفی کی طرف راجع ہے
نہ کہ مطلقاً سننے کی نفی مقصود ہے، جیساکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ بہرے گونگے اندھے
ہیں پس وہ نہیں سمجھتے (یہاں بھی حواس کی نفی نہیں، نفع اٹھانے کی نفی ہے) اور یا
اسماع کی نفی سے مقصود جواب کی نفی ہے جو سماع پر مترتب ہوتا ہے، یعنی جب وہ کفار

جواب نہیں دیتے، تو گویا سنتے ہی نہیں، قاضی بیضاوی نے انك لا تسمع الموتیٰ کے تحت فرمایا کہ یہ کفار اموات کی مانند ہیں، جبکہ انہوں نے اپنے حواس کو حق کے سننے دیکھنے سے بند کر لیا۔ ان اللہ یسمع من یشاء اللہ تعالیٰ سناتا ہے۔ اس شخص کو جس کی ہدایت اسے منظور ہوتی ہے، تو اس کو آیات سمجھنے کی اور قرآن کے نصائح پر کاربند ہونے کی توفیق عطا فرماتا ہے اور وما انت بمسمع من القبور ترشیح للتمثیل جب ان کفار کو جو کہ کفر پر اڑے ہوئے ہیں، مُردوں کے ساتھ تشبیہ دی اور مردے عموماً قبروں میں مدفون ہوتے ہیں؛ لہذا اس تشبیہ اور مجاز کی تقویت کے لئے ان کا اہلِ قبور ہونا بھی بیان فرمایا۔ لہٰذا یہ آیت بمنزلہ انك لا تهدی من احببت الآیۃ کے ہے، یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہر اس شخص کو جس کا ہدایت پر آنا آپ کو پسند ہو، ہدایت پر نہیں لاتے اور نہ لا سکتے ہو، لیکن یہ اللہ تعالیٰ ہی کی شان ہے کہ جس کو چاہے حق تک رسائی بخشے اور جس کو چاہے یہ قدرت عطا فرمائے کہ وہ باذن اللہ کفر و شرک کی تاریکی میں ڈوبے ہوئے لوگوں کو ان تاریکیوں سے نکال کر نورِ اسلام سے منوّر فرمائے۔

۲۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ العزیز نے فرمایا:

بدانکہ ایں حدیث صحیح متفق علیہ صریح است در ثبوت سماع مر اموات را و حصول علم مر ایشاں را با آنچہ خطاب کردہ شوند (تا) و قوی ترین وجوہ تاویل ایشاں آنست کہ ایں روایت مردود است از عائشہ رضی اللہ عنہا و بالجملہ عائشہ رضی اللہ عنہا انکار کرد سماع موتیٰ را و استدلال کرد بایں دو آیت قرآنی لیکن علماء جواب دادہ اند از قول عائشہ و استدلال او بقرآن و قبول نہ کردہ اند ایں قول را از عائشہ و در مواہب لدنیہ نقل کردہ اند از اسماعیلی کہ گفتہ بود نزد عائشہ از فہم و ذکاء و کثرت روایت و خوض در غوامض علوم آنچہ زیادہ بر آں متصور نہ باشد، لیکن سبیل نیست بسوئے رد روایت ثقہ

مگر بنص کہ مثل او باشد و دلالت کند بر نسخ یا تخصیص یا استحالہ آں و مراد بآیت قرآنی انك لا تسمع الموتیٰ، آنست کہ تو نمی شنوانی بلکہ خدا تعالیٰ می شنواند و نیز مراد بموتیٰ و من فی القبور کافرانند و مراد بسماع (منفی) عدم اجابت است حق را بدلیل آنکہ ایں روایت نازل شدہ در دعوتِ کفار بایمان و عدم اجابت ایشاں مر حق را و نیز گفتہ اند کہ مراد بموتیٰ موتی القلوب اند و بقبور اجسادِ ایشاں کہ در وے آں دلہائے مردہ افتادہ است۔

(اشعۃ اللمعات جلد سوم ص۴۲۱ و ۴۲۲)

ترجمہ: یہ امر یقینی ہے کہ یہ حدیث صحیح بخاری و مسلم کا جس پر اتفاق ہے۔ اموات کے لئے ہر اس کلام کے سماع اور حصولِ علم میں نص صریح ہے جس کے ساتھ ان کو خطاب کیا جاتا ہے (تا) منکرینِ سماع نے اس حدیث پاک کی جو تاویلیں کی ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطاب و کلام کی جو توجیہیں کی ہیں، ان میں قوی ترین توجیہ و تاویل یہ ہے کہ اس روایت کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے رد فرما دیا ہے (لہٰذا اس سے استدلال درست نہیں اور حضرت صدیقہ کے انکار والی روایت پہلے نقل کی جا چکی ہے) اور مختصر یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سماع موتیٰ کا انکار کیا اور قرآن کریم کی ان دو آیت انك لا تسمع الموتیٰ اور وما انت بمسمع من فی القبور سے استدلال کیا، لیکن علماء نے حضرت صدیقہ کے قول اور ان کے استدلال کا جواب دیا ہے اور ان کے قول کو قبول نہیں کیا۔ مواہب لدنیہ میں اسماعیلی سے نقل کیا ہے کہ حضرت ام المومنین کا فہم و ذکاء، اور کثرتِ روایت اور غوامضِ علوم میں دقیق نظر اس درجہ کی ہے کہ اس سے زائد متصور نہیں ہو سکتی، مگر ایک ثقہ کی روایت کو رد کرنا بھی اتنے وقت تک ممکن نہیں، جب تک کہ اس کی مثل نص موجود نہ ہو جو پہلی کے نسخ یا تخصیص یا استحالہ و امتناع پر دلالت کرے (اور ایسی کوئی نص موجود نہیں، یہ حضرت صدیقہ کی محض ذاتی رائے ہے اور قرآن کریم سے استنباط) لیکن ان آیات کا معنی و مفہوم حدیثِ قلیب بدر متفق علیہ کے منافی نہیں، لہٰذا

اس نص سے اس حدیث کو رُد کرنا درست نہیں، انک لا تسمع الموتیٰ' کا مطلب یہ ہے کہ تم نہیں سناتے اموات کو بلکہ اللہ تعالیٰ سناتا ہے۔ نیز موتیٰ' اور مَن فی القبور سے مراد کفار ہیں اور عدم سماع سے دعوت کو قبول نہ کرنا اور ایمان نہ لانا مراد ہے، کیونکہ یہ آیت کفار کو دعوتِ ایمان دینے اور ان کے قبول نہ کرنے کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے۔ نیز علماء نے فرمایا ہے کہ یہاں موتیٰ' سے مراد وہ لوگ ہیں، جن کے دل مردہ ہیں اور قبور سے مراد وہ اجسام ہیں، جن میں وہ مُردہ دل موجود ہیں۔

ان دونوں جلیل القدر حنفی محدثین کی تحقیق سے ظاہر ہو گیا کہ حدیث متفق علیہ صحیح کو مردود و باطل کہنا غلط محض ہے اور قرآنی آیات کا ہرگز وہ مطلب نہیں جس کی بنا پر اس حدیث کو اور اس کے علاوہ بے شمار احادیث کو منکرین نے مردود و باطل قرار دیا اور ان کے خلاف نصوص قرآنیہ ہونے کا زعم کیا۔ نہ مفسّرین نے ان کا یہ معنی و مفہوم بیان کیا اور نہ ہی محدثین نے لہٰذا ایسے معنی کا ارادہ کرنا جو جمہور مفسرین و محدثین کے مذہب و مسلک کے خلاف ہے اور احادیثِ صحیحہ متفق علیہا کے خلاف بلکہ خود آیاتِ قرآنیہ کے سیاق و سباق کے خلاف ہے قطعاً غلط ہے۔

تنبیہ: صرف یہ نہیں کہ بخاری و مسلم صرف اس ایک روایت پر متفق ہیں، بلکہ انہ لیسمع قرع نعالھم اذا ولوعنہ' مدبرین۔ بخاری و مسلم دونوں میں موجود ہے، اسے متفق علیہ نہ کہنا صرف اصطلاح پر مبنی ہے، ورنہ معنی و مفہوم دونوں کا ایک ہے۔

نوٹ: حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یا اس قول سے رجوع فرما لیا اور یا ان کا ارشاد ان محامل پر محمول ہے جو ہم نے پہلے بیان کئے ہیں اور جمہور کے مذہب اور ان کے قول میں کوئی منافات نہیں، تو اس تقدیر پر منکرین نے آیاتِ کلامِ مجید کے وہ معانی مراد لئے ہیں، جو اجماع کے خلاف ہیں لہٰذا ان کے معانی قابلِ قبول نہیں، کیونکہ مخالفت اجماع ضلالت و گمراہی ہے اور جہنمی ہونے کا موجب و باعث۔ قال اللہ تعالیٰ: و یتبع غیر سبیل المومنین نولہ ما تولٰی و نصلہٖ جہنم و ساءت مصیرا۔ بلکہ صرف وہی معانی معتبر ہیں جو جمہور نے اختیار فرمائے ہیں اور بیان کئے ہیں۔

دلیلِ دہم

جب قرآن و حدیث میں منکرینِ سماع کو کوئی سہارا نہ مل سکا اور انہیں کوئی ایک آیت نہ مل سکی جس میں اموات اور اہلِ قبور کے سماع و ادراک اور علم و فہم کی نفی صراحتہً مذکور ہو اور نہ ہی کوئی ایسی حدیث صحیح بلکہ ضعیف مل سکی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زائرین کی معرفت اور ان کے سلام و کلام سننے کی اہلِ قبور و اموات سے نفی کی ہو اور کتب حدیث میں سے واحد سہارا یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول بھی ان کی دلیل و سند نہ بن سکا، بلکہ ان کے دوسرے اقوال و روایات نے ان کے زعم فاسد کا بطلان دن کے اجالے سے بھی زیادہ روشن کر دیا، تو انہوں نے اپنی حنفیت کا سہارا لیتے ہوئے عوام کو یہ مغالطہ دینے کی ناپاک کوشش کی کہ ہم حنفی ہیں اور مقلّد کے لئے اپنے مجتہد اور امام کا قول حجت و دلیل ہوتا ہے اور بس لہٰذا ہم اگر سماع موتیٰ' کا انکار نہ کریں تو حقِ تقلید ادا نہیں ہو سکتا۔ اب ہم ان کے چہرہ سے حنفیت کا مصنوعی نقاب اٹھاتے ہیں اور ان کے اصلی روپ یعنی نظریۂ اعتزال کو روزِ روشن کی طرح واضح کرتے ہیں۔ و باللہ التوفیق

پہلے ان کا اندازِ استدلال ملاحظہ ہو:

منکرین و مانعین نے کہا ہے کہ حنفی مذہب یہ ہے کہ اہل قبور کے لئے سماع ثابت نہیں بلکہ احناف نے سماع کا انکار کیا ہے۔ امام ابن الہمام نے فتح القدیر میں فرمایا کہ اکثر مشائخ حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ میّت نہیں سنتا اور کتاب الایمان میں تصریح کی گئی ہے

کہ اگر ایک شخص قسم اٹھاتا ہے کہ میں فلاں شخص کے ساتھ کلام نہیں کروں گا اور موت کے بعد اس کے ساتھ کلام کی تو حانث نہیں ہوگا، نہ اس پر کفارہ لازم آئے گا، کیونکہ قسم صرف اس شخص کے حق میں منعقد ہوگی جو کہ کلام سمجھنے کی اہلیت و لیاقت رکھتا ہو، حالانکہ میت اس طرح نہیں ہے۔ فتح القدیر کتاب الایمان۔ اشعہ جلد سوم ص ۴۲۱

تو ثابت ہوگیا کہ احناف کے نزدیک اموات میں سماع و فہم کی صلاحیت و استعداد نہیں ہے اور یہی مذہب قوی ہے۔

الجواب وھو الموفق للصواب: اس مغالطہ و شبہ کا جواب دینے سے پہلے چند امور بطورِ تمہید عرض کرتا ہوں جن کا ذہن نشین کرنا از حد ضروری ہے اور ان شاء اللہ اس کے بعد احناف کی طرف منسوب اس قول کی حقیقت روزِ روشن سے زیادہ ظاہر ہو جائے گی۔

اوّل: مسئلہ سماع علمِ کلام اور عقائد سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کا تعلق علم فقہ سے نہیں اور نہ ہی مسائلِ فقہ میں سے ہے اور عقائد کے حق و باطل ہونے کی مدار دلائل پر ہے نہ کہ تقلید پر جس طرح کہ عذاب قبر کا مسئلہ عقائد سے ہے نہ کہ فقہ سے اور ان میں باہمی تعلق و تلازم ہم بیان کر چکے ہیں۔ لہٰذا اس کو تقلید پر موقوف کرنا لغو و باطل ہے، اس میں صرف دلائل کا اعتبار ہوگا جس طرح کہ ایمان کی مدار دلائل پر ہے نہ کہ تقلید پر۔

دوم: عقائد اور مسائلِ کلامیہ میں آئمہ شیخ ابو منصور ماتریدی اور شیخ ابوالحسن اشعری رحمہما اللہ تعالیٰ ہیں اور فقہ میں امام اعظم ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور امام بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ۔ نیز ہر چہار مذاہب کے مقلدین (ماتریدیہ ہوں یا اشعریہ) عقائد میں ان کے اندر فرق نہیں، بلکہ سب اہل السنت والجماعت ہیں، صرف اعمال میں حنفی، شافعی وغیرہ کا فرق پایا گیا ہے۔

سوم: تقلید کا وجوب صرف مسائل اجتہادیہ میں ہے جن پر کتاب و سنت صراحۃً

دلالت نہیں کرتے اور نہ ان مسائل میں اجماع کا انعقاد ہوا، بلکہ ائمہ مذاہب محض امارات اور قرائن سے ان مسائل کا استخراج کرتے ہیں اور ظنّی وجوہ سے علم یقینی حاصل کرتے ہیں مثلاً نماز و روزہ حج و زکوٰۃ کے وجوب و فرضیت اور زنا و شراب وغیرہ کی حرمت پر اعتقاد رکھنے میں کسی امام کی تقلید فرض و واجب نہیں اور نہ ہی یہاں تقلید کی ضرورت ہے۔

چہارم: تقلید صرف ائمہ مذاہب کی ضروری ہے۔ دوسرے مشائخ وغیرہ کی تقلید لازم نہیں اور حنفیہ کے ائمہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رضی اللہ عنہما ہیں اور مشائخ کا لفظ عرف فقہا میں آئمہ پر اطلاق نہیں کیا جاتا:

المشھور اطلاق اصحابنا علی ائمتنا الثلاثۃ ابی حنیفۃ وصاحبیہ کما ذکرہ فی شرح الوھبانیۃ واما المشائخ ففی وقف النھر عن العلامۃ قاسم ان المراد بھم فی الاصطلاح من لم یدرک الامام۔

رد المختار للعلامۃ الشامی جلد ثالث۔ ص ۶۲۷

ترجمہ: مشہور یہ ہے کہ اصحابنا کا ہمارے تینوں آئمہ پر اطلاق کیا جاتا ہے جیسا کہ شرح وہبانیہ میں مذکور ہے باقی رہ گیا۔ مشائخ کا لفظ تو نہر کے باب وقف میں علامہ قاسم سے منقول ہے کہ اصطلاح میں ان سے مراد وہ علماء ہیں جنہوں نے امامِ مذہب کا زمانہ نہیں پایا۔ نیز تقلیدی مسائل میں مجتہدین فقہا کے علاوہ کسی کا اعتبار نہیں۔ علامہ شامی نے تکفیرِ خوارج کے قائلین پر رد کرتے ہوئے فرمایا:

نعم یقع فی کلام اھل مذھب تکفیر کثیر لکن لیس من کلام الفقھاء الذین ھم المجتھدون بل من غیرھم ولا عبرۃ بغیرھم۔ جلد ثالث ص ۴۲۸

کسی بھی مذہب کے مقلدین میں بہت سے لوگوں کو کافر کہنا وقوع پذیر ہو جاتا ہے لیکن یہ فتوی تکفیر ان فقہاء کی کلام میں سے نہیں جو کہ مجتہد ہیں بلکہ دوسرے لوگوں سے منقول ہے اور فقہاء مجتہدین کے علاوہ کسی کے بھی فتویٰ کا اعتبار نہیں۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ مشائخ کا قول اگر امامِ مذہب کے قول پر مبنی نہیں، تو مقلدین پر اس قول کو ماننا لازم نہیں، بلکہ تقلید صرف فقہی اجتہادی قابلِ تقلید مسائل میں کی جاتی ہے اور وہ بھی صرف مجتہد مذہب اور امام کی نہ کہ تمام مشائخ اور علماء کی۔

پنجم: امام اعظم ابوحنیفہ امام الائمہ سراج الامہ قدس سرہٗ العزیز سے سماع اموات کے متعلق نفی میں کچھ بھی ثابت نہیں اور جن روایات میں انکارِ سماع امام صاحب کی طرف منسوب کیا گیا ہے، وہ شاذ اور ناقابلِ اعتبار ہیں۔ مولانا رشید احمد گنگوہی فتاویٰ رشیدیہ میں رقمطراز ہیں:

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے اس باب میں کچھ منصوص نہیں اور روایات جو کچھ امام صاحب سے آئی ہیں، شاذ ہیں۔ ص ۲۲۷

جب شاذ روایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو تو وہ بھی متعارف روایات اور احادیثِ نبویہ کے مقابل قابلِ قبول نہیں، تو امام صاحب کی طرف منسوب شاذ روایت متفق علیہ احادیث کے مقابل کیونکر قابلِ قبول ہو سکتی ہے؟

ششم: ائمہ مذاہب کا اپنا ارشاد ہے کہ ہمارا مذہب صحیح حدیث کے خلاف ہو، تو تم اس مذہب کو ترک کر کے اس حدیث پر عمل کرو۔ امام شافعی نے فرمایا کہ احادیثِ صحیحہ سے جو کچھ ثابت ہو وہی میرا مذہب ہے نہ وہ قول جو حدیثِ صحیح کے خلاف ہو، جیسا کہ علامہ نووی نے شرح مسلم میں اس کی تصریح فرمائی۔ نیز امام الائمہ سراج الامۃ امام اعظم ابوحنیفہ قدس سرہٗ العزیز نے فرمایا: اذا صح الحدیث فھو مذھبی۔ (جب کسی مسئلہ میں حدیث صحیح (مطابق شرائط معتبرہ عند الفقہاء) دستیاب ہو جائے تو وہی میرا مذہب ہے) لہٰذا وہ احادیث صحیحہ جن کی صحت میں کسی کو کلام نہیں اور جو بخاری و مسلم میں مروی ہیں، ائمہ مذاہب کو ان کا مخالف ماننا قطعاً درست نہیں، بلکہ حسب ارشاد ائمہ ان کا مذہب بھی یہی ہے جو ان احادیثِ سماع سے ثابت ہے۔ نیز جیسا کہ ائمہ

مذاہب کا حدیث صحیح کے مقابل قول معتبر نہیں تو ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کا خواہ وہ کتنے بڑے علامہ کیوں نہ ہوں، کیا اعتبار ہے۔

ہفتم: بعض معتزلہ فروعاً حنفی ہیں جیسا کہ علامہ زمخشری وغیرہ۔ لہٰذا کبھی ان کا قول محض حنفی ہونے کی وجہ سے احناف اپنی کتابوں میں درج کر لیتے ہیں۔ اگرچہ وہ اعتقاداً اہل السنت والجماعت کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ بادی النظر میں اسے اہل السنت کا قول سمجھا جائے گا حالانکہ وہ خلافِ حقیقت ہے۔ الغرض محض کتب احناف میں مذکور اقوال قابلِ حجت و استناد نہیں۔ جب تک یہ تحقیق نہ ہو جائے کہ یہ قول اہل السنت کا ہے، کیونکہ اعتقادی مسائل میں معتزلہ اور اہل السنت باہم مخالف ہیں۔ فقہی مسئلہ میں اگرچہ ان کا اتفاق ہوگا، مگر ہر مکتب فکر والے اس کی علت اور دلیل اپنے اپنے مذہب کے مطابق ذکر کریں گے۔ لہٰذا فروعی مسائل میں اتفاق سے ان کی تعلیلات میں اتفاق لازم نہیں آئے گا۔

ہشتم: عقیدۂ عذاب قبر اور حیواۃ برزخ (جو کہ سماع موتیٰ والے نظریہ کی بنیاد اور اصل ہے) سب اہل السنت کے نزدیک متفق علیہ ہے، خواہ حنفی ہوں یا غیر حنفی صرف بعض معتزلہ، خوارج اور رافضی اس میں اہل السنت کے مخالف ہیں اور عذاب قبر و حیواۃ برزخ کے منکر ہیں۔ اہل السنت احناف نے عذاب قبر اور حیاتِ برزخ کی تصریح کی ہے:

۱۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: ومن یعذب فی القبر توضع فیہ الحیوٰۃ فی قول العامۃ۔ (جس شخص کو عذاب دیا جاتا ہے جمہور کے مذہب کے مطابق اس میں حیاتِ برزخیہ رکھی جاتی ہے)

۲۔ صاحب فتح القدیر نے فرمایا ہے: البنیۃ لیست بشرط عند اھل السنۃ حتی لو کان متفرق الاجزاء بل ھی مختلطۃ بالتراب فعذب

جعلت الحیواۃ فی تلک الاجزاء التی لا یاخذ ھا البصر وان اللہ علیٰ ذالک لقدیر والخلاف فیہ ان کان بناءً علیٰ انکار عذاب القبر امکن والا فلا یتصور من عاقل القول بالعذاب مع عدم الاحساس - ردّ المحتار جلد ثالث ص ۱۴۳ بحر الرائق جلد رابع ص ۳۶۳ فتح القدیر مع ھدایہ جلد رابع - ص ۴۶

جسمانی ہیئت کا محفوظ رہنا اہل السنّت کے نزدیک حیاتِ قبر اور عذابِ قبر کے لئے شرط نہیں حتیٰ کہ اگر میت کے اجزاء بکھر جائیں، بلکہ مٹی کے ساتھ مخلوط ہو جائیں، تب بھی اسے عذاب دیا گیا، تو ان میں زندگی پیدا کر دی جائے گی، خواہ وہ اجزاء نظر ہی نہ آسکیں اور بے شک اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے اور اس میں اختلاف اگر ہے تو عذابِ قبر کے انکار کی صورت میں تو ممکن ہے، ورنہ کسی عاقل سے یہ ممکن نہیں کہ وہ عذابِ قبر کا تو اقرار کرے اور قبر و برزخ میں حاصل ہونے والی زندگی اور احساس کا انکار کرے

۳- علامہ عینی نے صاحبِ ہدایہ کے قول (فی قول العامہ) کے تحت فرمایا:

احتراز عن قول الکرامیۃ والصالحیۃ وھم قوم ینسبون الیٰ ابی الحسین الصالحی فانھم لا یشترطون الحیواۃ شرطا للتعذیب - حاشیہ ھدایہ جلد دوم ص ۴۸۴

ترجمہ: قول عامہ کہہ کر کرامیہ اور صالحیہ کے قول سے اجتناب و احتراز کیا ہے اور وہ ایسی قوم ہے جو کہ ابو الحسین صالحی کی طرف منسوب ہیں، وہ عذاب کے لئے حیات کو شرط نہیں کرتے۔

۴- توضع فیہ الحیواۃ کے تحت فرمایا: ثم من کل وجہ عند البعض وبقدر ما تیا لم عند البعض وقال بعضھم یومن باصل العذاب ویسکت عن الکیفیۃ- کفایہ علی الھدایۃ-

ترجمہ: قبر میں حیات بعض کے نزدیک تو جمیع وجوہ سے ہے اور بعض کے نزدیک

صرف اتنا قدر کہ اس سے درد محسوس ہو سکے اور بعض کہتے ہیں کہ اصل عذاب پر ایمان لانا چاہیئے اور کیفیت کے متعلق خاموشی اختیار کرنی چاہیئے۔

علامہ عینی نے فرمایا ثم اختلفوا فیہ فقیل یوضع فیہ الحیواۃ بقدر ما یتالم لا الحیواۃ المطلقۃ وقیل یوضع فیہ الحیواۃ من کل وجہ - ص ۴۸۴ ھدایہ شریف - جلد ثانی -

بہر حال اہل السنّت والجماعت کے نزدیک قبر میں حیات کا پایا جانا مسلّم ہے البتہ کیفیت میں اختلاف ہے اور ظاہر ہے وہ اس فیصلہ سے قاصر ہیں، کیونکہ جن میں وہ حیواۃ پیدا کی جاتی ہے، وہ اس کی حقیقت بتلاتے نہیں اور باہر والوں کے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں جس سے وہ اس کا تعین کر سکیں۔

۵- دُرِ مختار میں ہے ویحسن الکفن لحدیث حسنوا اکفان الموتیٰ فانھم یتزاورون فیما بینھم ویتفاخرون بحسن اکفانھم ظھیریہ -

ترجمہ: میت کو اچھا کفن دیا جائے، کیونکہ حدیث پاک میں ہے اموات کو اچھا کفن دو، کیونکہ وہ باہم ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہیں اور اپنے کفنوں کی اچھائی پر فخر کرتے ہیں- علامہ شامی نے فرمایا:

یتفاخرون المراد بہ الفرح والسرور حیث وافق السنت- والزیارۃ وان کانت للروح لکن للروح تعلق بالجسد - ردّ المحتار جلد اول ص ۶۳۷

ترجمہ: باہمی فخر کرنے سے مراد فرحت و سُرور ہے، جبکہ وہ کفن سنّت کے مطابق ہو (یہاں وہم یہ پیدا ہو سکتا تھا کہ زیارت کرنا ارواح کا فعل ہے اور کفن بدن کے لئے ہوتا ہے نہ کہ رُوح اس میں ملفوف ہوتا ہے، لہٰذا اچھے کفنوں کی بناء پر ارواح میں فخر کا کیا مطلب ہو سکتا ہے تو علامہ نے اس کا ازالہ کرتے ہوئے فرمایا) زیارت اگرچہ رُوح کا فعل ہے، لیکن رُوح کو جسم کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔

الغرض جب تعلق روح ثابت ہوگیا، تو حیات ثابت ہوگئی اور کفن دفن کی اچھائی و خوبی کا علم ثابت ہو گیا، تو اس زندگی کو محض قدر الم و عذاب کے احساس تک محدود رکھنا باطل ہو گیا۔ خلاصہ یہ کہ اہل السنت احناف کے نزدیک قبر میں عذاب و ثواب اور حیات میت کو حاصل ہوتی ہے ——— اور معتزلہ اس میں مخالف ہیں اور جب حیات ہی تسلیم نہیں کرتے، تو سماع کیسے تسلیم کر سکتے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے دونوں کا انکار کر دیا بخلاف اہل السنت احناف کے وہ حیواۃ قبر و برزخ کے قائل ہیں جو کہ سماع موتی کے لئے اصل و بنیاد ہے اور متبوع و ملزوم لہذا انہوں نے سماع موتیٰ و ادراک اہل قبور کو بھی تسلیم کیا۔

خلاصۃ الجواب: اس تمہید کے بعد جواب یہ ہے کہ سماع اموات کا مسئلہ عقائد سے متعلق ہے اس کی مدار دلائل پر ہے نہ کہ تقلید پر۔ علاوہ ازیں واجب التقلید صاحبِ مذہب کا قول ہوتا ہے نہ کہ ہر حنفی عالم کا خواہ وہ اعتقادی طور پر معتزلہ ہی کیوں نہ ہو۔ امام صاحب کی طرف انکارِ سماع کی نسبت ناقابلِ اعتبار ہے اور احادیثِ صحیحہ کے مقابل امام صاحب کی شاذ روایت کو قابلِ عمل قرار نہیں دیا جا سکتا، بلکہ جس نے ان کی طرف انکار کی نسبت کی ہے، اس کی تکذیب کرنا واجب ہے نہ یہ کہ امام صاحب کو احادیث کا مخالف ثابت کرنا نعوذ باللہ منہ۔

انکارِ سماع مشائخ سے ثابت ہے جن کو امام صاحب رضی اللہ عنہ کی زیارت بھی نصیب نہیں ہوئی اور نہ وہ خود درجۂ اجتہاد پر فائز ہیں؛ لہٰذا ان کے قول کا اعتبار نہیں، پھر مشائخ بھی اس میں متفق نہیں، بلکہ ان کا باہمی اختلاف ہے، لہذا صحیح مذہب انہیں مشائخ کا ہے جو نصوص قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ کے مطابق ہے۔ نیز اگر بعض اہل السنت احناف سے یہ قول سرزد ہوا ہے تو اس مغالطہ کی بنا پر ہے کہ معتزلہ حنفیوں نے ائمہ کے اقوال کی اپنے مذہب کے مطابق توجیہ و تعلیل بیان کی تو انہوں نے ان

کی نیت پر حسن ظن کرتے ہوئے اسی قول کو نقل کر دیا اور یہ خیال نہ فرمایا کہ یہاں حنفیت کی بجائے اعتزال کارفرما ہے، مثلاً علامہ زمخشری نے رحمٰن و رحیم کی تفسیر میں کہا کہ رحمت کا معنی چونکہ دل کی رقت اور نرمی ہے جو کہ فضل و احسان کی مقتضی ہوتی ہے اور یہاں حقیقی معنی متصور نہیں ہو سکتا۔ لہذا یہاں مجازی معنی فضل و احسان مراد لیا جائے گا۔ ظاہر میں یہ لغوی بحث ہے، مگر درحقیقت یہاں اعتزالی خبث کارفرما ہے، کیونکہ معتزلہ صفات باری تعالیٰ کے منکر ہیں، لہذا حقیقت و مجاز کی آڑ میں اپنے مذہب کو ذکر کر دیا اور بعد میں آنے والے مفسرین حضرات نے ادب و لغت اور معانی و بیان وغیرہ میں اس کے مقتدا۔ و امام ہونے کی وجہ سے اس کے قول کو اختیار فرما لیا اور اس سے لازم آنے والے فساد کی طرف توجہ نہ فرمائی، لیکن علامہ آلوسی صاحب روح المعانی نے اس کے اس مکر کا پردہ چاک کیا اور اس قول پر مترتب فساد یعنی انکارِ صفات پر متنبہ کیا اور اس قول کو رد کیا۔ اسی طرح یہاں بھی آئمہ سے صرف یہ منقول ہے کہ جس نے قسم اٹھائی کہ میں فلاں کے ساتھ کلام نہیں کروں گا۔ اگر موت کے بعد اس کے ساتھ کلام کر لی تو حانث نہیں ہوگا۔ حقیقی وجہ حانث نہ ہونے کی یہ تھی کہ قسموں کی مدار عرف پر ہوتی ہے اور عرف میں اس قسم کی قسموں سے مقصود صرف دُنیوی زندگی کے ساتھ زندہ افراد پر اپنی ناراضگی کا اظہار ہوتا ہے نہ کہ موت کے بعد بھی لیکن معتزلہ نے یہاں بھی باطنی خبث کا اظہار کیا اور اپنے مذہب کے تحت اس کی علت یہ بیان کر دی کہ مردے سنتے نہیں ہیں اور مقصودِ کلام سے افہام ہوتا ہے لہذا وہ حانث نہیں ہوگا۔ بعض اہل السنت احناف نے دھوکا کھایا اور اسی قول کو ذکر کر دیا اور یہ نہ خیال کیا کہ ان لوگوں نے تو حنفیت کی آڑ میں اپنے مذہب کی تبلیغ و اشاعت کی ہے۔

لہذا اس بحث میں اس تعلیل و توجیہ کا وجود آئمہ احناف کے مذہب پر مبنی نہیں اور نہ ہی ان کی طرف سے سماع کا انکار کسی صحیح روایت سے ثابت ہے؛ لہذا استدلال لغو

باطل ہے، بلکہ یہ سرے سے استدلال ہی نہیں، محض تلبیس ہے اور مغالطہ و فریب کاری ہے۔

علمائے احناف کی تصریحات سماعِ اموات میں موجود نہ ہوتیں تو بھی ان کا عذابِ قبر اور ثواب کو تسلیم کرنا اور ان میں باہم زیارت اور تفاخر کا ثابت کرنا کافی تھا کیونکہ مسئلہ سماع حیوۃ قبر و برزخ کی فرع ہے اور عذاب و ثواب قبر کے تابع ہے اور تحقق متبوع تحقق توابع کو مستلزم ہے، حالانکہ ان اکابر کی طرف سے سماع کی تصریحات موجود ہیں اور کتب معتبرہ میں سماع سلام و کلام اور معرفت زائرین و احیاء کی روایات بکثرت موجود ہیں۔ ہم تلقینِ میّت اور زیارتِ قبور کے متعلق احناف اہل السنت کے اقوال پیش کر کے احناف کا شوافع مالکیہ اور حنابلہ اہل السنت کا ہمنوا اور ہم مسلک ہونا واضح کرتے ہیں، اور منکرین سماع کا خارجی و معتزلی ہونا۔

تلقینِ میّت میں احناف کا مذہب:

امام ابن ہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں: اما التلقین بعد الموت وھو فی القبر فقیل یفعل لحقیقۃ ما رویناہ یعنی قولہ علیہ السلام لقنوا موتاکم الخ، ونسب الی اھل السنۃ والجماعۃ وخلافہ الی المعتزلۃ وقیل لا یؤمر بہ ولا ینھی عنہ ویقول یا فلان یا ابن فلان اذکر دینک الذی کنت علیہ فی دار الدنیا شھادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمد رسول اللہ ولا شک ان اللفظ لا یجوز اخراجہ عن حقیقتہ الا بدلیل فیجب تعیینہ وما فی الکافی من انہ ان کان مات مسلما لم یحتج الیہ بعد الموت والا لم یفد یمکن جعلہ الصارف یعنی ان المقصود منہ التذکیر فی وقت تعرض الشیطان وھذا لا یفید بعد الموت وقد یختار الشق الاول والاحتیاج الیہ فی حق التذکیر لتثبیت الجنان للسوال

فنفی الفائدۃ مطلقا ممنوع نعم الفائدۃ الاصلیۃ منتفیۃ۔

فتح القدیر جلد ثانی ص۶۸

ترجمہ: موت کے بعد میّت کو تلقین کرنا جبکہ وہ قبر میں رکھا جا چکا ہو، تو بعض کہتے ہیں کہ اس وقت تلقین کرنی چاہیئے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث (لقنوا موتاکم لا الہ الا اللہ اپنے اموات کو لا الہ الا اللہ سکھلاؤ) باعتبار اپنے حقیقی معنی کے اسی کی مقتضی ہے (یعنی بعد از وفات اموات کو تلقین کی جائے کیونکہ موتیٰ کا اطلاق ان پر حقیقۃً اسی وقت ہوگا، قریب المرگ کو موتیٰ کہنا مجاز ہے) اور یہ قول اہل السنت کی طرف منسوب ہے اور اس تلقین کا خلاف و انکار معتزلہ کی طرف منسوب ہے اور بعض کہتے ہیں کہ نہ اس کا حکم دیا جاتے اور نہ ہی اس سے منع کیا جائے اور تلقین کرنے والا یوں کہے اے فلاں اے فلاں کے بیٹے (فلاں کی جگہ میّت اور اس کے باپ کا نام لے)، اس دین کو یاد کر جس کو تو نے دنیا میں اپنایا ہوا تھا، یعنی شہادت لا الہ الا اللہ اور اقرار محمد رسول اللہ کا اور یہ بات یقینی ہے کہ لفظ کو اپنے حقیقی معنی سے مجازی معنی کی طرف نکالنا بغیر دلیل کے جائز نہیں لہٰذا حقیقت کا تعین واجب ہے اور موتیٰ سے مراد حقیقی معنیٰ یعنی اہل قبور و اہلِ برزخ مراد لینا واجب ہے اور کافی میں تلقین کے جواز پر جو اعتراض کیا گیا ہے کہ اگر میّت ایمان پر فوت ہوا ہے تو موت کے بعد اسے تلقین کرنے کی ضرورت نہیں اور اگر اس کا خلاف ہے تو تلقین کا فائدہ نہیں (کیونکہ قبر میں اسلام لانا متصور نہیں ہو سکتا نہ ہی وہ ایمان قابلِ قبول ہے) ممکن ہے کہ اس کو قرینہ صارف اور دلیل معنی مجازی کی بنا لیا جائے، یعنی مقصود تلقین سے یہ ہے کہ جب شیطان آدمی کو پھسلانے کے درپے ہو، اس وقت اس کی یاد دہانی کرادی جائے تاکہ سنبھل جائے اور پھسلنے نہ پائے اور موت علی الکفر کے بعد اس کا فائدہ کوئی نہیں اور موت علی الایمان کی صورت میں ضرورت کوئی نہیں (جب دلیل

صارف اور قرینہ مانع موجود ہوگیا تو لقنوا موتاکم کو معنی مجازی پر محمول کرنا واجب ہوگیا۔
تو اس کا جواب دیتے ہوئے امام ابن الہمام نے فرمایا، کہ شق اوّل کو اختیار کرلیتے
ہیں اور ضرورت و حاجت نفس ایمان کے لئے نہیں بلکہ یاد دہانی کا فائدہ یہ ہوگا
کہ نکیرین کے سوال وغیرہ کے وقت اس کا دل مطمئن رہے اور سکونِ قلب سے جواب
دے سکے۔ لہذا اس شق پر فائدہ کی نفی مطلقاً درست نہیں۔ ہاں اصلی فائدہ یعنی قبر
میں پہنچ کر ایمان لانا معدوم و منتفی ہے۔ کافر کا قبر میں اسلام لانا قابلِ قبول نہیں،
(لیکن اس سے بالکل نفع کی نفی کرنا بھی درست نہیں)

یہاں سے معتزلہ اور احناف اہل السنّت کے نظریات کا تفاوت بھی صاف
ظاہر ہے۔ تلقینِ میت کے منکر صرف معتزلہ ہیں نہ کہ اہل السنّت۔

۲۔ صاحبِ کفایہ فرماتے ہیں: وقیل ہو یجری علیٰ حقیقتہ وھو قول
الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ لانہ، یحییٰ وقد روی انہ علیہ السلام امر
بتلقین المیت بعد دفنہ وزعموا انہ مذہب اہل السنّت والاوّل
مذہب المعتزلۃ - جلد دوم - ص۶۸

ترجمہ: بعض نے کہا کہ لقنوا موتاکم اپنے حقیقی معنی پر ہے اور یہی قول امام
شافعی کا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اہلِ قبور کو زندہ فرماتا ہے (لہذا ان کو تلقین کرنے میں
کوئی مانع اور وجہ امتناع نہیں) اور تحقیق روایت کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے دفنِ میت کے بعد تلقین کا حکم فرمایا اور علماء مذہب نے اعتقاد کیا ہے کہ میت
کو بعد از دفن تلقین کرنا اہل السنّت کا مذہب ہے اور پہلا قول (لفظ موتیٰ کو
مجازی معنی پر حمل کرنا) معتزلہ کا ہے۔

۳۔ درِّ مختار میں فرمایا: ولا یلقن بعد تلحیدہ وان فعل لا ینھی وفی
الجوہرۃ انہ مشروع عند اہل السنّت ویکفی قولہ یافلان یا ابن

فلان اذکر ما کنت علیہ وقل رضیت باللہ ربًا وبالاسلام دینا و
بمحمد نبیا قیل یا رسول اللہ ان لم یعرف اسمہ قال ینسبہ الیٰ آدم وحوّا۔

ترجمہ: میت کو لحد میں رکھنے کے بعد تلقین نہ کی جائے اور اگر کوئی تلقین کرے
تو اسے منع بھی نہ کیا جائے اور جوہرہ میں ہے کہ بعد از دفن تلقین کرنا اہل السنّت کے
نزدیک مشروع و جائز ہے اور اے فلاں اے ابن فلاں اس دین کو یاد کر جس پر تو دنیا
میں قائم تھا اور کہہ کہ میں اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر راضی ہوں اور اسلام کے دین
ہونے پر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر۔ اتنا قدر کہنا کافی ہے زیادہ
کی ضرورت نہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا اگر اس شخص کا نام معلوم
نہ ہو تو آپ نے فرمایا اسے حضرت آدم اور حضرت حوّا علیہما السلام کی طرف منسوب
کرکے ندا اور تلقین کرے۔

۴۔ علّامہ شامی درمختار کے حاشیہ میں رقمطراز ہیں:

قولہ لا یلقن بعد تلحیدہ ذکر فی المعراج انہ ظاہر الروایۃ ثم
قال فی الخبازیۃ والکافی من الشیخ الزاہد الصفار ان ہذا علیٰ قول
المعتزلۃ لان الاحیاء بعد الموت عندہم مستحیل واما عند اہل
السنت فالحدیث ای لقنوا موتاکم لا الہ الا اللہ محمول علیٰ حقیقتہ لان
اللہ یحیی علیٰ ما جاءت بہ الآثار وقد روی عنہ علیہ الصلوٰۃ والسلام
انہ امر بالتلقین بعد الدفن فیقول یا فلان بن فلان۔
(الیٰ)، قال فی شرح المنیۃ ان الجمہور علیٰ ان المراد منہ مجازہ
ثم قال انما لا ینھی عن التلقین بعد الدفن لانہ لا ضرر فیہ بل فیہ
نفع فان المیت یستانس بالذکر علیٰ ما ورد فی الآثار الخ۔ قلت وما فی
طعن الزیلعی لم ادفیہ وانما الذی فیہ قیل یلقن لظاہر ما دوینا

وقیل لا وقیل لا یومر بہ ولا ینھی عنہ الخ وظاھر استد لالہ للا قول اختیارہ فافہم۔ ردالمحتار علی الدر المختار للعلامۃ بن العابدین الشامی۔ جلد اول ص۶۲۹

ترجمہ: صاحبِ درِ مختار کے قول لایلقن بعد تلحیدہ کے متعلق معراج میں کہا گیا ہے کہ یہی ظاہر روایت ہے۔ پھر صاحبِ معراج نے کہا کہ خبازیہ اور کافی میں شیخ زاہد صفار سے منقول ہے کہ یہ قول مذہب معتزلہ پر مبنی ہے، کیونکہ ان کے نزدیک موت کے بعد زندہ کیا جانا محال ہے، لیکن اہل السنّت کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث لقنوا موتاکم لا الہ الا اللہ اپنے حقیقی معنی پر محمول ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اموات کو قبور میں زندگی عطا فرماتا ہے، جیسا کہ آثار و روایات سے ثابت ہے اور تحقیق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے مروی ہے کہ آپ نے میت کے دفن کرنے کے بعد تلقین کا حکم فرمایا۔ لہٰذا تلقین کرنے والا میّت کو کہے اے فلاں ابن فلاں۔

(تا) شرح منیہ میں کہا کہ جمہور کا مختار یہی ہے کہ لفظ موتیٰ سے اس کا مجازی معنی مراد ہے، یعنی جو قریب المرگ ہوں، لیکن پھر بھی تلقین بعد از دفن سے اس لئے منع نہیں کیا جائے گا کہ اس میں ضرر نہیں ہے، بلکہ اس میں نفع ہے، کیونکہ میّت اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ انس حاصل کرتا ہے، جیسا کہ آثار و احادیث میں وارد ہے الخ علامہ شامی فرماتے ہیں کہ طحطاوی میں جو کچھ زیلعی سے نقل کیا ہے۔ میں نے اس میں نہیں دیکھا جو کچھ اس میں مرقوم ہے، وہ یہ ہے کہ میّت کو تلقین کی جائے، کیونکہ ظاہر حدیث اسی پر دلالت کرتا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ تلقین نہ کی جائے اور تیسرا قول یہ ہے کہ نہ اس کا حکم دیا جائے اور نہ اس سے منع کیا جائے، لیکن پہلے قول پر دلیل ذکر کرنا اور دوسرے دو اقوال پر دلیل نہ قائم کرنا پہلے قول کے مختار ہونے کی دلیل ہے۔

شامی جلد اوّل۔ ص۶۲۹

اور جن بعض حنفی علمائے نے تلقین کی مشروعیت کا انکار کیا ہے تو وہ اس بنا پر نہیں کہ اموات سُن سمجھ نہیں سکتے، بلکہ اس بناء پر کہ اب تلقین سے کوئی خاص معتد بہا فائدہ متصوّر نہیں ہو سکتا۔ علاّمہ عبد العلی بحر العلوم رسائل ارکان ص۱۵۰ پر فرماتے ہیں:

لافائدۃ فی تلقینہ اصلا لانہ ان مات مسلما فھو ثابت علی الشھادۃ بالتوحید والرسالۃ فالتلقین لغو وان مات کافرا فلا یفید التلقین لانہ لا ینفعہ الایمان بعد الموت وما قیل ان التلقین لغو لان المیت لایسمع فھذا باطل لانہ قد ورد فی الصحیح ان المیت اسمع لصوت النعال من الاحیاء ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نادیٰ الکفرۃ الملقین فی قلیب بدر وقال انھم یسمعون ولا یقدرون علی الجواب لما لحقھم من العذاب الشدید۔

ترجمہ: تلقین میت میں کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ وہ اسلام پر فوت ہوا ہے تو توحید و رسالت کی شہادت پر ثابت قدم ہے؛ لہٰذا تلقین بے فائدہ ہے اور حالتِ کفر میں فوت ہوا ہے تو تلقین سے کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ ایمان بعد از موت مفید نہیں ہے۔ (اقول اس خدشہ کا جواب ابن ہمام اور علی قاری کی کلام سے واضح ہو چکا ہے، یعنی فائدہ تامہ کاملہ کی نفی سے مطلقاً نفع کی نفی نہیں ہو سکتی) اور لغویتِ تلقین کی یہ وجہ بیان کرنا کہ میّت نہیں سنتا باطل و لغو ہے کہ حدیث صحیح میں میّت کا زندہ اشخاص سے بھی جوتوں کے آواز کو زیادہ سننا ثابت ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے قلیب بدر میں پھینکے ہوئے کفّار کو نداء دی اور فرمایا وہ سن رہے ہیں، مگر عذابِ شدید میں مبتلا ہونے کی وجہ سے جواب دینے کی قدرت نہیں رکھتے۔

(۵) طحطاوی علیٰ مراقی الفلاح میں ہے: ممایلحق بذالك انھم اذا فرغوا من دفنہ، یستحب الجلوس عند قبرہ بقدر ما ینحر جزور ویقسم لحمہ

يتلون القرآن ويدعون للميت فقد ورد انه يستانس بهم وينتفع به
وعن عثمان رضي الله عنه قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا
فرغ من دفن الميت وقف عليه فقال استغفروا لاخيكم وسلوا له التثبيت
فانه الان يسئل رواه ابوداؤد وتلقينه بعد الدفن حسن واستحبه
الشافعية لما عن ابي امامة رضي الله عنه (الى)

رواه الطبراني في الكبير وهو وان كان ضعيف الاسناد كما ذكره
الحافظ لكن قال ابن الصلاح وغيره اعتضد بعمل اهل الشام قديما
كما في السراج وابن امير حاج ۔ الطحطاوي على مراقي الفلاح ص ۳۷۳

ترجمہ: اور دفنِ میت کے لواحق میں سے یہ بھی ہے کہ جب اس کے دفن سے
فارغ ہوں، تو مستحب یہ ہے کہ اس کی قبر کے پاس اتنی دیر بیٹھیں جتنی دیر میں اونٹ
ذبح کرکے اس کا گوشت تقسیم کیا جاسکتا ہے، قرآن کی تلاوت کرتے رہیں اور میت
کے لئے دُعا کرتے رہیں، کیونکہ روایات میں وارد ہے کہ میت ان لوگوں کی وجہ سے
انس حاصل کرتا ہے اور نفع اٹھاتا ہے۔ حضرت امیر عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی
ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب میت کے دفن سے فارغ ہوتے، تو اس کی
قبر پر ٹھہر جاتے اور فرماتے کہ اپنے بھائی کے لئے استغفار کرو اور اس کی ثابت قدمی
کا اللہ تعالیٰ سے سوال کرو کیونکہ وہ ابھی سوال کیا جائے گا۔ میت کو دفن کرنے کے
بعد تلقین کرنا امر مستحسن ہے اور شوافع کے نزدیک مستحب ہے جیساکہ حضرت ابوامامہ
رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

اس حدیث کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور یہ روایت باعتبار سند کے اگرچہ
ضعیف ہے، جیساکہ حافظ ابن حجر نے فرمایا، لیکن ابن الصلاح وغیرہ نے کہا ہے
کہ اہل شام کا قدیم ایام سے اس روایت پر عمل کرنا اس کی تقویت کا موجب بن گیا ہے،

جیساکہ سراج اور ابن امیر حاج میں کہا گیا ہے۔

یہاں سے ظاہر ہوا کہ تلقین احناف کے نزدیک مستحسن، شوافع کے نزدیک
مستحب ہے اور صاحب سراج اور علامہ ابن امیر حاج نے بھی اس کی تصریح کی
ہے اور اس روایت کی تقویت کا اعتراف کیا ہے۔

(۶) شبیر احمد عثمانی نے فتح الملہم شرح المسلم میں فرمایا: قوله عليه السلام
لقنوا موتاكم لا اله الا الله قال الابي ولا يبعد حمل الحديث على
التلقين بعد الدفن وقد استحبه اكثر الشافعية واختاره ابن الصلاح
وقال جاء في حديث من طريق ابي امامة ليس بقوي السند وحديث
ابي امامة الذي اشار اليه ابن الصلاح هو ما رواه عنه سعيد بن
عبد الله الازدي قال شهدت ابا امامة رضي الله عنه وهو في
النزع وقال اذا مت فاصنعوا بي كما امرنا النبي صلى الله عليه وسلم
قال اذا مات احدكم فسويتم عليه الحديث ۔ قال الاثرم قلت لاحمد
هذا الذي يصنعونه اذا دفن يقف الرجل ويقول يا فلان بن
فلانة قال ما رأيت احدا يفعله الا اهل الشام حين مات ابو المغيرة
يروى فيه عن ابي بكر بن ابي مريم عن اشياخهم انهم كانوا يفعلونه
وكان اسماعيل بن عياش يرويه يشير الى حديث ابي امامة انتهى و
استشهد في التلخيص بحديث ابي امامة بالاثر الذي رواه سعيد
بن منصور في سننه عن راشد بن سعد وضمرة بن حبيب وحكيم بن
عمير وذكر له شواهد آخر (الى)

وفي شرح الاحياء قال في الروضة ويستحب ان يلقن الميت
بعد الدفن ورد به الخبر عن النبي صلى الله عليه وسلم قال النووي

هذا التلقين استحبه جماعات من اصحابنا منهم القاضی حسین وصاحب التتمة والشیخ نصر المقدسی فی کتابه التهذیب وغیرهم ونقله القاضی حسین عن الاصحاب مطلقا والحدیث الوارد فیه ضعیف ولکن احادیث الفضائل یتسامح فیها عند اهل العلم من المحدثین وغیرهم وقد اعتضد هذا الحدیث بشواهد من الاحادیث الصحیحة کحدیث اسئلوا الله له التثبیت ووصیة عمرو بن العاص اقیموا حول قبری قدر ماینحر جزور ویقسم لحم حتی استانس بکم واعلم ماذا اراجع به رسل ربی رواه مسلم فی صحیحه ولم یزل اهل الشام علی العمل بهذا التلقین من العصر الاول وفی زمن من یقتدی به قال الاصحاب ویقعد الملقن عند راس القبر۔ فتح۔ ملخصاً۔ جلد ثانی صـ۲۶۶

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے اموات کو لا الہ الا اللہ کی تلقین کرو۔ ابی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو تلقین بعداز دفن پر محمول کرنا بعید نہیں۔ اس تلقین کو شوافع حضرات نے مستحب قرار دیا ہے اور ابن صلاح نے اس کو اختیار کیا ہے اور انہوں نے فرمایا کہ یہ تلقین حدیث ابی امامہ میں وارد ہے۔ اگرچہ اس کی سند قوی نہیں ہے اور حدیث ابی امامہ جس کی طرف ابن الصلاح نے اشارہ فرمایا ہے احمد کو سعید بن عبداللہ ازدی نے ان سے روایت کیا ہے۔ سعید کہتے ہیں کہ میں ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، جبکہ وہ حالتِ نزع میں تھے، اور انہوں نے فرمایا کہ جب میں فوت ہو جاؤں، تو میرے ساتھ وہی کچھ کرنا جس کا رسول خدا نے ہمیں حکم دیا (تلقین)۔

اثرم کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ لوگ میت کے دفن کرنے کے بعد جو کچھ کرتے ہیں یعنی ایک آدمی اس کے سر کی جانب کھڑا ہو جاتا

ہے اور کہتا ہے یا فلاں بن فلانۃ تو انہوں نے فرمایا، میں نے سوائے اہلِ شام کے اور کسی کو اس طرح کرتے نہیں دیکھا؛ البتہ جب ابوالمغیرہ کا انتقال ہوا تو اس وقت اہل شام کو اس طرح کرتے دیکھا۔ اس تلقین میں ابوبکر بن ابی مریم اپنے مشائخ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اس طرح کیا کرتے تھے اور اسماعیل بن عیاش بھی حدیث تلقین کو روایت کیا کرتے تھے، یعنی حدیث ابی امامۃ رضی اللہ عنہ۔ تلخیص میں حدیث ابی امامۃ رضی اللہ عنہ پر اس اثر و روایت سے استشہاد اور تائید پیش کی ہے جس کو سعید بن منصور نے اپنے سنن میں راشد بن سعد، ضمرہ بن حبیب اور حکیم بن عمیر سے روایت کیا اور اس پر اور شواہد بھی ذکر کئے ہیں۔

شرح الاحیاء میں مذکور ہے کہ روضہ میں فرمایا میت کو دفن کے بعد تلقین کرنا مستحب ہے، اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث وارد ہے۔ علامہ نووی نے فرمایا کہ اس تلقین کو ہمارے مشائخ اور علماء کی کئی جماعتوں نے مستحب قرار دیا ہے جن میں قاضی حسین، صاحب تتمہ اور شیخ نصر المقدسی وغیرہم شامل ہیں اور قاضی حسین نے اس کا استحباب تمام اصحاب سے نقل کیا ہے۔ اس میں وارد حدیث اگرچہ ضعیف ہے، لیکن احادیثِ فضائل میں اہلِ علم محدثین وغیرہم کے نزدیک درگزر کیا جاتا ہے، یعنی ضعفِ سند کا لحاظ نہیں کیا جاتا اور یہ حدیث احادیثِ صحیحہ میں سے مختلف شواہد و دلائل کے ساتھ قوت و تائید حاصل کر چکی ہے جیسا کہ ابوداؤد کی حدیث اسئلوا له التثبیت الحدیث یعنی میت کے لئے اللہ تعالیٰ سے ثابت قدمی کا سوال کرو اور اسی طرح عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی وصیت کہ اے میرے بیٹو! مجھے دفن کرنے کے بعد میری قبر کے آس پاس اتنی دیر کھڑے رہنا جتنی دیر میں اونٹ کو ذبح کرکے اس کا گوشت تقسیم کیا جا سکتا ہے تاکہ میں تمہارے ساتھ انس حاصل کروں اور یقین کے ساتھ اپنے رب کے بھیجے ہوئے فرشتوں کو جواب دے سکوں۔ رواہ

مسلم۔ اور اہل شام کا اس پر عصر اوّل سے عمل رہا ہے اور ان اکابر کے وقت میں وہ اس
پر عمل پیرا رہے ہیں جو کہ مقتدائے اہل زمان تھے۔ علمائے مذہب نے فرمایا کہ تلقین
کرنے والا قبر کے سر والی جانب بیٹھے۔

(۷) علامہ ملا علی القاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے قولہ علیہ السلام استغفروا
لاخیکم ثم سلوا لہ التثبیت فانہ الان یسئل کے تحت فرمایا قال الخطابی و
لیس فیہ دلالۃ علی التلقین عند الدفن کما ھو العادۃ ولا نجد فیہ
حدیثا مشھورا ولا باس بہ اذ لیس فیہ الا ذکر اللہ وعرض الاعتقاد
علی المیت والحاضرین والدعاء لہ وللمسلمین والارغام لمنکری الحشر
وکل ذالک حسن واورد الغزالی فی الاحیاء والطبرانی فی کتاب الادعیۃ
حدیثا فی تلقین المیت عند الدفن ولم یصححہ بعض المحدثین واما
قولہ علیہ السلام لقنوا موتاکم لا الہ الا اللہ فالمراد عند الموت لا عند
الدفن وقال ابن حجر فیہ ایماء الی تلقین المیت بعد تمام دفنہ وکیفیتہ
مشھورۃ وھو سنۃ علی المعتمد من مذھبنا خلافا لمن زعم انہ بدعۃ
کیف وفیہ حدیث صریح یعمل بہ فی الفضائل اتفاقا بل اعتضد بشواھد
یرتقی بھا الی درجۃ الحسن۔ مرقاۃ جلد اوّل۔ ص۲۰۸

ترجمہ: علامہ خطابی نے فرمایا کہ اس حدیث میں متعارف و معتاد تلقین بعد
الدفن پر کوئی دلیل نہیں اور نہ ہی اس میں کوئی مشہور حدیث ہمیں دستیاب ہوتی ہے
لیکن اس تلقین میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ میت اور حاضرین
پر اعتقاد کا پیش کرنا ہے اور میت و عوام مومنین کے لئے دُعا ہے اور منکرین حشر کی
تذلیل و ترغیم ہے اور ان امور میں سے ہر ایک مستحسن ہے۔ امام غزالی نے احیاء العلوم
اور طبرانی نے کتاب الادعیہ میں تلقین بعد از دفن کے متعلق حدیث نقل کی ہے، مگر بعض

محدثین نے اس کو صحیح تسلیم نہیں کیا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد لقنوا موتاکم
الحدیث تو اس سے مراد موت کے قریب تلقین کرنا ہے نہ کہ دفن میت کے وقت۔
علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ اس میں مقصود نہ سہی، مگر اشارہ اس تلقین کی طرف ضرور
ہے جو کہ دفن کے وقت کی جاتی ہے۔ اس کی کیفیت مشہور و معروف ہے اور ہمارے
مذہب معتمد علیہ کے مطابق وہ سنّت ہے نہ کہ بدعت جیسے کہ بعض نے گمان کیا ہے۔
بدعت کا اطلاق اس پر کیونکر درست ہو سکتا ہے، جبکہ اس میں حدیث صریح وارد
ہے جس پر فضائل میں بالاتفاق عمل کیا جاتا ہے، بلکہ اس حدیث کو ایسے شواہد کے
ساتھ تقویت حاصل ہو گئی ہے جو اس کو درجہ حسن تک پہنچا دیتے ہیں۔

(۸) شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز نے فرمایا قول رسول
مقبول صلی اللہ علیہ وسلم استغفروا لاخیکم ثم سلوا لہ بالتثبیت فانہ الآن
یسئل۔ رواہ ابوداؤد میں اس امر کی دلیل بیّن موجود ہے کہ دُعا میت کو نفع پہنچاتی
ہے اور اہل السنّت والجماعت کے عقائد میں ہے کہ زندہ افراد کی اموات کے لئے
دعا سے ان کو نفع پہنچتا ہے، لیکن یہ تلقین اس تلقین سے الگ ہے جو دفن کے بعد
کی جاتی ہے۔ وہ بہت سے شوافع کے نزدیک مستحب ہے اور ہمارے بعض اصحاب
سے بھی منقول ہے اور اس میں حضرت ابو امامہ سے حدیث منقول ہے جس کو امام
سیوطی نے جمع الجوامع میں طبرانی اور ابن النجار و ابن العساکر اور دیلمی سے نقل کیا
ہے، عبارت ملاحظہ ہو۔

فیہ دلیل علی ان الدعاء نافع للمیت و فی عقائد اھل السنۃ
والجماعۃ فی دعاء الاحیاء للاموات نفع لھم والتلقین بعد الدفن
شیئ آخر غیر الدعاء وھو مستحب عند کثیر من الشافعیۃ وقد نقل
عن بعض اصحابنا ایضا وقد ورد فیہ حدیث عن ابی امامۃ ذکرہ السیوطی

فی جمع الجوامع من حدیث الطبرانی و ابن النجار و ابن العساکر والدیلمی۔
لمعات۔ جلد اوّل۔ ص۲۰

نیز اشعۃ اللمعات میں بھی شیخ نے اسی طرح فرمایا اور حدیث ابوامامہ رضی اللہ عنہ کو نقل فرمایا، جیسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

(فائدہ) شیخ محقق نے استحباب تلقین، بعض اصحاب سے منقول ہونے کی تصریح فرمائی اور اصحاب کا لفظ ائمہ ثلاثہ پر اطلاق کیا جاتا ہے تو ثابت ہوا کہ ہمارے ائمہ کے نزدیک تلقین مستحب ہے۔

الحاصل میّت کو دفن کرنے کے بعد تلقین کے مستحسن و مندوب ہونے پر امام ابن الہمام صاحب فتح القدیر، صاحب کفایہ، صاحب جوہرہ، شیخ زاہد صفار، صاحب کافی، صاحب خبازیہ، مصنف شرح منیہ، صاحب سراج، علامہ بن امیر حاج، شیخ عبدالحق محدث قدس سرہ، ملّا علی القاری، علامہ خطابی، علامہ شامی، طحطاوی وغیرہم نے نص فرمائی۔ اس کے علاوہ امام شافعی اور ان کے متبعین میں سے جمہور علماء نے اس کو مستحب قرار دیا۔ اہلِ شام کا قدیم ایّام سے اس پر عمل رہا، حتّٰی کہ عصرِ اوّل سے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اہلِ شام کے فعل پر انکار نہیں فرمایا۔ امام ابن الہمام، صاحب کفایہ اور شیخ زاہد صفار وغیرہم نے تلقین کو لقنوا موتاکم لا الٰہ الا اللہ سے موتیٰ کے حقیقی معنی کے لحاظ سے ثابت کیا۔ نیز، مؤخر الذکر دونوں حضرات نے اور اور دیگر اکابر نے قد روی انہ علیہ السلام امر بالتلقین بعد الدفن، سے اس کی تائید کی اور بعض نے استغفروا لاخیکم واسئلوا اللہ التثبیت سے اس کو ثابت کیا۔ بعض کو ان احادیث سے استدلال میں اگرچہ کلام ہے، مگر اصل تلقین کا استحسان ان کے نزدیک بھی واجب الاذعان ہے۔ نیز حدیث ابی امامہ اس تلقین میں نص صریح ہے اور اس میں احادیث صحیحہ اور روایات و آثار صریحہ سے قوت و پختگی پیدا

ہوگئی ہے اور ضعف سند متن میں ضعف کا موجب نہیں رہا۔

نیز یہ بھی واضح ہوگیا کہ تمام اہل السنت تلقین کے حسن و مندوبیت کے قائل ہیں یا کم از کم اس پر اعتراض نہیں کرتے۔ صرف معتزلہ کے نزدیک تلقین درست نہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک موت کے بعد زندہ کیا جانا محال ہے، مگر اہل السنت کے نزدیک قبر میں زندہ کیا جانا نصوص قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ سے ثابت ہے؛ لہٰذا وہ سماع کا انکار نہیں کر سکتے، صرف معتزلہ اس کا انکار کرتے ہیں اور تلقین کو بے فائدہ قرار دیتے ہیں۔ بہر حال مسئلہ تلقین سے واضح ہوگیا کہ تمام اہل السنت کے نزدیک بالعموم اور احنافِ اہل السنت کے نزدیک بالخصوص سماع ثابت ہے، ورنہ تلقین میں قباحتِ عبث اور خطاب معدوم وغیرہ لازم آئیں گے اور ان کے جواز کا بھی کوئی قائل نہیں ہو سکتا، چہ جائیکہ استحباب بلکہ سنیّت کا جیسا کہ علامہ ابن قیم نے تصریح کی ہے۔

منکرین سماع کی فریب کاری!

مانعین و منکرین نے بوکھلاہٹ میں فرمایا کہ تلقین کرنا اہل السنت کا مسلک نہیں، اسی لئے نُسِبَ اور زُعِمُوْ کے کلمات تضعیف سے اس کو نقل کیا گیا ہے۔ اگر اہل السنت کا مذہب یہ ہوتا تو ایسے کلمات کو استعمال نہ کیا جاتا۔ جواباً گذارش ہے کہ پہلی دو عبارتوں کے علاوہ کہیں بھی یہ کلمات ضعف مذکور نہیں ہیں، بلکہ اہل السنت کے مذہب مختار ہونے کی تصریح موجود ہے۔ نیز ایسے کلمات ضعف پر اس وقت دلالت کرتے ہیں، جب مذہب اہل السنت میں ان کا استعمال ہوتا، لیکن یہاں تو مذہب معتزلہ کے مقابل اس کو نقل کیا ہے اور نُسِبَ۔ زُعِمُوْا وغیرہ کا تعلق دونوں مذاہب سے ہے تو لازم آئے گا کہ انکارِ تلقین اور انکارِ سماع کی نسبتِ معتزلہ کی طرف درست نہ ہو، حالانکہ ان کے نزدیک قبر میں نہ حیات ہے اور نہ علم و ادراک اور نہ ہی تلقین

ان کے نزدیک جائز ہے۔ لہٰذا یہاں یہ کلمات ضعف کو مستلزم نہیں۔ نیز اہل السنت نے تلقین کا جواز اور استحباب مختلف دلائل سے ثابت کیا ہے۔ اگر یہ قول درست ہی نہیں تھا تو دلائل ذکر کر کے اس کی تائید و تصدیق کا کیا فائدہ۔ اور تلقین کو بے فائدہ قرار دینے والوں کے رد کا کیا مطلب؟ لہٰذا منکرین کا یہ عذر اپنی بوکھلاہٹ کا اظہار ہے اور کھلا فریب ہے۔

زیارت اہل قبور اور ان پر سلام وغیرہ کے متعلق احناف کے اقوال:

۱۔ علامہ شامی بحث زیارۃ القبور میں فرماتے ہیں:

وتزار فی کل اسبوع کما فی مختار النوازل قال فی شرح لباب المناسک الا ان الافضل یوم الجمعۃ والسبت والاثنین والخمیس فقد قال محمد بن الواسع الموتیٰ یعلمون بزوارہم یوم الجمعۃ ویوما قبلہ ویوما بعدہ۔ جلد اول۔ ص۶۶۵

ترجمہ: قبروں کی ہر ہفتہ میں زیارت کی جائے، جیسا کہ مختار النوازل میں ہے اور شرح لباب المناسک میں ہے کہ زیارت کے لئے افضل ایام جمعہ ہفتہ سوموار اور جمعرات ہیں، کیونکہ محمد بن واسع نے فرمایا کہ اموات اور اہل قبور کو جمعہ کے دن اور اس سے ایک دن پہلے یعنی جمعرات کو ایک دن بعد یعنی ہفتہ کو اپنے زائرین کا علم ہوتا ہے۔

صاحب درمختار کے قول السلام علیکم دار قوم مومنین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون (جو کہ دراصل حدیث پاک کا اقتباس ہے) کے تحت فرمایا:

فی شرح اللباب لملا علی القاری ثم من آداب الزیارۃ ماقالوا من انہ یاتی الزائر من قبل رجلی المتوفی لا من قبل راسہ لانہ اتعب لبصر المیت بخلاف الاول لانہ یکون مقابل بصرہ۔ الخ

ردالمحتار۔ جلد اول۔ ص۶۶۵

ترجمہ: ملا علی القاری کی شرح لباب میں ہے کہ آداب زیارت میں سے یہ بھی ایک ادب اور طریقہ ہے جیسا کہ فقہا نے فرمایا کہ زائر میت کے پاؤں کی جانب سے حاضر ہو نہ کہ سر کی جانب سے کیونکہ دوسری صورت میت کی نگاہ کو تھکا دینے کا موجب بنتی ہے، بخلاف پہلے طریقہ کے، کیونکہ اس وقت زائر میت کی نگاہوں کے سامنے ہوتا ہے۔

۲۔ طحطاوی علیٰ مراقی الفلاح میں ہے: اخرج ابن ابی الدنیا والبیہقی فی الشعب عن محمد بن الواسع قال بلغنی ان الموتیٰ یعلمون بزوارہم یوم الجمعۃ ویوما قبلہ ویوما بعدہ وقال ابن القیم الاحادیث والآثار تدل علی ان الزائر متی جاء علم بہ المزور وسمع سلامہ وانس بہ ورد علیہ وھذا عام فی حق الشہداء وغیرہم وانہ لا توقیت فی ذالک قال وھو اصح من اثر الضحاک الدال علی التوقیت۔

طحطاوی علیٰ مراقی الفلاح۔ ص۳۷۶

ترجمہ: ابن ابی الدنیا نے اور بیہقی نے شعب میں محمد بن الواسع سے روایت کیا ہے کہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ اموات کو اپنے زائرین کا جمعہ کے دن اور اس سے ایک دن پہلے اور ایک دن بعد علم ہوتا ہے اور علامہ ابن القیم نے کہا ہے کہ احادیث و آثار اس پر دلالت کرتے ہیں کہ زائر جب بھی آئے تو میت کو اس کا علم ہو جاتا ہے، وہ اس کا سلام سنتا ہے اور اس سے انس حاصل کرتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔ نیز یہ علم عام اور معرفت تام شہداء اور ماسوا میں برابر پائی گئی ہے اور اس میں وقت کا کوئی تعین نہیں اور یہ قول اثر ضحاک سے (جس میں وقت کا تعین پایا گیا ہے) زیادہ صحیح ہے۔

۳- مرقات شرح مشکوٰۃ لملا علی القاری اور فتح الملہم شرح مسلم میں مامن احد یمر بقبر اخیہ الحدیث کے تحت ہے: الصواب ان المیت اھل للخطاب مطلقا لما سبق من الحدیث - مرقاۃ جلد رابع ص۱۱۴ فتح الملہم ص۵۰۸- جلد ثانی۔

ترجمہ صحیح یہ ہے کہ میت مطلقاً قابل خطاب و نداء ہے اور اہل سلام وکلام ہے۔ اس حدیث پاک کی رُو سے جو کہ گزر چکی۔

۴- علامہ شامی ردالمحتار میں فرماتے ہیں: یکرہ ایضا قطع النبات الرطب والحشیش من المقبرۃ دون الیابس کما فی البحر والدرر وشرح المنیۃ وعللہ فی الامداد بانہ مادام رطبا یسبح اللہ تعالیٰ فیونس المیت وتنزل بذکرہ الرحمۃ الخ ونحوہ فی الخانیہ جلد اول ص۶۶۸

ترجمہ: قبرستان میں سے سرسبز پودے اور سبزہ کا کاٹنا مکروہ ہے نہ کہ خشک کا جیسا کہ بحر و دُرر اور شرح منیہ میں ہے اور امداد میں کراہت کی علت یہ بیان کی ہے جب تک پودے اور گھاس سبز رہیں تسبیح کہتے ہیں اور میت اس سے انس حاصل کرتا ہے اور ذکر باری تعالیٰ سے رحمت کا نزول ہوتا ہے اور اسی طرح خانیہ میں ہے، لہٰذا ان پودوں اور گھاس کو قطع کرنا گویا میت کو انس سے محروم کرنا اور رحمت سے دُور کرنا ہے لہٰذا ان کا کاٹنا مکروہ ہے۔

اقول: اگر میت اس قبر میں نہ ہو یا اس میں علم وادراک اور قوتِ سماع نہ ہو تو سرسبز چیزوں کے ذکر سے اسے انس کیونکر حاصل ہوتا ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ اسی قبر میں مدفون میت صاحبِ علم وادراک ہے اور وہی قابل نداء وخطاب ہے۔

۵- شیخ حسن بن عمار بن علی شرنبلالی حنفی نے مراقی الفلاح میں فرمایا:

کرہ وطئھا بالاقدام لما فیہ من عدم الاحترام واخبرنی شیخی

العلامہ محمد بن احمد الحموی الحنفی بانھم یتاذون بخفق النعال انتھی۔ قال الکمال وحینئذ مایصنعہ الناس ممن دفنت اقاربہ ثم دفنت حوالیہ خلق من وطأ تلک القبور الی ان یصل الیٰ قبر قریبہ مکروہ الخ وقال قاضی خان ولو وجد طریقا فی المقبرۃ وھو یظن انہ طریق احدثوہ لایمشی فی ذالک وان لم یقع فی ضمیرہ لاباس بان یمشی فیہ۔

مراقی الفلاح علیٰ نورالایضاح ص۳۷۷ مع الطحطاوی

ترجمہ: قبور کو پاؤں کے ساتھ روندنا مکروہ ہے، کیونکہ اس میں اہل قبور کی بے حرمتی ہے اور مجھے میرے شیخ علامہ محمد بن احمد حموی حنفی نے خبر دی کہ اہل قبور جوتوں کے ساتھ قبروں پر چڑھنے سے تکلیف محسوس کرتے ہیں۔ علامہ کمال نے فرمایا وہ لوگ جن کے اقارب ایک جگہ مدفون ہوتے ہیں اور ان کے اردگرد دوسرے لوگ تو وہ اپنے اقارب تک پہنچنے کے لئے دوسری قبروں کو پائمال کرتے ہیں یہ مکروہ ہے۔ اور قاضیخان نے فرمایا اگر قبرستان میں راستہ موجود ہے اور گمان یہ ہے کہ یہ بعد میں بنایا گیا ہے۔ اس کے نیچے قبریں ہیں، تو اس راستہ پر نہ چلے اور اگر دل میں یہ شُبہ نہ ہو تو گزرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

مراقی کی اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ علامہ حموی، علامہ کمال اور قاضی خان سب کے نزدیک اموات میں علم وشعور ہے اور ان کی قبروں کو پائمال کرنا انہیں تکلیف دیتا ہے۔

۶- ملا علی القاری حنفی آنحضرت صلی اللہ کے اہل بقیع پر سلام یعنی السلام علیکم دار قوم مومنین وانا انشاءاللہ بکم لاحقون کے تحت فرماتے ہیں، فیہ اشارۃ الیٰ انھم یعرفون الزائر ویدرکون کلامہ وسلامہ - مرقاۃ جلد اول ص۳۳۲

ترجمہ: سلام کے اس انداز یعنی خطاب و ندا میں اس طرف اشارہ ہے کہ اہلِ قبور

اپنے زائرین کو پہچانتے اور ان کے کلام وسلام کو سمجھتے ہیں۔

۷۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ العزیز فرماتے ہیں:

وہمچنیں در زیارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اہلِ بقیع را آمدہ کہ سلام کرد بر ایشاں وخطاب کردمر ایشاں را وگفت سلام بر شما اے اہل دار مسلمانان آمد مر شمارا آنچہ وعدہ کردہ شدہ بود ید وما نیز انشاء اللہ تعالیٰ می پیوندیم بشما زیرا کہ خطاب باکسے کہ نہ شنود ونفہمد معقول نیست ونزدیک است کہ شمار کردہ شود از جملۂ عبث چنانکہ عمر گفت چہ خطاب میکنی با اجساد کہ نیست در ایشان ارواح۔

مدارج النبوت جلد دوم ص۱۳۲ ۔ اشعۃ اللمعات جلد سوم ص۴۰

۸۔ علامہ طحطاوی نے مضمرات میں سے نقل کرتے ہوئے فرمایا:

اما الثالث اذا غلب الماء علی القبر فقیل یجوز تحویلہ لما روی ان صالح بن عبید اللہ رؤی فی المنام وھو یقول حولونی عن قبری فقد آذانی الماء ثلاثا فنظروا فاذا شقہ الذی یلی الارض قد اصابہ الماء فافتی ابن عباس بتحویلہ۔ ص۳۷۲

ترجمہ: تیسری صورت میت کو قبر سے منتقل کرنے کے جواز کی یہ ہے کہ قبر پر پانی غالب آجاتے، تو اس وقت اس کا منتقل کرنا جائز ہے، کیونکہ روایت کی گئی ہے کہ صالح بن عبیداللہ کو خواب میں دیکھا گیا کہ وہ کہتے ہیں مجھے میری قبر سے نکالو، کیونکہ مجھے پانی نے تکلیف میں مبتلا کر دیا ہے۔ تین دفعہ اس طرح فرمایا۔ تو لوگوں نے دیکھا کہ ان کا جو پہلو زمین سے متصل تھا اس کو پانی پہنچا ہوا تھا، تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فتویٰ دیا کہ اس کو اپنی قبر سے نکال لو۔

اس سے معلوم ہوا کہ ان کے اجسام پر جو کچھ گزرتی ہے، انہیں اس کا علم ہوتا ہے اور اپنے متعلقین واحیاء سے ان کا تعلق قائم رہتا ہے اور ان کو بھی اپنے احوال کی اطلاع

دیتے ہیں اور حضرت ثابت بن قیس ابن شماس کا واقعہ اس پر شاہد عدل ہے اور ہم اس کو پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں ثبوت سماع از احادیث۔

۹۔ بلکہ ملا علی قاری کی کلام سے واضح ہوتا ہے کہ اہل قبور کو جس سے تکلیف پہنچے، وہ اس کو بھی ایذاء وتکلیف پہنچاتے ہیں۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں:

قد روینا ان امرءۃ من اھل العراق مات لھا ولد فوجدت علیہ وجدا شدیدا ثم رحلت فی بعض مقاصدھا الی المغرب فحضر یوم العید وعادتھا فی بلدھا ان تخرج کل یوم عید الی المقابر تبکی علی ولدھا فلما لم تکن فی بلدھا خرجت الی مقابر تلک البلدۃ ففعلت کما کانت تفعل واکثرت البکاء والویل ثم نامت فرءت اھل المقبرۃ قد ھاجوا یسأل بعضھم بعضا اھل لھذہ المرءۃ عندنا ولد فقالوا لا فقالوا کیف جاءت عندنا تؤذینا ببکاءھا ثم ذھبوا وضربوھا ضربا شدیدا وجیعا فلما استیقظت وجدت الم ذالک الضرب فلاشک ان ارواح الاموات تتالم من الموذیات وتفرح من اللذات فی البرزخ کما کانت فی الدنیا وقد ورد ان الموتی یعلمون احوال الاحیاء وماینزل بھم من شدۃ ورخاء وورد انھم یفتخرون بالزیارات ویألمون بانقطاعھا ولما کان البکاء والعویل فی حال الحیواۃ تتاذی بہ الارواح وتنقبض کان کذالک بعد الموت۔ مرقاۃ۔ جلد رابع ص۹۷

ترجمہ: ہمیں روایت پہنچی ہے کہ اہلِ عراق میں سے ایک عورت کا لڑکا فوت ہو گیا جس پر وہ سخت غمگین ہوئی۔ پھر اس نے اپنے بعض مقاصد کے تحت مغرب کی طرف کوچ کیا۔ عید کا دن آگیا اور اس کی عادت اپنے شہر میں تھی کہ ہر عید کو قبرستان کی طرف نکلتی اپنے بچے پر روتی، اب کے وہ اپنے شہر میں عید کے موقعہ پر نہیں تھی تو اسی

شہر کے قبرستان کی طرف نکلی اور پہلے جس طرح کیا کرتی تھی اسی طرح رونا پیٹنا شروع کیا، پھر سو گئی، تو اس نے اہلِ مقبرہ کو دیکھا کہ ان میں سخت ہیجان و اضطراب پیدا ہو گیا ہے اور وہ ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ کیا اس عورت کا ہمارے پاس کوئی لڑکا ہے بالآخر وہ اس پر متفق ہوئے کہ اس کا لڑکا یہاں نہیں ہے۔ تب انہوں نے کہا یہ عورت ہمیں تکلیف دینے کے لئے کیسے آگئی تو انہوں نے اس کو سخت دردناک سزا دی اور اس کی پٹائی کی، حتیٰ کہ جب بیدار ہوئی تو پٹائی کا درد اس وقت بھی محسوس کیا۔

لہذا معلوم ہوا کہ اموات و اہلِ قبور کے ارواح کو تکلیف دہ امور سے تکلیف پہنچتی ہے اور موجبات فرحت و سرور سے ان کو فرحت و راحت حاصل ہوتی ہے اور تحقیق روایات میں وارد ہے کہ اموات کو زندہ افراد کے احوال کا پتہ چل جاتا ہے اور ان پر جو نرمی سختی وارد ہوتی ہے اس کا انہیں علم ہوتا ہے اور یہ بھی وارد ہے کہ وہ اقرباء و اعزہ کے زیارت کرنے پر فخر محسوس کرتے ہیں اور ان کے انقطاع سے دُکھ پاتے ہیں اور رنجیدہ خاطر ہوتے ہیں اور آہ و زاری واویلا جبکہ دنیوی زندگی میں ارواح کے لئے ایذاء رساں ہے اور موجب انقباض تو لامحالہ موت کے بعد بھی اسی طرح ہوگا۔

اقول: ان تمام حوالہ جات سے اور اس کے علاوہ بے شمار عبارات سے احناف کا مذہب زیارت اہلِ قبور کے متعلق بھی واضح ہو گیا کہ قبور کو پائمال کرنا میت کو تکلیف دیتا ہے۔ سرسبز گھاس وغیرہ کے کاٹنے سے ان کو وحشت محسوس ہوتی ہے۔ زیارت سے انس و راحت حاصل ہوتی ہے اور زیارت نہ کرنے سے رنج ہوتا ہے۔ قبرستان میں جا کر آہ و زاری اور واویلا سے ان کو سخت پریشانی ہوتی ہے اور ایسا کرنے والے کو سزا دینے سے بھی باز نہیں رہتے۔

نیز زیارت سر کی جانب سے نہیں، بلکہ پاؤں کی طرف سے یا قبلہ کی جانب سے کرنی چاہیئے تاکہ ان کی نگاہوں کو تکلیف نہ ہو۔ وہ سلام و خطاب کے قابل ہیں اور سلام و کلام

سنتے ہیں، سلام کا جواب بھی دیتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

اور یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ اگر ان کو سلام و خطاب کا علم نہ ہوتا، تو ہرگز شریعت میں ان پر سلام کو مشروع نہ کیا جاتا، کیونکہ ایسی ذات کو سلام اور خطاب جو نہ سنے نہ سمجھے غیر معقول اور عبث فعل ہے۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ احناف اہل السنّت سماع اموات کے قائل ہیں صرف معتزلہ جنہوں نے حنفیت کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا۔ وہ اس کے منکر تھے اور جو حنفیت کی آڑ میں اپنے مذہب اعتزال کو رواج دینے کی فکر میں تھے۔ انہوں نے حسب موقع اس قسم کی تاویلات و توجیہات کو اختراع کیا اور ائمہ احناف کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

نیز علامہ نووی شافعی، قاضی عیاض مالکی اور ابن قیم حنبلی اور ان احناف کی سلام کے متعلق تصریحات سے واضح ہو گیا کہ اہل السنّت والجماعت کے چاروں گروہ اور مذاہب اربعہ اموات کے علم و معرفت اور سماع سلام و کلام پر متفق و مجتمع ہیں۔

نیز یہ بھی واضح ہو گیا کہ مسئلہ سماع اموات میں حنفی اور شافعی یا مالکی اور حنبلی آپس میں مقابل و مخالف نہیں، بلکہ صرف اہل السنّت اور معتزلہ کا اس میں اختلاف ہے اسی لئے احناف نے مسئلہ تلقین میں انکار کو معتزلہ کی طرف منسوب کیا اور اقرار کو اہل السنّت کی طرف یہ نہیں فرمایا کہ تلقین پر عمل اور اس کا جواز شوافع کا مذہب ہے اور اس کا انکار احناف کا نیز تلقین پر استدلال کرتے ہوتے قد روی انہ علیہ السلام امر بالتلقین کے الفاظ ذکر کر کے اس روایت کی تحقیق فرما دی اور اس کا ناقابلِ انکار ہونا واضح کر دیا، کیونکہ لفظ قد ماضی کی تحقیق کے لئے ہوتا ہے۔

لہذا باب تلقین اور زیارتِ قبور میں احناف کی تصریحات بالخصوص اور شوافع مالکیہ و حنابلہ کی تصریحات بالعموم اس دعویٰ پر دلیل ناطق اور شاہد صادق ہیں کہ تمام اہل السنّت اس مسئلہ میں متفق ہیں اور بالفرض اگر کسی نے اختلاف کیا ہے تو معتزلہ

کے دھوکہ میں آکر اور ان کے دامِ تلبیس و تدلیس میں پھنس کر۔ العیاذ باللہ۔

الغرض جمہور اہل السنت سماع اموات کے قائل ہیں اور منکرین جمہور کے خلاف ہیں۔

جواب دوم: امام ابن الہمام نے اس قول کو نقل فرمایا، مگر یہ قول ان کے نزدیک ناپسندیدہ اور غیر مختار ہے، بلکہ خود انہوں نے اس کو رَد فرمایا۔ مسئلہ یمین ذکر کرنے کے بعد فرمایا: اورد انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لاھل القلیب قلیب بدر ھل وجدتم ما وعد کم ربکم حقا فقال عمر رضی اللہ عنہ أتکلم اجساد الا ارواح فیھا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والذی نفسی بیدہ ما انتم باسمع لما اقول منھم۔ واُجیب بانہ غیر ثابت یعنی من جھۃ المعنی والّا فھو فی الصحیح وذالک ان عائشۃ رضی اللہ عنہا ردتہ بقولہ تعالیٰ انک لا تسمع الموتیٰ وما انت بمسمع من فی القبور وبانہ انما قالہ علی وجہ الموعظۃ للاحیاء لا لا فھام الموتیٰ کما روی عن علیؓ انہ قال السلام علیکم دار قوم مومنین اما نساءکم فنکحت واما اموالکم فقسمت واما دورکم فقد سکنت فھذا خبرکم عندنا فما خبرنا عندکم وبانہ مخصوص باولئک تضعیفا للحسرۃ علیھم لکن بقی انہ روی عنہ صلی اللہ علیہ وسلم ان المیت یسمع خفق نعالھم اذا انصرفوا ولینظر فی کتاب الجنائز من ھذا الشرح - فتح القدیر۔ جلد رابع ص۴۶۱

ترجمہ: مشائخ کا یہ قول کہ مقصود کلام سے افہام ہوتا ہے اور میت قابلِ فہم نہیں؛ لہٰذا بعد از مرگ کلام کرنے سے حانث نہیں ہوگا۔ اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قلیب بدر میں پھینکے ہوئے کفار و مشرکین کو خطاب فرمایا کہ اے فلاں فلاں کیا تم نے اس وعدہ کو حق پایا جو رب تبارک و تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ آپ ایسے اجسام و ابدان

کو خطاب فرما رہے ہو جن میں روح نہیں ہیں (اس میں کیا حکمت ہے)، تو آپ نے فرمایا مجھے اس ذاتِ اقدس کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، تم ان سے زیادہ اس کو نہیں سن رہے جو میں کہہ رہا ہوں، اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ روایت ثابت نہیں، یعنی معنی کے لحاظ سے ورنہ یہ روایت صحیح بخاری میں موجود ہے۔ معنوی لحاظ سے عدم صحت کی دلیل یہ ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس روایت کو قرآن کریم کی آیت اِنک لاتسمع الموتیٰ اور وَما انت بمسمع مَن فی القبور سے رَد کر دیا ہے اور دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ آپ کا یہ ارشاد زندہ افراد کے لئے وعظ و نصیحت کے لئے ہے نہ کہ مُردہ لوگوں کو سنانے کے لئے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اہلِ مقبرہ کو السلام علیکم دار قوم مومنین کہا اور اس کے بعد فرمایا۔ تمہاری بیویوں نے نکاح کر لیا۔ تمہارے اموال کو تقسیم کر دیا گیا۔ تمہارے گھروں میں تمہارے مخالفوں نے سکونت اختیار کر لی۔ یہ تھی تمہارے متعلق خبر ہمارے پاس تم بتلاؤ ہمارے متعلق تمہارے پاس کیا خبر ہے۔ تیسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ سماع صرف اہلِ قلیب کے ساتھ مخصوص ہے اور ان کو آپ کی کلام اس لئے سنائی گئی تاکہ ان کی حسرت و ارمان میں اضافہ ہو۔

امام فرماتے ہیں کہ یہ جوابات اس حدیث میں تو جاری ہو سکتے ہیں اور اس میں یہ تاویلات صحیح یا غلط کی جا سکتی ہیں، مگر دوسری حدیث جس میں فرمایا کہ میت ان لوگوں کے جوتوں کی رگڑ سے پیدا ہونے والے آواز کو بھی سنتا ہے جو اس کو دفن کر کے لوٹتے ہیں۔ اس کا جواب ابھی باقی ہے اور اس کی مزید تحقیق کتاب الجنائز میں دیکھو۔ کتاب الجنائز میں فرمایا:

اللھم الا ان یخصوا ذالک باول الوضع فی القبر مقدمۃ للسوال جمعا بینہ وبین الآیتین فانھما یفیدان تحقیق عدم سماعھم فانہ تعالیٰ

شبہ الکفار بالموتی لافادۃ تعذر سماعہم وھو فرع عدم سماع الموتیٰ
الا انہ علیٰ ھذا ینبغی التلقین بعد الموت لانہ یکون حین ارجاع الروح
فیکون لفظ موتاکم فی حقیقتہ وھو قول طائفۃ من المشائخ او ھو مجاز
باعتبار ما کان نظرا الیٰ انہ الآن حی اذ لیس معنی الحی الا من کان فی
بدنہ الروح الخ۔ فتح القدیر شرح ہدایہ لابن الہمام جلد ثانی۔ ص ۶۸

ترجمہ: اللّٰہم مگر یہ کہ حدیثِ پاک سے ثابت ہونے والے سماع کو دفن کے قریب
والے اوقات پر محمول کریں اور یہ سماع سوال نکیرین کے لئے مقدمہ و تمہید ہو تاکہ
حدیث پاک اور آیات میں موافقت پیدا ہو جائے، کیونکہ دونوں آیات اموات میں
عدم سماع کے تحقق کا افادہ کرتی ہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کو مُردوں کے ساتھ
تشبیہ دی ہے تاکہ کفار کا آیاتِ الٰہیہ کو سننا اور سمجھنا جتنا دشوار ہے اس کا اندازہ ہو سکے
اور یہ اموات کے عدم سماع کی فرع ہے، مگر یہ کہ اس جواب کی بنا پر موت کے بعد
تلقین مناسب و موزوں ہے، کیونکہ تلقین رُوح کو لوٹائے جانے کے بعد ہوگی، تو
اس وقت آیا مُوتاکم کا لفظ (جو حدیث تلقین لقنوا موتاکم لا الٰہ الا اللّٰہ میں وارد
ہے) اپنے حقیقی معنی پر ہوگا؟ مشائخ کا ایک گروہ تو اسی کا قائل ہے یا مجازی معنی پر
پر محمول ہوگا اور صاحب قبر کو سابقہ حالت کے لحاظ سے میت کہا جائے گا۔ اس امر
کے پیش نظر اب تو صاحب قبر زندہ ہے، کیونکہ زندہ وہی ہے جس کے بدن میں رُوح
ہو اور اس کی طرف بھی سوال نکیرین کے لئے روح کو لوٹا دیا گیا ہے اور قوتِ سماع
بھی عطا کر دی گئی ہے۔ لہٰذا اس وقت میں وہ زندہ بھی ہے اور تلقین کو سنتا بھی ہے
اسے میت کہنا صرف سابقہ حالت کے لحاظ سے ہے۔

علامہ ابن الہمام کی اس تقریر سے پہلے جوابات کا ضعف اس حدیث شریف سے
واضح ہو گیا اور اس حدیث پاک کا جواب جس کو لفظ اَللّٰہُمّ سے شروع کیا، اس کا ضعف

بھی ظاہر و باہر ہے اور قطع نظر اس ضعف سے میت میں فی الجملہ روح کا اعادہ حیات
کا تحقق اور سماع کی اہلیت و قوت کا اعتراف لازم آگیا اور آیات کا مؤول ہونا ثابت ہو گیا۔
جب اوّل دفن اور وقت سوال نکیرین میں سماع کا تحقق ہو گیا اور آیات کا اس وقت
میں سماع کے لئے نافی ہونا ثابت نہ ہوا تو دیگر اوقات کے لحاظ سے بھی تاویل کی گنجائش
نکل آئی اور ہم نے مختلف وجوہ سے ان دونوں آیات کی تاویلات ذکر کی ہیں۔
لہٰذا ابن ہمام کو سماع کا منکر ثابت کرنا قطعاً غلط ہے، بلکہ وہ خود اس کے قائل
ہیں اور اسی بناء پر دفن کے بعد تلقین کا حکم کرتے ہیں اور حدیثِ نبوی لقنوا موتاکم
کو بھی بعد از دفن تلقین پر محمول کرتے ہیں۔ نیز جب علامہ کمال بن الہمام اس قول کے
باوجود حنفی رہ سکتے ہیں، تو اس مذہب کے اختیار کرنے سے ہمارے حنفی ہونے میں کیونکر
خلل پیدا ہو سکتا ہے یا منکرین اس مذہبِ حق کو اپنا لیں تو کون سی خرابی لازم آجائے
گی یا ان کی حنفیت میں کون سا خلل پیدا ہو جائے گا، بلکہ حق یہ ہے کہ ائمہ کی طرف سے
قطعاً انکارِ سماع نہیں پایا گیا۔ انہوں نے تو صرف فقہی مسئلہ بیان فرمایا کہ جس نے زندہ
آدمی کے ساتھ کلام نہ کرنے پر قسم کھائی تو وہ صرف اس کی زندگی میں کلام کرنے سے
حانث ہوگا اور قسم کا کفارہ اس پر لازم آئے گا۔ اگر موت کے بعد کلام کرے گا تو اس
وقت اس پر کفارہ لازم نہیں آئے گا اور اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اس سے زیادہ ائمہ
سے کچھ بھی منقول نہیں، باقی جو کچھ تاویل و توجیہ اور تعلیل و تخریج کی گئی ہے تو یہ دوسرے
لوگوں نے کی ہے۔ ائمہ کرام اس سے بَری ہیں، بلکہ اصل وجہ حانث نہ ہونیکی اصل وجہ یہ ہے کہ مدار
حلف و قسم کی عرف پر ہوتی ہے اور عرف عام میں صرف دنیوی زندگی میں ہی اظہار ناراضگی
و خفگی کے لئے کلام ترک کی جاتی ہے نہ کہ بعد از مرگ۔ اکابرین حنفیہ کی تصریحات ملاحظہ ہوں:

۱۔ علامہ کمال بن الہمام نے اپنی طرف سے توجیہ کرتے ہوئے فرمایا:

لانا نقول یمینہ لا تنعقد الا علی الحی لان المتعارف ھو الکلام معہ

ولان الغرض من الحلف علیٰ ترک الکلام اظہار المقاطعۃ وذالک لا یتحقق فی المیت۔ فتح جلد رابع ص۱۲۱ وکذا فی فتح الملہم جلد ثانی، ص

ترجمہ: موت کے بعد کلام کرنے سے حانث نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ قسم صرف زندہ پر منعقد ہوتی ہے، کیونکہ متعارف کلام اسی کے ساتھ ہے۔ نیز غرض کلام نہ کرنے کی قسم سے قطع تعلقی کا اظہار ہوتا ہے اور میت میں متحقق نہیں ہوتا، صرف زندہ افراد میں متحقق ہوتا ہے۔

۳- علی قاری فرماتے ہیں: ھذا مبنی علیٰ ان مبنی الایمان علی العرف فلا یلزم منہ نفی حقیقۃ السماع کما قالوا فیمن حلف لایا کل لحما فاکل السمک مع انہٗ تعالیٰ سماہ لحما طریا۔ مرقاۃ جلد ۸ ص۱۱

ترجمہ: اکثر مشائخ کے اس قول کی مدار اس امر پر ہے کہ قسمیں عرف پر مبنی ہوتی ہیں، لہٰذا اس سے میت میں سماع کی نفی ثابت نہیں ہوسکتی جیساکہ فقہا نے اس شخص کے متعلق جس نے کہا میں گوشت نہیں کھاؤں گا اور پھر مچھلی کھالی فتویٰ دیا ہے کہ وہ حانث نہیں ہوگا، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کے گوشت کو لحمًا طریًا فرمایا ہے، یعنی تازہ گوشت۔ لہٰذا جب نص قرآنی میں ثبوت کے باوجود عرف غالب ہے تو یہاں بطریق اولیٰ عرف غالب ہوگا۔

۴- فاضل لکھنوی مولانا عبدالحی صاحب فرماتے ہیں:

والحق فی ھذا المقام ان ھذا کلہ من تقریرات المشائخ وتوجیہاتھم وتکلفاتھم لا عبرۃ بھا حین مخالفتھا للاحادیث الصحیحۃ والاثار الصریحۃ واما ائمتنا فھم بریئون عن انکار ھذہ الامور وانما حکموا فی الحلف بالضرب والکلام وغیرھما بعدم الحنث عند وجود ھذہ الاشیاء بالمیت لکون الایمان مبنیۃ علی العرف والعرف قاض علیٰ ان ھذہ

الامور یراد بھا ارتباطھا بما دام الحیوٰۃ لا بعد الموت فالکلام بالمیت وان کان کلاما حقیقۃ ویوجد فیہ الاسماع والافہام لکن العرف یحکم بان المراد فی قولہ لا اکلمک ھو الکلام حالۃ حیاتہ وکذالک الایلام وان کان یتحقق فی المیت لکن العرف قاض علیٰ ان المراد فی قولہ لا اضربک ھو ضربہ حیا لا ضربہ میتا وبالجملۃ فالوجہ فی تقیید ھذہ الایمان ھو حکم العرف لا ماذکروہ۔

عمدۃ الرعایۃ علیٰ شرح الوقایۃ لمولانا عبد الحی جلد ثانی ص۲۵۴

ترجمہ: حق اس مقام میں یہ ہے کہ مسئلہ یمین میں یہ سب مشائخ کی اپنی طرف سے تقریریں، توجیہیں اور تکلفات ہیں جن کا احادیث صحیحہ اور آثار صریحہ کے مقابلہ میں کوئی اعتبار نہیں، لیکن ہمارے ائمہ ان امور سے بری ہیں اور انہوں نے صرف کسی کو مارنے یا کسی کے ساتھ کلام نہ کرنے پر قسم کھا لینے کے متعلق حکم بیان فرمایا ہے کہ اگر میت کے ساتھ کلام کرے یا میت کو مارے تو حانث نہیں ہوگا، کیونکہ قسموں کی مدار عرف پر ہوتی ہے اور عرف اس امر کا فیصلہ کرنے والا ہے کہ ان امور میں دنیوی زندگی کے ساتھ ربط و تعلق ملحوظ ہے نہ کہ موت کے بعد۔ لہٰذا میت کے ساتھ کلام اگرچہ حقیقی کلام ہے اور اس میں سنانا سمجھانا بھی پایا گیا ہے، لیکن عرف اس کا حکم کرتا ہے کہ لا اکلمک (یعنی میں تیرے ساتھ کلام نہیں کروں گا) میں کلام سے حیاتِ دنیویہ میں کلام کرنا مراد ہے اور اسی طرح کسی کے مارنے پر قسم اٹھائی اور اسے موت کے بعد مارا تو یہاں ایذاء اور درد اگرچہ متحقق ہے، لیکن عرف اس امر کا مقتضی ہے کہ لا اضربک سے دنیوی زندگی میں مارنا مراد لیا جاتے نہ کہ حالتِ موت میں مارنا۔ خلاصہ یہ کہ ان قسموں کو حالتِ حیات کے ساتھ مقید کرنے کی وجہ حکم عرف اور اس کا تقاضا ہے نہ وہ جو مشائخ نے ذکر کیا ہے۔

(۵) علامہ انور شاہ صاحب فیض الباری جلد ثانی ص۴۶۶ پر علامہ علی قاری سے نقل کرتے ہیں:

فی رسالۃ غیر مطبوعۃ لعلی القاری ان احدا من ائمتنا لم یذھب الی انکارہ وانما استنبطوہ من مسئلۃ فی باب الایمان (الی) ولا دلیل فیھا علی ما قالوا فان مبنی الایمان علی العرف وھم لا یسمونہ کلاما۔

ہمارے ائمہ میں سے کسی نے انکارِ سماع نہیں کیا۔ لوگوں نے باب یمین میں منقول ایک مسئلہ سے انکار کا استنباط کیا ہے، حالانکہ اس مسئلہ میں انکارِ سماع پر کوئی وجہ دلالت نہیں ہے کیونکہ یمین قسم کی مدار عرف پر ہوتی ہے اور اہلِ عرف خطابِ اموات کو کلام نہیں کہتے لہٰذا ثابت ہوا کہ مسئلہ یمین سے استدلال باطل ہے خود امام ابن الہمام نے اس کو رد فرمایا اور قسم نہ ٹوٹنے کی اصل وجہ بیان فرمائی اور دیگر اکابر بھی اسی پر نص فرما چکے ہیں۔ نیز مشائخ میں سے بعض کا قول اگر یہاں تسلیم کریں، تو مسئلہ تلقین میں احناف کے مسلک اور زیارت القبور میں علم و ادراک اور سماع و فہم کی تصریحات کا خلاف لازم آئے گا اور احادیثِ صحیحہ کا خلاف بھی؛ لہٰذا یہ توجیہات و تاویلات اور تعلیلات و تکلفات لغو و باطل ہیں۔

مولانا عبدالحی لکھنوی نے فرمایا: ان ما ذکروہ من ان الایلام لا یتحقق فی المیت مخالف للاحادیث الدالۃ علی ان المیت یتاذی بما یتاذی بہ الحی وان قولھم فی بحث الکلام یخالف الاحادیث الصحیحۃ الدالۃ علی ان المیت یسمع سلام من یسلم علیہ ویجیب السلام ویفھم الکلام وھی مرویۃ فی الصحیحین وغیرھما۔

ترجمہ: اکثر مشائخ کا یہ کہنا کہ میت میں ضرب سے درد نہیں ہوتا اور وہ کلام کو نہیں سنتا، احادیثِ صحیحہ کی رو سے باطل ہے جن میں میت کا زندہ افراد کی مانند

تکلیف محسوس کرنا سلام کا سننا جواب دینا اور کلام کو سمجھنا ثابت ہے اور یہ روایات صحیح بخاری و صحیح مسلم اور دیگر کتبِ حدیث میں منقول ہیں۔

توجیہات و تاویلات مشائخ کا جواب

اگرچہ سابقہ تحقیق کے بعد منکرین کے لئے فتح القدیر کی عبارت میں کوئی وجہ استدلال و استناد کی باقی نہیں رہی، لیکن ہم تکمیل مبحث کے لئے مشائخ کی توجیہات و تاویلات کا رد اکابرینِ امت کی زبانی پیش کرتے ہیں تاکہ یہ تاویلات کسی کے لئے مغالطہ کا موجب نہ بن جائیں۔

توجیہ اول: حدیث قلیب میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ما انتم باسمع لما اقول منھم روایت کرنا سماع اموات کی دلیل نہیں بن سکتا کیونکہ یہ روایت باعتبار معنی کے ثابت نہیں، کیونکہ حضرت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس کو رد فرما دیا ہے اور قرآن سے استدلال کرتے ہوئے اس کا بطلان واضح فرما دیا ہے:

قال ابن الھمام واجیب بانہ غیر ثابت یعنی من جھۃ المعنیٰ والا فھو فی الصحیح وذالک لان عائشۃ رضی اللہ عنھا ردتہ بقولہ تعالیٰ انک لا تسمع الموتیٰ الخ۔

جواب: حدیث پاک صحیح متفق علیہ کو رد کرنا ممکن نہیں، جبکہ اس میں اور قرآن کریم میں منافات بھی نہیں۔ لہٰذا حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یا اس قول سے رجوع فرما لیا ہے یا ان کے اقوال باہم متعارض ہیں، اس لئے ان میں کسی کے رجحان کا قول باطل ہے

یا انہوں نے سماع متعارف ومعتاد کی نفی فرمائی ہے نہ کہ علم مسموعات ومبصرات کی اور آپ کے قول کا مکمل جواب ذکر ہو چکا۔ مولانا عبدالحی کی کلام اس مقام پر ملاحظہ ہو:

اما رد عائشہ رضی اللہ عنہا بعض تلک الاحادیث فلم یعتد بہ جمہور الصحابۃ ومن بعدہم واما قولہ تعالیٰ انک لا تسمع الموتیٰ فنفیہ نفی الاسماع لا السماع علیٰ ان الصحیح ان المراد بالموتیٰ ہنا موتی القلوب وہم الکفار لا الاموات العرفیۃ۔ عمدۃ الرعایہ علیٰ شرح الوقایہ جلد ثانی ص ۲۵۴

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے احادیث سماع میں سے بعض کو رد فرمانے کا جمہور صحابہ اور ان کے بعد آنے والے حضرات نے اعتبار نہیں کیا لیکن ان کا استدلال انک لا تسمع الموتیٰ سے تو یہ بھی مدعیٰ کو ثابت نہیں کرتا کیونکہ یہاں اسماع کی نفی ہے سماع کی نہیں۔ علاوہ ازیں صحیح یہ ہے کہ یہاں موتیٰ سے مراد مردہ دل کفار ہیں نہ کہ متعارف مردے جن کا رُوح قفس عنصری سے پرواز کر چکا ہو نیز خود علامہ ابن الہمام نے اس توجیہ کو رد فرما دیا کہ اس تاویل سے اس حدیث کا جواب نہیں آیا جس میں آپ نے فرمایا کہ میت جوتوں کی رگڑ کو بھی سنتا ہے۔

توجیہ دوم: دوسری توجیہ ان علماء نے حدیث قلیب میں یہ کی ہے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے اور آپ کے شانِ اعجازی کا اظہار۔ آپ کی کلام سنانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کر دیا تاکہ ان کی حسرت وندامت میں اضافہ ہو، جیسا کہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ قلیب کو زندہ فرمایا تاکہ انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سنائے اور انہیں زیادہ حسرت اور توبیخ وندامت حاصل ہو۔ قال قتادۃ احیاہم اللہ حتیٰ اسمعہم قولہ توبیخا وتصغیراً۔ بخاری شریف۔

جواب (۱) ملا علی القاری قدس سرہٗ نے اس توجیہ کو نقل کر کے فرمایا:

ویردہ ان الاختصاص لا یصح الا بدلیل وہو مفقود ہہنا بل السوال والجواب ینافیانہ۔

اس توجیہ کا رد یہ ہے کہ بلا دلیل خصوصیت کا دعویٰ درست نہیں اور دلیل یہاں موجود نہیں، بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، کا سوال اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب خصوصیت کی نفی کرتے ہیں (کیونکہ اگر ان کی خصوصیت ہوتی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ نہ کہتے کہ ان اجسام میں تو ارواح نہیں ہیں، لہٰذا ان کو آپ خطاب کیسے فرما رہے ہو۔ یہ سوال اس امر کی دلیل ہے کہ ان میں عام اموات سے مختلف کوئی امر ظاہر نہیں ہوا تھا۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ان سے زیادہ نہیں سُن رہے۔ آپ نے کوئی ایسا لفظ ذکر نہیں فرمایا جس سے صرف ان کا زندہ کیا جانا اور دوسروں کا زندہ نہ کیا جانا اور صرف انہیں کا سننا دوسروں کا نہ سننا ثابت ہو لہٰذا سوال و جواب اس توجیہ کے منافی ومخالف ہیں۔

۲۔ شیخ عبدالحق قدس سرہٗ العزیز نے اس تاویل کا رد کرتے ہوئے فرمایا:

پوشیدہ نماند کہ حمل بریں مجرد احتمال است وتاویل۔ حمل نتواں کرد بریں تا قائم شود دلیل بر استحالت سماع وپروردگار قادر است برآں وسببیت حواس مر ادراک را عادی است وبمجرد خلق باری تعالیٰ وبے آں نیز خلق میتواں کرد چنانکہ در کتب مذہب مقرر است۔ مدارج النبوۃ ص ۱۳۲

ترجمہ: اس حدیثِ پاک کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت قرار دینا اور شانِ اعجازی پر حمل کرنا محض احتمال وتاویل ہے اور اس حدیث پاک کو اس تاویل پر حمل کرنا ممکن نہیں تاوقتیکہ استحالۂ سماع پر کوئی دلیل قائم نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ ان اموات کو سنانے پر قادر ہے اور حواس کا سبب ادراک ہونا امرِ عادی ہے اور سبب ظاہری درحقیقت مدارِ ادراک خلق باری تعالیٰ پر ہے اور وہ حواس کے بغیر بھی ادراک پیدا فرمانے پر قادر

ہے جیساکہ اہل السنت کی کتابوں میں اس عقیدہ کو ثابت کیا گیا ہے۔

۳۔ علامہ محمود آلوسی صاحب روح المعانی نے فرمایا:

یرد علی ھذا ان عمر رضی اللہ عنہ قال لہ ما تکلم من اجساد لا ارواح فیھا ولم ینکر علیہ ذالک صلی اللہ علیہ وسلم بل قال لہ ما انتم باسمع لما اقول منھم ولو کان الامر کما قال قتادہ لکان الظاھر ان یقول لہ لیس الامر کما تقول ان اللہ احیاء ھم لی او نحو ذالک۔ جلد ۲۱ صفحہ ۵۰

ترجمہ: اس توجیہ پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ آپ ایسے لوگوں کے ساتھ کیسے خطاب فرما رہے ہو جو اجسام بلا ارواح ہیں، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات پر انکار نہ فرمایا بلکہ فرمایا کہ تم ان کی نسبت میری بات کو زیادہ سننے والے نہیں اور اگر حقیقت اس طرح ہوتی ہے جیسے کہ قتادہ نے کہا ہے تو آپ فرماتے اے عمر یہ اجسام بلا ارواح نہیں، تمہارا خیال غلط ہے بے شک اللہ تعالیٰ نے ان کو میری کلام سننے کے لئے زندہ کر دیا ہے یا اور ایسا ہی کوئی کلمہ آپ فرماتے (حالانکہ آپ نے ایسا کوئی کلمہ نہیں فرمایا جو ان کی خصوصیت پر دلالت کرتا)

لہٰذا ان میں کسی معجزہ کا ظہور یا عام اہل قبور سے مختلف حیواۃ کا دعویٰ قطعاً غلط ہے۔

اقول اولاً: بلکہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا قول عالم برزخ و قبر میں حاصل ہونے والی حیات پر محمول ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے استبعاد کا جواب جس امر پر مبنی ہے۔ حضرت قتادہ نے اس کی وضاحت کی ہے، یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دنیوی زندگی کے انعدام کی وجہ سے ان کو خطاب و نداء کا اہل نہ سمجھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ لوگ تمہاری طرح سن رہے ہیں تو آپ کا گویا اصل مقصد یہ تھا کہ ان میں دنیوی حیات اگرچہ نہیں، مگر برزخی زندگی انہیں حاصل ہے۔ لہٰذا یہ

اسی طرح سن رہے ہیں جس طرح کہ تم سُن رہے ہو۔ مختصر یہ کہ حضرت قتادہ کا قول تا دیل حدیث نہیں بلکہ تعلیلِ سماع ہے اور انہوں نے صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ان کے زندہ کئے جانے کا دعویٰ نہیں کیا۔ لہٰذا ان کی کلام کو قرآن وسنت سے ثابت برزخی زندگی کے علاوہ کسی معنیٰ پر حمل کرنا قطعاً درست نہیں اور جب وہاں سماع کی مدار حیات برزخ پر ہے تو یہ علت ہر میت میں موجود ہے، لہٰذا سماع بھی سب کو حاصل ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے فرمایا: وتمسک کردہ اند جماعۃ کہ اثبات سماع میکنند بقول قتادہؓ کہ در آخر حدیث مذکور شد کہ حاصل او آنست کہ موتیٰ را در قبور حالتے وقسمی از حیات بخشند کہ حاصل میشود باں سماع و دریں قول قتادہؓ تخصیص با آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نیست کہ بطریق معجزہ واقع شدہ است و نہ تخصیص بایں اموات بلکہ خدائے تعالیٰ قادر است کہ آں حالت در ہمہ اموات پیدا کند از ہر شخص کہ باشد در ہر زمان کہ بود فتدبر و باللہ التوفیق۔ اشعۃ اللمعات جلد سوم صفحہ ۴۲۲

ترجمہ: وہ جماعت جو سماع کو ثابت کرتے ہیں، انہوں نے حضرت قتادہؓ کے قول سے استدلال کیا ہے جو کہ حدیث پاک کے آخر میں موجود ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اموات کو قبروں کے اندر ایک طرح کی زندگی بخشی جاتی ہے جس کی وجہ سے انہیں سننے کی قوت حاصل ہو جاتی ہے اور قتادہؓ کے اس قول میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اموات کو بطریقِ معجزہ اپنی کلام سنا لینے کی تخصیص قطعاً نہیں ہے اور نہ ہی صرف ان اموات کے سننے کی کوئی تخصیص ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ وہ حالت سب اموات میں پیدا فرما دے خواہ انہیں نداء و خطاب کرنے والا شخص جو بھی ہو اور جس زمانہ میں بھی پایا جائے۔ اقول وھذا معنی قولہ تعالیٰ ان اللہ یسمع من یشاء۔

لہٰذا حضرت قتادہ کا قول عموم سماع کی دلیل ہے اور اہل قلیب کے ماسوا میں تحقق سماع پر برہان۔ اس کا وہ معنی ہرگز نہیں نہ ان کا کوئی لفظ اس تاویل پر دلالت کرتا ہے جو کہ مانعین اور منکرینِ سماع نے اختیار کیا ہے۔

ثانیاً: قبر میں سوال وجواب کے وقت رُوح کا لوٹایا جانا ہر میّت مومن وکافر اور منافق کے لئے ثابت ہے جیسا کہ اس پر ابتدائے بحث میں دلائل قائم کردیئے گئے ہیں لہٰذا ہر میّت میں حیات ثابت ہوگئی۔ نیز میّت سے سوال وجواب کی مدت سات دن بیان فرمائی گئی ہے اور اہلِ قلیب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسرے دن خطاب فرمایا۔ لہٰذا حیات وسماع کو ان کے ساتھ مخصوص کرنا غلط ہوگیا۔

اخرج الامام احمد فی الزھد وابونعیم فی الحلیۃ عن طاؤس قال ان الموتیٰ یفتنون فی قبورھم سبعافکانو یستحبون ان یطعم عنھم تلک الایام۔ شرح الصدور ص۵۷

ترجمہ: امام احمد نے کتاب زہد اور ابونعیم نے حلیہ میں طاؤس سے نقل کیا ہے کہ اموات اپنی قبروں میں سات دن تک فتنہ وآزمائش میں مبتلا رکھے جاتے ہیں۔ لہٰذا صحابہ کرام اس کو مستحب سمجھتے تھے کہ ان کی طرف سے اتنے دن بطورِ صدقہ فقراء کو کھانا کھلایا جائے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تیسرے دن اہل قلیب کو ندا کرنا بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی سے ثابت ہے۔ علامہ آلوسی نے فرمایا:

واذا قلنا ان المیت یسئل سبعۃ ایام فی قبرہ مومنا کان اومنافقا اوکافرا وانہ حین السوال ترد الیہ روحہ کان لک ان تقول یجوز ان یکون خطاب اھل القلیب حین اعادۃ اروا حھم الی ابدانھم للسوال فانہ کما فی حدیث اخرجہ احمد والبخاری والمسلم والترمذی والنسائی

وابوداؤد کان فی الیوم الثالث من قتلھم۔ روح المعانی جلد ۲۱ ص۵۰

ترجمہ: اور جب ہم یہ قول کریں کہ میّت مومن ہو یا منافق وکافر اس سے اپنی قبر میں سات دن تک باز پرس کی جاتی ہے اور یہ کہ بوقتِ سوال میّت کی طرف اس کے روح کو لوٹایا جاتا ہے، تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ اہلِ قلیب کو بھی نداء اسی وقت کی گئی تھی جبکہ سوال کے لئے ان کے ارواح اجسام کی طرف لوٹائے گئے تھے جیسا کہ اس حدیث سے ثابت ہے جس کو امام احمد، بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی اور ابوداؤد نے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب قتل کے بعد تیسرے دن میں پایا گیا۔

ثالثاً: ابن الہمام قدس سرہٗ نے اس توجیہ کو بھی لکن بقی انہ روی عنہ ان المیت یسمع خفق نعالھم اذا انصرفو سے رد کردیا ہے۔ نیز سماعِ اموات صرف حدیث قلیب سے تو ثابت نہیں، بلکہ بیسیوں روایات اس پر دلالت کرتی ہیں تو صرف ایک حدیث میں تاویلات وتکلفات کا کوئی فائدہ نہیں ہوسکتا۔ نیز نصوص قرآن و حدیث کو حتی الامکان ظاہر پر حمل کرنا واجب ہے تا وقتیکہ دلیل مانع اور قرینہ صارف موجود نہ ہو تاویل درست نہیں ہوتی اور ان احادیث میں ظاہر پر حمل کرنے سے کوئی قرینہ مانع نہیں اور اسی طرح آیاتِ سماع میں لیکن نفی سماع کے آیات میں ظاہر پر حمل کرنے سے قرائن مانعہ موجود ہیں، جیسا کہ پہلے ذکر کئے جاچکے ہیں۔ لہٰذا تاویلات و توجیہات ناقابلِ اعتبار ہیں۔ علاوہ ازیں عجیب ترین بات یہ ہے کہ جو مانعین تقلید کے اس قدر دلدادہ ہیں کہ اس کے مقابل احادیثِ صحیحہ صریحہ کو بھی نظر انداز کردیتے ہیں انہوں نے یہاں اہلِ قلیب کو زندہ کئے جانے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کلام سنائے جانے میں قتادہ کی تقلید کو کیسے جائز رکھا جن کو حضرت عمر، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابوطلحہ، حضرت عبداللہ بن سیدان اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کے ارشادات اور روایات کا اعتبار نہیں آیا ان کو حضرت قتادہ تابعی کی بات قابلِ وثوق

واعتماد کیسے معلوم ہوئی جبکہ وہ ان کی تائید وتصدیق بھی نہیں کرتی، بلکہ مذہبِ جمہور کے موافق ہے اور ان کے مخالف جیساکہ شیخ محقق اور علامہ آلوسی کی کلام سے ظاہر ہے۔

رابعاً: یہ قول کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطاب کے وقت ان کا زندہ ہونا اور کلام کو سننا آپ کا معجزہ تھا اور دوسرے مقامات پر یہ معجزہ نہیں پایا جاتا؛ لہذا زندگی اور سماع بھی نہیں پایا جائے گا۔ بہت ہی ناقابلِ اعتبار والتفات توجیہ ہے، کیونکہ اگر یہ فعل معجزہ ہے تو مقتولین کفار کے لئے یا مومنین کے لئے کفار کے لئے معجزہ ظاہر کرنے کا فائدہ کیا وہ تو اثباتِ نبوت کے لئے ہوتا ہے جبکہ کفار کی طرف سے مقابلہ کی دعوت پائی جائے اور دلیلِ صدق کا مطالبہ پایا جائے، مگر یہاں یہ امر مفقود ہے۔ نیز وہ عذابِ خداوندی کو دیکھ رہے ہیں اور انکارِ نبوّت ورسالت کا مزہ چکھ رہے ہیں اور اس عذاب کو تیسرا دن پورا ہونے کو ہے، تو اب بطورِ معجزہ ان کو اپنی نبوّت ورسالت کی حقانیت جتلانے کا کیا فائدہ۔ اور فرشتوں کی سرزنش اور گرزوں کے ساتھ ایسی شدید پٹائی کے ہوتے ہوتے محض کلام سنوا دینے سے کونسی نئی حسرت وارمان اور ندامت کا احساس ہوگا۔ وہ کسی کے پکارے بغیر ہی کہہ رہے ہوں گے یا لیتنا اطعنا اللہ واطعنا الرسول۔ جبکہ منکرین ومانعین کے زعم وگمان کے مطابق آپ کی ندا وخطاب نے لوگوں کو الحاد اور بے دینی میں مبتلا کر دیا۔ نعوذ باللہ اور جمہور صحابہ تابعین تبع تابعین اسی غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ سب اموات سنتے ہیں۔ العیاذ باللہ۔ ایسے معجزہ کا اظہار جس پر منفعت مترتب نہ ہو اور نقصانِ عظیم کا موجب بن جائے کس حکمت پر مبنی ہو سکتا ہے۔ اور اگر یہ معجزہ صحابہ کرام کے لئے ہے تو عجیب مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ جن کی خاطر معجزہ کا ظہور ہوا، وہ اس ندا وخطاب کو بعید سمجھتے ہوئے اپنے تعجب کا اظہار کرتے ہیں اور استفسار کرتے ہیں کہ اموات کے ساتھ یہ سلوک کیوں۔ اعجاز میں تو ہر ایک پر اس امر کا روزِ روشن سے بھی زیادہ عیاں ہونا ضروری ہے۔ فافہم وتدبر حق التدبر۔

نیز جو امر نبی ورسول میں بطورِ معجزہ ممکن ہے، وہ اولیاء کرام میں بطورِ کرامت ممکن ہے، لہذا اولیاء کرام کے حق میں بھی اموات کو اپنی کلام سنانا ممکن ہوگا۔ پھر خرق عادت صرف نبی وولی میں ہی منحصر نہیں۔ صلحاء اور عوام مومنین بلکہ کفار ومشرکین میں بھی اس کا تحقق ممکن ہے؛ لہٰذا ان کی طرف سے بھی اسماع اہلِ قبور ممکن ہوگا۔ اسی طرح اہلِ قبور کے ارواح میں بھی خرق عادت کے طور پر سماع ممکن ہے اور امورِ آخرت اور عالمِ برزخ تمام کے تمام خوارق عادات کے قبیلہ سے ہیں جیساکہ ملا قاری نے تصریح فرمائی تو وہم تخصیص کا شائبہ تک نہ رہا۔

توجیہ سوم: حدیث قلیب وعظ ونصیحت پر محمول ہے، یعنی زندہ افراد کے لئے اس میں موعظت ہے اور اہلِ قلیب کو کلام سنانا ہرگز مقصود نہیں تھا جیساکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے اہل مقبرہ کو سلام دیا اور فرمایا تمہاری عورتوں نے نکاح کر لئے۔ تمہارے مال ومتاع کو تقسیم کر دیا گیا اور تمہارے گھروں میں تمہارے مخالفین نے سکونت اختیار کر لی۔ یہ ہے وہ خبر تمہاری جو ہمارے پاس تھی۔ اب بتلایئے تمہارے پاس ہمارے متعلق کون سی خبر ہے۔ لہذا یہ کلام بطورِ ضرب الامثال وغیرہ کے ہے اور اس سے ان زندہ افراد کو نصیحت کرنا مقصود تھا جو کہ آپ کی کلام سُن رہے تھے تاکہ وہ دُنیوی ساز وسامان سے اپنا تعلق کم کر دیں اور اپنی عاقبت وانجام کو یاد رکھیں۔

جواب: شیخ عبدالحق قدس سرہٗ العزیز نے فرمایا:

ایں از جواب اوّل ضعیف تر وبعید تر ہست۔

ترجمہ: یہ جواب پہلے کی نسبت زیادہ ضعیف اور بعید ہے۔

اقول: وجہ ضعف ظاہر وباہر ہے۔ اگر اموات کو سنانا مقصود نہ ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوال کا وہ جواب نہ ہوتا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا یعنی

ما انتم باسمع لما اقول منهم۔ بلکہ یہ فرماتے کہ یہ خطاب دراصل تمہارے لئے تھا۔ محض روئے سخن ان کی طرف تھا۔ اصل مقصود تمہیں وعظ و نصیحت کرنا ہے اور ان کا ذکر درمیان میں یوں ہی ہے جیسے دوران وعظ مثالیں اور نظیریں بیان کر دی جاتی ہیں، جن سے مقصود توضیح مطلوب ہوتی ہے نہ کہ ان کا فی الواقع متحقق ہونا اسی لئے علامہ قاری نے فرمایا یدفعہ جوابہ صلی اللہ علیہ وسلم اس توجیہ کو آپ کے جواب نے باطل کر دیا ہے۔

نیز یہ ایسی توجیہ و تاویل ہے جو صحابہ کرام تابعین تبع تابعین میں سے کسی کو نہ سوجھی، حتیٰ کہ جمہور نے بلکہ جمیع نے حتیٰ کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بھی اس کو حقیقۃً سماع اموات پر حمل کیا (اور پھر اسی وجہ سے اس کا انکار کیا) حالانکہ آپ کی اس ندا اور کلام سے قبل وہ اموات میں اہلیت سماع و فہم تسلیم نہیں کرتے تھے، اس لئے بطور تعجب استفسار کیا اور وجہ تعجب اور استبعاد بھی ذکر فرما دی کہ ان میں روح تو ہیں نہیں۔ ان کو خطاب کرنے میں کیا حکمت ہے، تو منکرین و مالغین کے مذہب کے مطابق گویا صحابہ کرام راہِ راست اور اعتقاد واقعی پر تھے، مگر نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موعظت و نصیحت سے وہ صحیح اعتقاد اور سیدھی راہ سے بھٹک گئے۔ العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اس امر کو جائز رکھنا لغو و باطل اور محال و ممتنع ہے۔

لہٰذا یہ توجیہ صرف بعید ہی نہیں مستلزم محال ہے اور مستتبع ایسے امر کی ہے جس کا بطلان و خذلان ہر عقلمند سلیم القلب صحیح الحواس پر واضح و منکشف ہے۔

باقی رہا حضرت علیؓ کے قول سے استناد و استدلال کا جواب تو وہ بھی اسی روایت کے آخر میں موجود ہے۔

فاجابہ میت تخرقت الاکفان وانتثرت الشعور وتقطعت الجلود

وسالت الاحداق علی الخدود وسالت المناخر بالقیح والصدید وما قدمناہ وجدناہ وما خلفناہ خسرناہ ونحن مرتھنون بالاعمال - شرح الصدور ص۸۷ - اخرجہا حاکم فی تاریخ نیسابور والبیہقی وابن العساکر فی تاریخ دمشق۔

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایک میت نے جواب دیا کہ ہمارے کفن پھٹ چکے ہیں۔ بدن کی کھال ٹکڑے ٹکڑے ہو چکی ہے، آنکھوں کے ڈھیلے رخساروں پر بہہ گئے ہیں، ناک کے نتھنے خون اور پیپ سے پُر ہو کر جاری ہیں۔ جو کچھ آگے بھیجا تھا اس کو پالیا ہے اور جو پیچھے چھوڑا ہے اس میں خسارہ پایا ہے اور ہم اپنے اعمال کے بدلے گروی رکھے ہوئے ہیں۔

لہٰذا یہ تاویل بھی لغو و باطل ہے اور اس کے بطلان کی علامہ سعد اللہ بن عیسیٰ المفتی شہیر سعدی چلپی نے شرح عنایہ اور ہدایہ کے حاشیہ میں بھی یہی وجہ بیان کی ہے۔ نیز علامہ کمال ابن الہمام نے بھی انہٗ یسمع خفق نعالہم کی مخالفت کی وجہ سے اس کے ضعف پر تنبیہ فرما دی۔

توجیہ چہارم: یہ توجیہ دوسری حدیث پاک انہٗ یسمع خفق نعالہم اذا انصرفوا عنہ، سے متعلق ہے اور وہ یہ ہے کہ انہ مخصوص باول الوضع فی القبر مقدمۃ للسوال اس حدیث پاک سے میت کا جوتوں کی آواز کو سننا جو متبادر طور پر سمجھ آرہا ہے تو یہ ہمیشہ کے لئے نہیں بلکہ محض دفن کے ابتدائی مراحل میں سوال نکیرین کے لئے بطورِ تمہید میت کو اتنا ادراک عطا کر دیا جاتا ہے نہ کہ ہمیشہ کے لئے اس میں کیفیت ہوتی ہے اور یہ تاویل آیات و حدیث میں موافقت پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے۔

جواب: شاہ عبدالحق قدس سرہٗ نے فرمایا: ایں تخصیص خلاف ظاہر است و دلیلے نیست برآں و ظاہر حدیث آنست کہ ایں حالت حاصل است میت را در قبر و زندہ گردانیدن میت در وقت سوال است و پیش ازاں زندہ گردانیدن برائے

مقدمہ سوال چہ معنی دارد۔ مدارج النبوۃ جلد دوم صـ۱۳۲۔ اشعۃ اللمعات جلد سوم صـ۴۲۱

ترجمہ: یہ تخصیص بھی خلاف ظاہر ہے اور اس پر کوئی دلیل نہیں۔ ظاہر حدیث یہ ہے کہ میت کو ہمیشہ کے لئے قبر میں یہ حالت حاصل ہے۔ نیز میت کو زندہ کرنا وقت سوال میں تو واضح ہے، مگر اس سے پہلے سوال کے لئے بطورِ مقدمہ زندہ کرنے کا کوئی مطلب نہیں ہو سکتا، جیسا کہ تاویل کرنے والوں نے گمان کیا۔

صاحبِ مرقاۃ شارح مشکوٰۃ علی قاری نے فرمایا: وھو کما تری فیہ نوع نقص لا یحصل بہ جمع مع ان ماورد من السلام علی الموتیٰ یرد علی التخصیص باول احوال الدفن۔ مرقات۔ جلد ھشتم صـ۱۱

یہ توجیہ باطل ہے اس میں نقص ہے اور آیات واحادیث میں تطبیق وتوفیق اس سے حاصل نہیں ہوتی، باوجودیکہ اہل قبور پر سلام کا ہر وقت مشروع ومسنون ہونا اول وضع اور دفن کے ابتدائی احوال کے ساتھ سماع کو مخصوص کرنے کے منافی ہے (یعنی جب سلام ہمیشہ کے لئے مشروع ومسنون ہے تو ان میں سماع بھی ہمیشہ کے لئے ہے)۔

اقول: اس توجیہ میں وجہ نقص اغلباً یہ ہے کہ آیات میں بظاہر مطلق سماع کی نفی ہے اور تم نے اس حدیث پاک سے ان کو سوال نکیرین کے بعد والے زمانہ کے ساتھ مخصوص کر دیا، حالانکہ قرآن کریم کے اطلاق وعموم سے ہی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہما کی روایت کو حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے رد فرمایا اور مانعین نے بھی یہی کہا کہ روایت خلافِ قرآن ہے لہٰذا مردود و باطل ہے اور جب ابتدائے دفن میں سماع بتوفیق الٰہی آیات کے منافی نہیں تو بعد میں بھی منافی نہیں ان اللہ یسمع من یشاء متیٰ یشاء انہ علی ما یشاء اذا یشاء قدیر۔

نیز موافقت ومطابقت کی یہ صورت بھی تو ہو سکتی ہے کہ جب روح بدن سے منفصل ہوا اس وقت سے لے کر اس کے بدن کی طرف واپس لوٹائے جانے

تک سماع کی اہلیت واستعداد بدن میں نہیں تھی، جب اس کو لوٹا دیا گیا تو اہلیت واستعداد سماع وفہم کی متحقق ہو گئی۔ لہٰذا آیات میں نفی عود روح سے پہلے وقت پر محمول ہے اور سماع بعد والے زمانہ پر اور حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں انھم الآن یعلمون بھی اس کی تائید کرتا ہے کہ پہلے اگرچہ وہ میرے اقوال کو حق نہیں جانتے تھے، مگر اب انہیں یقین آگیا ہے۔ الغرض جب آیات میں تاویل مان لی گئی تو متفق علیہ اور صحیحین کی روایات کو ان سے باطل کرنا ممکن نہ رہے گا۔ نیز مفسرین ومحدثین نے ایسی تاویلات ذکر فرمائی ہیں جن میں سے کوئی بھی احادیث وآیاتِ سماع کے منافی نہیں۔ لہٰذا وہی تاویلات درست ہوں گی، نہ وہ جو صریح وصحیح احادیث کے خلاف ہوں۔ بہر حال احادیث کا ظاہر پر حمل واجب ہے اور یہ تاویلات باطل ہیں۔

ھذا ما عندی فی حل ھذا المقام وتحقیق المرام بحیث تزیل الاوھام والعلم عند اللہ العلام وھذا فی الحقیقۃ تفصیل لما اجملہ مرکز دائرۃ التحقیق۔ شمس فلک التدقیق عطاء جزیل من عطایا النبی الکریم محمد اللہ والخلق اجمعین افاض اللہ علینا من برکاتہ وفیوضاتہ فی فتواہ الغیر المطبوعۃ۔

آخر میں پھر شیخ محقق اور شاہ عبدالعزیز صاحب کی کلام سے یہ امر واضح کئے دیتا ہوں کہ سماع اموات تمام اہل السنت کا عقیدہ ہے اور اس کا منکر منکرِ دین اور ملحد و بیدین ہے۔ لہٰذا اس کو حنفی وغیر حنفی کے درمیان متنازعہ فیہ قرار دینا غلط ہے، بلکہ یہ اہل السنت اور فرق مبتدعہ کے درمیان متنازع فیہ ہے۔

(۱) شیخ محقق نے جذب القلوب میں فرمایا: بدانکہ تمام اہل السنت والجماعت اعتقاد دارند بہ ثبوت ادراکات مثل علم وسمع مر سائر اموات را از احاد بشر خصوصاً انبیاء را علیہم السلام۔ جذب القلوب صـ۲۰۲

(۲) پس منکر نشود آں را مگر جاہل باخبار و منکر دین۔ اشعۃ اللمعات جلد سوم ص۱۰۸

(۳) شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فتاوئ عزیزیہ میں اس سوال کا جواب دیتے ہوئے سماع کی تحقیق رقم فرماتے ہیں کیا انسان کے لئے موت کے بعد ادراک و شعور باقی رہتا ہے یا نہیں اور وہ اپنے زائرین کو پہچانتا ہے اور ان کے سلام و کلام کو سنتا ہے یا نہیں؟

جواب: انسان را بعد موت ادراک باقی میماند بر ایں معنی شرع شریف و قواعد فلسفی اجماع دارند۔ اما در شرع شریف پس عذاب قبر و تنعیم القبر بتواتر ثابت است و تفصیل آں دفتر طویل میخواہد در کتاب شرح الصدور فی احوال الموتیٰ والقبور کہ تصنیف شیخ جلال الدین سیوطی است و دیگر کتب حدیث باید دید و در کتب کلامیہ اثبات عذاب قبر میمایند حتیٰ کہ بعض اہل کلام منکر آں را کافر میدانند و عذاب و تنعیم بغیر ادراک و شعور نمیتواند شد۔

ترجمہ: انسان کے لئے بعد از موت ادراک و شعور باقی رہتا ہے اور اس امر پر شرع شریف اور قواعد فلسفیہ کا اجماع و اتفاق ہے، لیکن شرع شریف میں عذاب قبر اور اس کا ثواب تواتر کے ساتھ ثابت ہے جس کی تفصیل ایک دفتر طویل کی طلبگار ہے۔ شیخ جلال الدین سیوطی کی تصنیف شرح الصدور فی احوال الموتیٰ والقبور اور دیگر کتب حدیث میں اس کی تفصیل کا مطالعہ کیجئے (شفاء صدور میں شاہ عبدالعزیز کے حوالہ سے امام سیوطی کو غیر معتبر اور ضعیف ثابت کرنے کی ناپاک کوشش کی گئی ہے۔ شاہ صاحب کی اس عبارت سے سیوطی کا مقام واضح ہو جاتا ہے اور شاہ صاحب نے بستان المحدثین میں ان کو معلومات کے لحاظ سے ابن حجر عسقلانی سے بھی بلند مرتبہ پر فائز قرار دیا ہے) اور کتب کلامیہ میں علماء کلام عذاب قبر کو ثابت کرتے ہیں، حتیٰ کہ بعض نے اس کے منکر کو کافر قرار دیا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ قبر کا عذاب و ثواب بغیر ادراک و شعور کے نہیں ہو سکتا۔

اس کے بعد احادیث سلام اور اہل قبور سے ہمکلامی یعنی انتم لنا سلف و نحن

بالاثر الخ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقتولانِ بدر اور کفار مرداروں کے ساتھ خطاب و کلام جو بخاری و مسلم میں منقول ہے، سے ادراک و شعور پر استدلال کرنے کے بعد فرمایا:

و در قرآن مجید ثابت است ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون و لا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون فرحین بما آتاھم اللہ من فضلہ بلکہ از احوال پسماندگان ہم خوشی و بشارت ثابت است ویستبشرون بالذین لم یلحقوا بھم من خلفھم الایۃ بالجملہ انکار ادراک و شعور اموات اگر کفر نباشد در الحاد بودن او شبہ نیست۔

یعنی کلام مجید میں شہداء کرام کے لئے حیات و زیست اور ان کو مردہ کہنے سمجھنے کی حرمت ثابت ہے۔ نیز عند اللہ رزق دیا جانا اور پسماندگان کی اخروی گرفت اور باز پرس سے آزاد ہونے کی وجہ سے خوشی و مسرت ثابت ہے۔ خلاصہ یہ کہ اموات کے ادراک و شعور کا انکار اگر کفر نہ ہو تو اس کے الحاد و بے دینی ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

اما قواعد فلسفیہ پس بقاء روح بعد از مفارقت و بقاء شعور و ادراک و لذت روحانی مجمع علیہ است الا جالینوس لہذا اورا در فلاسفہ نشمردہ اند پس ظاہر است کہ بدن دائما در تحلل است و روح در ادراک و شعور دائما در ترقی پس مفارقت بدن در سلب ادراک و شعور چہ قسم تاثیر تواں کرد۔ فتاوئ عزیزیہ جلد اول ص۹۱ و ۹۲

ترجمہ: لیکن قواعد فلسفیہ کی رو سے مفارقت بدن کے بعد روح کی بقا اور ادراک و شعور کی بقا کا اور لذات روحانیہ کا دوام متفق علیہ ہے۔ صرف جالینوس نے اس میں اختلاف کیا، اسی لئے اس کو فلاسفہ میں شمار نہیں کرتے تو ظاہر ہے کہ بدن ہمیشہ افتراق و انتشار کے درپے ہے اور روح ادراک و شعور میں ہمیشہ ترقی پذیر، لہذا بدن سے مفارقت اس کے ادراک و شعور کے سلب و انتفا میں اثر انداز نہیں ہو سکتی

مُنکرین سماع کے مغالطات اور ان کے جوابات

بحمد اللہ تعالیٰ یہاں تک منکرین کے تمسکات کا جواب دے دیا گیا۔
اب آخر میں ان کے چند مغالطوں کا جواب عرض کرتا ہوں۔ اہلِ علم اور اصحاب دانش پر تو ان مغالطات کا جواب روزِ روشن سے عیاں تر ہے، مگر ہو سکتا ہے کہ عام اہل السنت کے لئے وہ غلط فہمی کا موجب بن جائیں، اس لئے ان کی حقیقت ظاہر کرنا اور منکرین کی فریب کاری کا پردہ چاک کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

لہٰذا اپنے قارئین سے طوالت کی معذرت کے ساتھ ان مغالطات کا جواب شروع کرتا ہوں۔ وباللہ التوفیق۔

———— ❊ ————

مُغالطۂ اُولیٰ

نکیرین کے سوالات کا جب مومن جواب دیتا ہے اور کامیاب ہو جاتا ہے، تو اسے ملائکہ کہتے ہیں لیٹ جاؤ وہ کہتا ہے ارجع الیٰ اھلی فاخبرھم فیقولان نم کنومۃ العروس الذی لا یوقظہ الا احب اھلہ الیہ حتیٰ یبعثہ اللہ من مضجعہ ذالک۔ رواہ الترمذی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ،
(میں اپنے گھر والوں کی طرف لوٹتا ہوں تاکہ انہیں خبر دوں (کہ میرے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا گیا ہے) تو فرشتے کہتے ہیں تو اس نو بیاہتا دلہن کی طرح سو جا جس کو سوائے محبوب ترین اہل کے اور کوئی بیدار نہیں کر سکتا (تب وہ قبر میں لیٹ جاتا ہے) حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن اپنی خواب گاہ سے اٹھائے گا۔

جب ترمذی شریف کی اس روایت میں مومنین کا اپنی قبروں میں نیند کی حالت میں ہونا صراحۃً ثابت ہے اور نیند دنیا میں سماع و فہم سے مانع ہوتی ہے؛ لہٰذا قبر میں بھی مانع ہوگی لان النوم فترۃ طبیعۃ تحدث فی الانسان بلا اختیار منہ وتمنع الحواس الظاھرۃ والباطنۃ عن العمل مع سلامتھا واستعمال العقل مع قیامہ (کیونکہ نیند طبعی فتور اور تھکان ہے جو انسان کے اندر اس کے ارادہ و اختیار کے بغیر متحقق ہو کر اس کے ظاہری و باطنی مشاعر و حواس کو سلامتی کے باوجود اور عقل کے تحقق و ثبوت کے باوجود ان کے استعمال میں مانع ہو جاتی ہے۔ لہٰذا جب میت میں بھی یہ حالت موجود ہوتی ہے اور اس کی بقا و استمرار قیام

قیامت تک ہے، لہٰذا کسی کے سلام وقیام اور خطاب و نداء کا سننا اس کے لئے ممکن نہیں، اس لئے عقیدۂ سماعِ اموات غلط ہوگیا۔ شفاء الصدور مترجم ص۲۱

الجواب

عذابِ قبر پر دلالت کرنے والی احادیث کے ضمن میں پانچویں حدیث یہی درج کی گئی ہے جس سے منکرین نے عوام کو مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے۔ اس حدیث پاک کے ابتدا میں نکیرین کا مومن سے سوالات کرنا اور اس کا صحیح جواب دینا، فرشتوں کا یہ کہنا کہ ہم پہلے سے جانتے تھے کہ تو یہ جواب دے گا۔ پھر اس کی قبر میں ہر طرف ستر ستر ہاتھ وسعت پیدا کر دینا اور نورانیت و انوار پیدا کرنا مذکور ہے اس کے بعد اس کو آرام کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ لہٰذا اگر مانعین کے نزدیک اس میں نیند کے متعلق وارد حکم صحیح ہے تو ظاہر ہے بقیہ حدیث بھی صحیح ہوگی اور اگر صحیح ہے اور یقیناً صحیح ہے تو منکرین خود اپنے دام میں پھنس کر رہ جائیں گے اور میت کا فرشتوں کی کلام سننا، جواب ماننا پڑے گا اور جس سماعِ اموات کا انکار کیا تھا، اسی کا اقرار لازم آگیا۔ علاوہ ازیں کئی وجوہ بطلان یہاں موجود ہیں۔ اول: منکر نے نیند کو فترۃ طبیعہ تسلیم کیا جو حواس کی سلامتی اور عقل کی موجودگی کے باوجود ادراک سے مانع بن جاتی ہے، تو نیند کی حالت میں لامحالہ حواس وعقل موجود ہوں گے اور حواس وعقل کا وجود بغیر محل یعنی حقیقتِ انسان کے ممکن نہیں تو حقیقتِ انسانیہ کا قیامت تک باقی رہنا ثابت ہوگیا، حالانکہ یہ مشاغب ومغالط تو کہتے ہیں کہ میت مٹی کے ساتھ مٹی ہوجاتا ہے تو وہاں سننے والا کون ہے۔ اب وہ خود بتلائیں کہ قیامت تک نیند کرنے والا کون ہے اور نیند میں حواس وعقل کا تحقق وقیام لازمی ہوتا ہے، تو وہ کیسے متحقق ہوں گے؛ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ انسان دراصل اس جسمِ نورانی کا نام ہے جو اس بدن کے اندر اسی طرح سرایت کئے ہوئے ہے جس طرح کہ دودھ کی سفیدی دودھ میں۔ اسی طرح قبر میں بھی سوال اور جواب اور خطاب و

کلام اس حقیقت سے ہے جس کا بدن یا اس کے اجزاء سے تعلق قائم کر دیا جاتا ہے، اور وہ قیامت تک ہے؛ لہٰذا اربابِ برزخ اور اصحابِ قبور کو معدوم محض اور فانی بحت تسلیم کرنا قطعاً غلط ہوگیا۔

دوم: یہاں نم کنومۃ العروس الخ میں نیند کا حقیقی معنی مراد نہیں، بلکہ آرام کرنے کا معنی مقصود ہے اور اس معنی کی دلیل خود اسی عبارت میں موجود ہے، کیونکہ میت کو دلہن کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور میت پر کامیابی کے بعد وارد ہونے والی حالت کو نومِ عروس کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور یہ ظاہر کہ عروس اپنے دولہا کے گھر جاتے ہی سو تو نہیں جاتی، بلکہ پہلے نیند آتی ہوئی ہو تو بھی کافور ہو جاتی ہے لہٰذا نومۃ العروس میں اس کا آرام کرنا لیٹنا مراد ہیں اور یہاں بھی یہی مراد ہے۔ جنت کی نعمتیں، راحتیں اور رزق حاصل ہو اور اس سے لذت حاصل کئے بغیر ہی وہ سو جائے اور فرشتے اسے سلا دیں یہ کیسے ممکن ہے۔ لہٰذا یہ تشبیہ نیند کا حقیقی معنی مراد لینے سے مانع ہے۔ نیز حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے:

فیقول المومن دعونی ابشر اھلی فیقال لہ اسکن الحدیث رواہ احمد اسنادہ صحیح علیٰ شرط مسلم ولم یخرجاہ۔ ابن کثیر ص۵۲۳ جلد سوم۔

ترجمہ: مومن ملائکہ سے کہے گا مجھے اجازت دو، میں اپنے گھر والوں کو بشارت دوں، تو اسے کہا جائے گا ٹھہر جا آرام کر۔ اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور اس کا اسناد مسلم کی شرط کے مطابق درست ہے، اگرچہ اس کو بخاری ومسلم نے ذکر نہیں کیا۔

امام سیوطی کہتے ہیں: حدیث جابر اخرجہ احمد والطبرانی فی الاوسط والبیہقی وابن ابی الدنیا من طریق ابن الزبیر فیقول المومن دعونی ابشر اھلی فیقال لہ اسکن۔ شرح الصدور ص۴۹ کذا فی ابی داؤد بروایۃ

انس بن مالک - جلد ثانی صـ۶۵۳ـ

احمد و ابن ابی الدنیا طبرانی و بیہقی کی اس روایت سے ترمذی شریف کی روایت کا معنی و مفہوم واضح ہوگیا کہ یہاں آرام و سکون مراد ہے نہ کہ نیند حقیقی لہٰذا صحیح روایات کے مقابل جو کہ سماع سلام و کلام پر دلالت کرتی ہیں۔ اس روایت کو مَن گھڑت معنی پر محمول کر کے پیش کرنا عالم کے لئے انتہائی نازیبا ہے۔

سوم : اگر مومن کو قبر میں سلا دیا جاتا ہے، تو پھر قیامت تک اس کی قبر میں حدِ نگاہ تک یا ہر طرف ستر ستر ہاتھ تک وسعت دینے۔ اس میں سبزہ و ریاحین کو پیدا کرنے اور چودھویں رات کی مانند روشنی وغیرہ پیدا کرنے اور جنت کی طرف سے دروازہ کھولنے کا جس میں سے ٹھنڈی ہوائیں اور خوشبوئیں آتی رہیں کیا فائدہ ہوگا۔ لہٰذا نوم کا معنی یہاں صرف آرام و سکون والا ہے نہ کہ حقیقی نیند والا۔

چہارم : جس طرح مومن کے حق میں نَمْ کا امر موجود ہے، اسی طرح کافر کے حق میں بھی یہ لفظ موجود ہے اور وہاں نیند والا معنی قطعاً مراد نہیں؛ لہٰذا یہاں بھی وہ معنی مراد نہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب میت اللہ تعالیٰ کا دشمن ہوتا ہے اور فرشتے اس کی قبر میں آتے ہیں تو وہ خود اٹھ کر بیٹھ جاتا ہے یا اس کو بٹھایا جاتا ہے، پھر سوال کیا جاتا ہے :

من ربك فيقول لا ادری فيقال لا دريت فيفتح له باب الی جهنم ثم يضرب ضربة تسمعها كل دابة الا الثقلين ثم يقال له نم كما ينام المنهوش قلت لابی هريرة ما المنهوش قال الذی تنهشه الدواب والحيات ثم يضيق عليه قبره رواه البزار من رواية الوليد بن مسلم۔

تفسیر ابن کثیر جلد سوم - صـ۵۲۴ـ

ترجمہ : تیرا رب کون ہے، وہ کافر میت کہتا ہے، مجھے علم نہیں۔ ملائکہ کی طرف

سے کہا جاتا ہے تو نے عقل سے کام نہ لیا، تب اس کے لئے جہنم کی طرف سے دروازہ کھولا جاتا ہے۔ پھر اس کو اس طرح مارا جاتا ہے کہ اس کا آواز ہر جاندار سنتا ہے سوائے جن اور انسان کے۔ پھر اسے کہا جاتا ہے کہ تو اس طرح سو جا کہ جس طرح منہوش سوتا ہے۔ راوی کہتے ہیں : میں نے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے عرض کیا منہوش کا کیا مطلب؟ تو انہوں نے فرمایا منہوش وہ شخص ہے جس کو جانور نوچ کھائیں، اور سانپ ڈسیں۔

اور یہ بات واضح ہے کہ جس کو نوچا جا رہا ہو اس کو نیند کیونکر آسکتی ہے۔

الغرض جہاں نَمْ کا لفظ موجود ہے، وہاں نیند حقیقی مُراد نہیں۔ بلکہ چونکہ میت قبر میں لیٹا ہوا ہوتا ہے اور وہ حالت نیند والے شخص کے مشابہ ہوتی ہے، لہٰذا اس کو نوم سے تعبیر کر دیا گیا۔ نیز ملائکہ کی طرف سے نَمْ کا حکم اس وقت ہوگا، جب وہ کہے گا مجھے اجازت دو کہ میں گھر والوں کو بشارت دوں۔ میں گھر جاؤں، تب وہ کہیں گے نم کنومة العروس الخ گویا صاحب قبر سفر اور اپنے گھر سے نکلنے کی رُخصت چاہتا ہے۔ تب وہ کہتے ہیں آرام کر اس تکلیف کی ضرورت نہیں۔ لہٰذا بندۂ مومن کی کلام کے بعد اس کلام کا ورود واضح قرینہ ہے کہ یہاں نیند حقیقی مراد نہیں ہے، بلکہ آرام و سکون والا معنیٰ مراد ہے۔

الغرض اس حدیث پاک میں سماع سلام و کلام کی نفی پر تو کوئی دلیل ہے نہیں۔ البتہ اس سے روح کا تعلق جسم اور قبر کے ساتھ اور سوال کا سُننا سمجھنا اور جواب دینا ثواب اور اجر پانا، گھر والوں کو بشارت دینے کے لئے رُخصت طلب کرنا وغیرہ ایسے امور ثابت ہوگئے جو کہ حیات اہل قبور اور ان کے علم و شعور پر دلالت کرتے ہیں اور صلاحیت سماع و فہم پر شاہد صادق اور دلیلِ ناطق ہیں؛ لہٰذا یہ حدیث تو منکرین پر حجت ہے اور ان کے زعمِ فاسد کو باطل کرتی ہے۔ ایسے اُن کا اپنے مذہب پر استدلال عجب مغالطہ ہے۔

مُغالطۂ دوم

منکرین نے احادیث عذاب وثواب قبر کے متعلق فرمایا کہ ان میں قبر سے مراد یہ قبر نہیں جس میں ہم میت کو دفن کرتے ہیں اور نہ اس میں عذاب ہے نہ ثواب نہ توسیع وتنویر مومن کے حق میں اور نہ تضییق وتنگی کافر و منافق کے حق میں اور نہ جنت کی طرف سے دروازہ اور نہ دوزخ کی طرف سے دروازہ دراصل یہ سب کچھ مومن کے لئے علیین میں ہے اور کافر کے لئے سجین میں جہاں موت کے بعد ارواح کو رکھا جاتا ہے۔

گویا قبر سے مراد ارواح کا مقام استقرار ہے نہ کہ مدفن بدن۔ لہٰذا اس قبر میں جہاں بدن کو دفن کیا گیا ہے، نہ زندگی ہے نہ یہاں کوئی شیٔ سننے اور سمجھنے کے قابل ہے۔ شفاء الصدور مترجم ص۳۶

جواب اوّل

منکرین کا یہ قول احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھیل اور مذاق ہے مذہب وعقیدہ کو کتاب وسنت کے مطابق کرنے کی بجائے انھوں نے کتاب و سنت کو خواہشاتِ نفس کے مطابق ڈھالنا شروع کر دیا ہے۔ قبر کا یہ مفہوم کتاب وسنت اور لغت عربی وعرف عام کے سراسر خلاف ہے اور مردود و باطل ہے۔

۱۔ قرآن کریم میں قبر کا اطلاق اسی مدفن بدن پر ہے:

قولہٗ تعالیٰ۔ ولا تصل علیٰ احد منھم مات ابدًا ولا تقم علیٰ قبرہ۔

ترجمہ: اے حبیب آپ منافقین میں سے جو بھی مر جائے اس پر ہرگز نماز جنازہ بھی نہ پڑھیں اور اس کی قبر پر بھی تشریف نہ لے جائیں۔

یہ آیت کریمہ نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین کی نماز جنازہ پڑھنے اور اس کی قبر پر تشریف لے جانے کے بعد نازل ہوئی اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو آئندہ کے لئے رحمت ورافت اور جود وکرم کے ایسے مظاہر سے روک دیا گیا لہٰذا یہاں قبر سے مراد یہی مدفن بدن ہے نہ کہ سجین میں مستقر روح۔

۲۔ قولہ تعالیٰ قد یئسوا من الاخرۃ کما یئس الکفار من اصحاب القبور۔

وہ آخرت سے اس طرح ناامید ہیں جس طرح کہ کفار اہل قبور سے۔

اور کفار مدفن بدن کو ہی قبر جانتے اور مانتے ہیں نہ کہ علیین وسجین کو وہ تو جنت ودوزخ کے قائل ہی نہیں ہیں۔

۳۔ قولہ تعالیٰ وما انت بمسمع من فی القبور۔

آپ ان لوگوں کو سُنانے والے نہیں جو کہ قبروں میں ہیں۔

ان تینوں آیات میں قبر کا اطلاق مدفن بدن پر کیا گیا ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ منافقین کے مقام سجین میں کسی قبر پر کھڑے ہونے سے منع کیا گیا اور نہ کفار کی اہلِ سجین سے ناامیدی بیان کی گئی، وہ تو علیین وسجین اور جنت ودوزخ کو جانتے ہیں نہ مانتے اور نہ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل علیین وسجین کے اسماع کی نفی کی گئی ہے، بلکہ خود منکرین اس آیت کو ان زمینی قبروں اور اہلِ قبور کے سماع کی نفی میں پیش کرتے ہیں۔ لہٰذا قرآن کریم سے قبر کا معنی ومفہوم یہی ثابت ہوا کہ اس سے مراد زمین کا وہ گڑھا ہے جس میں میت کو دفن کیا جاتا ہے۔

۴۔ قولہٗ تعالیٰ اماتہ فاقبرہ ثم اذا شاء انشرہ۔

انسان کو وفات دی، پس اسے قبر میں جگہ دی (بخلاف دوسرے جانوروں کے) پھر جب چاہے گا، اسے قبر سے اٹھائے گا۔

حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں قبر کا اطلاق مدفن بدن پر ہے:

۱- قال صلی اللہ علیہ وسلم اللھم لا تجعل قبری وثنا یعبد -

اے اللہ میری قبر کو بتوں کی مانند معبود و مسجود نہ بنا -

اور روح نبوی کا مستقر یعنی رفیقِ اعلیٰ تو اصنام کی مانند معبود نہیں بن سکتا تھا تاکہ اس کے متعلق دُعا فرمانا ضروری ہوتا -

۲- مَن زار قبری وجبت لہ شفاعتی -

جس نے میری قبر کی زیارت کی، اس کی شفاعت کرنا مجھ پر واجب ہوگیا -

اگر اعلیٰ علیین میں مستقرِ روح کو قبر کہا گیا ہے تو اہلِ دنیا کے لئے اس کی زیارت ممکن ہی نہیں، اس پر انعامِ شفاعت کا کیا مطلب ؟

۳- ما بین منبری وقبری روضۃ من ریاض الجنۃ -

میری مزارِ اقدس اور منبر کا درمیانی حصّہ جنّت کے باغات میں سے ایک باغ ہے -

یہاں روضۂ اقدس اور منبر نبوی کے درمیانی حصّہ کی فضیلت بیان کرنا مقصود ہے نہ کہ منبر شریف اور اعلیٰ علیین کے درمیانی حصّہ اور فضاء آسمانی کی -

۴- عن عثمان انہٗ کان اذا وقف علی القبر بکیٰ حتی یبل لحیتہ الخ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہٗ، جب قبر پر کھڑے ہوتے تو آپ کی داڑھی مبارک آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھی اور کسی بھی میت کے مقامِ روح پر کھڑا ہونا بے معنی ہے -

۵- روی عن عثمان قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ من دفن المیت وقف علیہ فقال استغفروا لاخیکم ثم سلوالہ التثبیت فانہ الآن یسئل رواہ ابوداؤد -

حضرت عثمان رضی اللہ عنہٗ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب دفن میت سے فارغ ہوتے، تو اس کے مدفن پر قیام فرما رہتے اور فرماتے اپنے بھائی کے لئے استغفار کرو، پھر اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے ثابت قدمی کی دعا کرو، کیونکہ اس سے

ابھی سوال کیا جائے گا -

اور یہ ظاہر ہے کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اسی بدن کے مدفن پر تشریف فرما رہتے اور اسی صاحبِ قبر کے لئے دُعا مغفرت و ثبات فرماتے - اور اسی کے متعلق آپ نے فرمایا کہ اس سے ابھی سوال کیا جائے گا نہ کہ اعلیٰ علیین میں یہ حضرات مدفنِ روح پر تشریف رکھتے تھے -

۶- عن جابرؓ قال خرجنا مع رسول اللہ علیہ وسلم الی سعد بن معاذ حین توفی فلما صلیٰ علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ووضع فی قبرہ وسویٰ علیہ سبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فسبحنا طویلا ثم کبر فکبرنا فقیل یارسول اللہ لم سبحت ثم کبرت قال لقد تضایق علیٰ ھذا العبد الصالح قبرہ حتی فرجہ اللہ عنہ الخ -

حضرت جابر فرماتے ہیں، ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہٗ کی طرف نکلے جبکہ ان کا وصال ہوا - جب آنجناب نے ان پر نماز پڑھی اور ان کو قبر میں رکھا گیا اور ان پر مٹی کو درست کیا گیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تسبیح پڑھی اور ہم نے بھی بڑی دیر تک تسبیح پڑھی پھر آپ نے تکبیر کہی اور ہم نے بھی، عرض کیا گیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے تسبیح اور پھر تکبیر کیوں پڑھی، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نیک بندے پر اس کی قبر تنگ ہو گئی تھی، حتیٰ کہ (تسبیح کی برکت سے) اللہ تعالیٰ نے اس کو ان پر کشادہ کر دیا -

جس قبر میں صحابہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہٗ کو رکھا اور مٹی درست فرمائی، وہ زمین میں مدفن بدن ہی ہے نہ کہ مقام علیین اور اسی میں اس عبد صالح پر تنگی پیدا ہوئی جو جناب کی تسبیح اور صحابہ کرام کی تسبیح کی برکت سے کشادہ ہو گئی

۷- قال النبی علیہ السلام ان العبد اذا وضع فی قبرہ وتولیٰ عنہٗ اصحابہ انہٗ لیسمع قرع نعالھم - الحدیث - مسلم شریف و بخاری شریف -

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بندے کو اس کی قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے ہمراہی اسے دفن کر کے لوٹتے ہیں تو وہ میت ان کے جوتوں کی آواز کو سنتا ہے۔

جس قبر میں رکھ کر ہمراہی دفن لوٹتے ہیں، وہ قبر زمین کا گڑھا ہے نہ کہ اعلیٰ علیین، ورنہ میت کو دفن کرنے والوں کا اعلیٰ علیین میں جوتوں سمیت داخل ہونا لازم آئے گا اور بقید حیات مع بدن عنصری جنت میں داخل ہونا لازم آئے گا جس کا بطلان بدیہی ہے اور علیین کا اتنی دور سے سن لینا ثابت ہوگا جو منکرین کے لئے ناقابل تسلیم ہے، بلکہ اس علم و ادراک کی نفی کے لئے انہوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگا رکھا ہے۔

ثبوت عذاب قبر از احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ضمن میں درج شدہ احادیث قبر کے معنی و مفہوم کی توضیح میں نص قاطع ہیں اور منکر کے زعم فاسد اور قول باطل کے بطلان پر دلیل ناطق ہیں۔

۸۔ حدیث ۲ میں ہے، اہل قبور کو ایسا عذاب دیا جاتا ہے جس کو چار پائے بھی سنتے ہیں اور یہ امر بدیہی کہ چار پائے سجین سے تو آواز کو نہیں سنتے۔

۹۔ حدیث ۳۔ آنسرور صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں پر گزرے اور فرمایا۔ ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور یہ ہر ذی عقل و شعور پر واضح کہ آپ کا گذر زمین میں مدفن بدن پر ہوا نہ کہ سجین میں ان کے ارواح کے مقام پر اور آپ نے شاخ کھجور کے حصوں کو ان قبروں پر گاڑا نہ کہ سجین والی جگہ پر اور یہ بھی اظہر من الشمس کہ یہاں مٹی کے ڈھیر پہ شاخ کھجور رکھ دینے سے تخفیف عذاب سجین میں ہو جانے کا کوئی معنی و مفہوم نہیں، تاوقتیکہ مدفن بدن اور روح میں رابطہ و اتصال نہ ہو۔

۱۰۔ حدیث ۵ میں منافق کے متعلق فرمایا، تب زمین کو کہا جاتا ہے کہ اس پر مل جا۔ تب زمین اس پر اس طرح تنگ ہو جاتی ہے، حتیٰ کہ اس کی پسلیاں ایک دوسری میں دھنس جاتی ہیں اور وہ ہمیشہ اس قبر میں عذاب دیا جاتا رہے گا، یہاں تک کہ قیامت

کو وہیں سے اٹھایا جائے گا۔

اس حدیث پاک سے بھی ظاہر ہوا کہ زمین کے تنگ ہونے اور پسلیوں کے باہم ایک دوسری میں دھنسنے کا تصور سوائے بدن منافق کے نہیں ہو سکتا اور بعث بعد الموت بھی اسی قبر سے ہے لہٰذا عذاب بھی اسی میں ہے۔

۱۱۔ حدیث ۸ میں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دراز گوش پر سوار ہو کر بنو النجار کے باغ میں سے گزر رہے تھے کہ ناگاہ آپ کی سواری بدکی اور سامنے پانچ یا چھ قبریں تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ نے فرمایا یہ جماعت اپنی قبروں میں عذاب کے اندر مبتلا کر دی گئی ہے۔ اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ تم اپنے مُردوں کو دفن کرنا ترک کر دو، تو میں اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا کہ وہ تمہیں بھی عذاب قبر سنائے جو میں سُن رہا ہوں۔

یہاں سے بھی ہر اس شخص پر جس کی بصیرت کو اللہ تعالیٰ نے ختم نہیں کر دیا اور کانوں کو بہرا یا آنکھوں کو اندھا نہیں کر دیا۔ عیاں بلا بیاں ہے کہ سجین بنی النجار کا باغ نہیں اور نہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی دراز گوش اور صحابہ کرام سجین کی سیر فرما رہے تھے اور نہ سجین میں ارواح کفار کا مقام دیکھ کر آپ کی سواری بدکی۔ نہ آنجناب نے اہل سجین کے متعلق دریافت فرمایا کہ وہ کب فوت ہوئے، بلکہ سامنے قبروں میں موجود مدفون لوگوں کے متعلق استفسار فرمایا نہ انہوں نے سجین میں موجود کفار کے متعلق آپ سے عرض کیا۔ لہٰذا قبر کا معنی و مفہوم صاحب شرع اور صحابہ کرام کے نزدیک زمین کی وہ جگہ ہے، جہاں میت کو دفن کیا جاتا ہے، ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کا سجین سے کفار کے عذاب کو سننا لازم آئے گا اور اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہاں سے عذاب کو سننا اور سجین سب سے نچلا طبقہ زمین کا ہے، حالانکہ یہ منکرین تو کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تو دیوار کے پیچھے کا علم نہیں ہوتا کہ کیا ہو رہا ہے یا نہیں۔

(براہین قاطعہ مولوی خلیل احمد انبیٹھوی ص ۵۲)

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ آپ کی سواری کے لئے سب سے نچلے طبقہ زمین سے آوازِ عذاب کا سنائی دینا کیسے تسلیم کر سکتے ہیں، جبکہ قطرِ زمین تقریباً آٹھ ہزار میل ہے۔

(۱۲) عن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما قال ضرب بعض اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم خباءہ علی قبر وھو لا یحسب انہ قبر فاذا فیہ انسان یقرأ تبارک الذی بیدہ الملک حتی ختمھا فاتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاخبرہ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ھی المانعۃ ھی المنجیۃ تنجیہ من عذاب القبر

رواہ الترمذی۔ مشکوٰۃ۔ (فضائل قرآن)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بعض صحابہ نے اپنا خیمہ ایک قبر پر گاڑ دیا اور انہیں یہ گمان نہیں تھا کہ یہاں قبر ہے، تو ناگاہ انہوں نے اس قبر سے ایک انسان کو تبارک الذی بیدہ الملک پڑھتے سنا حتیٰ کہ اس نے سورت کو مکمل کر لیا، تو وہ صحابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور صورتِ حال عرض کی۔ آپ نے فرمایا کہ یہ سورت عذابِ قبر کو دور کرنے والی ہے۔ یہ سورت عذابِ قبر سے نجات دینے والی ہے۔

اور یہ امر کس پر مخفی ہو گا کہ صحابی نے خیمہ زمین پر لگایا تھا نہ کہ علیین میں اور آواز اپنے خیمہ کے نیچے سے سنا تھا نہ کہ جنت کی بلندیوں پر سے۔

الغرض یہ احادیثِ مبارکہ اور اسی طرح سماعِ اموات کے باب میں درج شدہ احادیث علی الخصوص احادیث سلام اور زیارتِ قبور اس قول کے بطلان پر شاہد عدل ہیں۔ نہ آنجناب نے اعلیٰ علیین میں قبور کی زیارت کا حکم دیا نہ ان پر سلام کا بلکہ مدفن ابدان پر سلام اور زیارت کا حکم دیا گیا ہے۔ لہٰذا قبر کا اس کے علاوہ کوئی معنی مراد لینا خلاف قرآن وسنت ہے اور عرفِ عام اور علی الخصوص عرف اہلِ اسلام کے سراسر خلاف ہے اور لغت عربیہ کے بھی بالکل خلاف ہے؛ لہٰذا یہ قول صرف باطل

ہی نہیں، بلکہ اس میں کتاب وسنت کے ساتھ مذاق کیا گیا ہے اور شریعت کو کھیل تماشا بنا دیا گیا ہے۔

جواب ثانی

منکرین سماع وغیرہ نے صرف یہ دیکھ کر کہ ایک دفعہ بعد از قبض چونکہ روح کو علیین وغیرہ کی طرف لے جایا جاتا ہے، تو شاید ہمیشہ وہیں رہتا ہے اور اس کا مدفن بدن کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رہتا اور جب بدن سے اس کا تعلق نہیں، تو اس کے حق میں عذاب وثواب اور سماع وغیرہ کیسے ثابت ہو سکتا ہے، حالانکہ احادیثِ صحیحہ سے روح کا بدن کی طرف لوٹایا جانا ثابت ہے اور سوال نکیرین کے وقت اس میں یقیناً روح موجود ہوتا ہے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت کو امام احمد وابوداؤد نے مکمل طور پر روایت کیا اور نسائی وابن ماجہ نے اوّل حصّہ کو روایت کیا، اس میں مومن و کافر دونوں کی طرف روح کے لوٹائے جانے کی تصریح موجود ہے اور علامہ ابن قیم نے کتاب الروح میں اس حدیث کو نقل کر کے فرمایا:

وذھب الی القول بموجب ھذا الحدیث جمیع اھل السنۃ والحدیث من سائر الطوائف۔ کتاب الروح ص ۶۴

اس حدیثِ پاک کا مدلول ومقتضیٰ روح کا بدن کی طرف رجوع تمام اہل سنت اور محدثین کا مذہب ومسلک ہے، خواہ وہ کسی بھی خطہ اور قبیلہ سے تعلق رکھنے والے کیوں نہ ہوں۔

نیز علامہ ابن تیمیہ کا قول نقل کرتے ہوئے فرمایا:

قال شیخ الاسلام الاحادیث الصحیحۃ المتواترۃ تدل علی عود الروح الی البدن وقت السوال وسوال البدن بلا روح قول طائفۃ من الناس وانکرہ الجمھور وقابلھم آخرون فقالوا السوال للروح بلا بدن وھذا قالہ ابن مرۃ وابن حزم وکلاھما غلطوا لاحادیث

الصحیحہ تردہ ولو کان ذالك علی الروح فقط لم یکن للقبر بالروح اختصاص۔ ص۷۹

ترجمہ: شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے کہاکہ احادیثِ صحیحہ متواترہ سوال نکیرین کے وقت روح کے بدن کی طرف رجوع پر دلالت کرتی ہیں اور روح کے بغیر صرف بدن سے سوال ایک معمولی گروہ کا مذہب ہے اور جمہور نے اس سے انکار کیا ہے۔ ایک اور گروہ نے اس کے برعکس صرف روح سے سوال کا قول کیا ہے اور بدن سے اس کے تعلق کا انکار کیا ہے۔ یہ قول ابن مرہ اور ابن حزم کا مختار ہے، لیکن دونوں گروہوں کا قول غلط ہے اور احادیثِ صحیحہ ان کا رد کرتی ہیں۔ نیز اگر سوال نکیرین وغیرہ صرف روح سے ہوتا تو روح کا قبر کے ساتھ اختصاص اور خصوصی ارتباط نہ ہوتا، حالانکہ احادیثِ صحیحہ صریحہ سے روح کا اختصاص وارتباط قبر کے ساتھ ثابت ہے۔

منکرین علامہ ابن قیم اور اس کے مقتداؤ پیشوا علامہ ابن تیمیہ کے بڑے معتقد ہیں، ان دونوں کی تصریحات سے واضح ہوگیا کہ تمام اہل السنّت والجماعت اور سب محدثین روح کے بدن کی طرف لوٹنے اور بدن وروح کے درمیان خصوصی ربط وتعلق کے قائل ہیں اور قبر میں عذاب وثواب تسلیم کرتے ہیں اور یہی قول ہم نے متعدد محدثین وائمہ کی زبانی پہلے ذکر کیا ہے۔ اس قول کے خلاف یا خارجی ہیں یا معتزلی کوئی سنّی اس کا مخالف نہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ منکرین ومجادلین خارجی یا معتزلی ہیں اہل السنّت نہیں ہیں۔

نوٹ: سوال نکیرین وغیرہ کے بعد روح کا مقام ومحل کون سا ہے اور بدن کے ساتھ اس کا تعلق ہوتا ہے یا نہیں، اس کی تحقیق پہلے عرض کرچکا ہوں اور علی الخصوص شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ العزیز کا قول اہل السنّت کے مسلک کی وضاحت کے لئے کافی ہے۔ فرماتے ہیں:

تعلقے بقبر نیز ایں ارواح را باشد کہ بحضور زیارت کنندگان واقارب ودیگر دوستاں برقبر مطلع ومتانس میگردند زیرا کہ روح را قرب وبعد مکانی مانع ایں دریافت نمی شود۔ ص۱۰۰ پارہ عم یتساءلون۔

ارواح جہاں کہیں بھی ہوں، ان کا تعلق قبور کے ساتھ ہوتا ہے، حتیٰ کہ وہ زیارت کرنے والوں اور خویش واقربا اور دوسرے دوست احباب جو بھی ان کی قبروں پر آتے ہیں، ان پر مطلع ہوتے ہیں اور ان سے انس حاصل کرتے ہیں، کیونکہ روح کے لئے مکان کے لحاظ سے قریب وبعید ہونا اس علم وادراک میں مانع نہیں ہوسکتا۔

اگر روح کے مستقر اور مقام ومنزل کی تفصیل ملاحظہ کرنی ہو تو کتاب الروح ص۱۸۶ کا ملاحظہ کریں۔ ابن قیم مختلف منازل ومقامات بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں؛

فلیس للارواح سعیدھا وشقیھا مستقر واحد بل روح فی اعلیٰ علیین وروح ارضیۃ سفلیۃ لا تصعد عن الارض وانت اذا تاملت السنن والاٰثار فی ھذا الباب وکان لك بھا فضل اعتناء عرفت حجۃ ذالك ولا تظن ان بین الاٰثار الصحیحۃ فی ھذا الباب تعارضا فانھا کلھا حق یصدق بعضھا بعضا۔ ص۱۸۶

ترجمہ: رُوح نیک بخت ہوں یا بدبخت کسی کا بھی ایک مقام ومحل متعین نہیں، بلکہ اگر بعض روح ایسے ہیں جو اعلیٰ علیین میں ہیں تو بعض ایسے بھی ہیں جو زمین سے متعلق ہیں اور مرتبہ میں ناقص ہونے کی وجہ سے زمین سے اوپر جاتے ہی نہیں اور تو جب آثار وسنن کا اس باب میں گہری نظر سے مطالعہ کرے اور تجھے اس تحقیق سے قلبی رغبت اور لگاؤ بھی ہو تو اس دعویٰ کی دلیل وحجت تجھے معلوم ہوجائے گی اور یہ ہرگز گمان نہ کرنا کہ اس بارے میں احادیثِ صحیحہ کے درمیان تعارض ہے، کیونکہ وہ سب حق ہیں اور ایک دوسرے کی تائید وتصدیق کرتی ہیں۔ جب واضح ہوگیا کہ نہ سب

مومنین کے روح علیین میں ہیں اور نہ فساق وکفار کے سجین میں تو یہ توہم بھی باطل ہوگیا کہ عذاب وثواب روح کے مستقر و محل میں ہے اور وہ علیین یا سجین ہے۔

لہٰذا یہ قول کتاب وسنت اور اقوال علمائے امت۔ مذہب اہل السنت اور لغت وعرف کے خلاف ہے کہ قبور سے مراد یہ قبریں نہیں جن میں ابدان کو دفن کیا جاتا ہے اور نہ عذاب وثواب ان قبور میں ہے بلکہ علیین یا سجین میں۔

فائدہ جلیلہ:

اب آپ اس فرقہ کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غیبی خبر اور اس گروہ کا علامات قیامت میں سے ہونا ملاحظہ فرمائیے:

عن بن عباس رضی اللہ عنہ انہ سیکون ناس یکذبون بالدجال ویکذبون بطلوع الشمس من مغربها ویکذبون بعذاب القبر ویکذبون بالشفاعة ویکذبون بالحوض ویکذبون بقوم یخرجون بعد ما امتحشوا۔ مسند امام احمد جلد اول ص۲۳ منتخب کنز العمال علی حاشیۃ المسند جلد اول ص۱۱۲ ایضاً رواہ عبد الرزاق فی الجامع وابن ابی شیبہ والبیہقی فی السنن۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا عنقریب ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو کہ دجال کے خروج و ظہور کا انکار کریں گے۔ سورج کے مغرب کی طرف سے طلوع کا انکار کریں گے۔ عذاب قبر کی تکذیب کریں گے۔ عقیدۂ شفاعت کو جھٹلائیں گے، حوض کوثر کی نفی کریں گے۔ (اور جو لوگ دوزخ کی آگ میں کوئلے کی طرح سیاہ ہوکر شفاعت کی بدولت باہر نکلیں گے) ان کے عذاب دوزخ سے نجات پانے کو تسلیم نہیں کریں گے۔ یہ روایت مسند امام احمد میں ہے، اور منتخب کنز العمال میں اس کو مسند اور بیہقی، ابن ابی شیبہ اور عبد الرزاق کے

حوالہ سے درج کیا گیا ہے۔

اور یہ روایت اگرچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے، مگر چونکہ یہ ان امور سے ہے، جن کا عقل وقیاس سے ادراک نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا یہ حکم مرفوع میں ہے اور گویا کہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اس روایت نے اس گروہ کے کاذب ومکذب ہونے کی تصریح کر دی اور ان کے اعتقادات ونظریات کے بطلان وفساد کی وضاحت کر دی اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کو سچ کر دکھلایا اور نبی امی فداہ ابی وامی نے کئی صدیاں پہلے جو امور غیبیہ بتلائے تھے، وہ بالکل درست نکلے۔ اس گروہ نے شفاعت کا بھی انکار کیا اور عذاب قبر کا بھی۔

لہٰذا اس روایت کی تصدیق وتصحیح ان کے قول سے ہوگئی اور ان کی تکذیب اور ان کے عقیدہ کا ابطال اس روایت سے ہوگیا۔ والحمد للہ علیٰ ذالک۔

فائدہ: یہ بات اچھی طرح ذہن نشین رہے کہ روحانی عذاب وثواب کا کوئی فرقہ مخالف نہیں حتیٰ کہ فلاسفہ جو اسلامی تعلیمات سے ناآشنا تھے، وہ بھی اس کے قائل تھے اور معتزلہ وغیرہ نے بھی میت کو جماد مان کر عذاب کا انکار کیا اور روح کو وہ جمادات میں سے نہیں مانتے۔ لہٰذا اس حدیث پاک میں قبر سے مراد صرف مدفن بدن کا عذاب ہے نہ کہ مستقر روح والا عذاب۔

مغالطہ سوم

عن محمد بن المنکدر۔ قال دخلت علیٰ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ، وھو یموت فقلت اقرء منی علیٰ رسول اللہ السلام۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ترجمہ: محمد بن منکدر کہتے ہیں کہ میں حضرت جابر رضی اللہ کی خدمت میں ان کے وصال کے قریب حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا، میری طرف سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں سلام عرض کرنا۔

اس روایت سے منکرینِ سماع نے اہلِ السنت عوام کو یہ دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ، کا انتقال مدینہ طیبہ میں ہوا اور محمد بن منکدر بھی وہیں موجود تھے۔ اگر ان کے نزدیک رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم خود زائرین اور سلام پیش کرنے والوں کا سلام سنتے تو انہیں حضرت جابر رضی اللہ عنہ، کے ذریعہ سے سلام پیش کرنے کی کیا ضرورت تھی، نیز خود سلام پیش کرنے کی قدرت ہونے کے باوجود کسی کی وساطت سے سلام پیش کرنا بے ادبی ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زائرین کا سلام نہیں سنتے۔ جب وہ نہیں سن سکتے، تو دوسرے انبیاء و اولیا وغیرہم بطریق اولیٰ نہیں سن سکیں گے۔

جوابِ اوّل

ع جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی

ایک طرف قرآن و حدیث کے دلائل اور دوسری طرف منکر معاند کی ذہنی اختراع اور قیاسی

ڈھکوسلا۔ چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

ہم قبل ازیں مانعین و منکرین کے پیر و مرشد مولانا رشید احمد دیوبندی کے فتاویٰ رشیدیہ کی عبارت عرض کر چکے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے سماع میں مسلمانوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں، بلکہ سب کے نزدیک ان کا زائرین کے سلام کو سننا حاضرین کو پہچاننا مسلّم ہے۔ گویا منکرین تیرہ صدیوں کے بعد پیدا ہوئے اور تیرہ سو سال کا اسلام اور عقیدہ اہلِ اسلام کا یہی ہے کہ سب انبیاء کرام علیہم السلام سنتے ہیں۔

نیز حدیث ۲۱۲ ما من مسلم یسلم علی الحدیث کے تحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم و ادراک اور سماعِ سلام و خطاب پر قدرے تفصیل سے دلائل پیش کر چکا ہوں۔ لہٰذا منکرین کا یہ قول کتاب و سنت اور اجماعِ امت کے خلاف ہے اور قیاسِ محض ہے اور قیاس صحیح بھی بابِ عقائد میں معتبر نہیں، چہ جائیکہ قیاس فاسد و باطل جو کتاب و سنت اور اجماعِ امت کے خلاف ہو۔

جوابِ ثانی: جب آیات و احادیث سے عام اہلِ قبور کے لئے حیات اور علم و ادراک ثابت ہو چکا تو خواص علی الخصوص انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے بطریق اولیٰ ثابت ہو جائے گا اور دلالت النص کے ساتھ انبیاء کرام علیہم السلام میں اس کا ثبوت علی الوجہ الاتم والاکمل پایا جائے گا اور اسی امر کی تصریح علماء ملت اور اکابر امت نے کی ہے۔ امام سبکی شفاء السقام میں فرماتے ہیں،

اما الادراکات کالعلم والسماع فلاشک ان ذالک ثابت وسنذکر ثبوتہ لسائر الموتیٰ فکیف بالانبیاء۔ ص۱۹۱

ترجمہ: لیکن ادراکات مثل علم اور سماع تو یہ بلا شک و شبہ ثابت ہیں اور ہم عنقریب تمام اموات کے لئے ان کو ثابت کریں گے، چہ جائیکہ انبیاء کرام علیہم السلام (ان کے لئے تو یہ ادراکات بطریق اولیٰ ثابت ہوں گے)

علامہ قسطلانی شارح بخاری مواہب لُدنیہ میں فرماتے ہیں :

عود الروح الی الجسد ثابت فی الصحیح لسائر الموتیٰ فضلا عن الشہداء فضلا عن الانبیاء ۔ مواہب لدنیہ مع زرقانی جلد خامس ص ۳۳۴

روح کا جسم کی طرف لوٹنا صحیح روایات میں تمام اموات کے لئے ثابت ہے، چہ جائیکہ شہداء، چہ جائیکہ انبیاء۔ یعنی جب عوام مومنین میں ثابت ہے تو شہداء میں بطریق اولیٰ اور جب ان میں ثابت ہے تو انبیاء کرام کے لئے بطریق اولیٰ۔

علماء ملت اور اکابر امت کے اقوال ملاحظہ کیجئے اور معاندین و مخالفین کا الٹا قیاس اور دماغی فتور مشاہدہ کیجئے۔ ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بہ کجا

جواب ثالث : محمد بن منکدر تابعی ہیں۔ اگر ان کا سماع قول کتاب وسنت کے خلاف ہوتا تو اس کی تاویل کرتے یا اسے رد کر دیتے۔ چہ جائیکہ ان کی کلام سے عبارت و دلالت اور اشارت و اقتضاء مفہوم مخالف اور اسلوب کلام کسی وجہ سے بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سماع سلام کا انکار سمجھ نہیں آتا۔ کسی کے واسطہ سے سلام پیش کرنا معروف و متعارف ہے خواہ درمیان میں معمولی مسافت ہی کیوں نہ ہو۔ علی الخصوص جب ایک فریق دوسرے پر ظاہر و منکشف نہ ہو، خواہ بعد جسمانی و مکانی کی وجہ سے یا لطافت و نورانیت کی وجہ سے جس طرح کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضرت عائشہ صدیقہ کو میری طرف سے سلام پیش فرما دو حالانکہ وہ اس مجلس میں جلوہ فرما تھیں۔ بخاری شریف میں متعدد مقامات پر یہ روایت موجود ہے:

عن عائشۃ رضی اللہ عنہا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لہا یا عائشۃ هذا جبریل یقرئک السلام فقالت وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، تریٰ ما لا اریٰ ۔ بخاری شریف جلد اوّل ص ۴۵۷

ترجمہ: حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے انہیں فرمایا کہ یہ جبرائیل ہے جو تمہیں سلام پیش کر رہا ہے، تو انہوں نے جواب میں فرمایا اور اس پر سلام ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی برکتیں پھر حضور سے عرض کیا۔ آپ وہ اشیاء دیکھتے ہو جو کہ میں نہیں دیکھتی، یعنی جبرائیل کو آپ تو دیکھ رہے ہو مگر وہ میری نگاہ سے اوجھل ہے۔

دیکھئے حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت صدیقہ پر ظاہر و منکشف نہیں تھے۔ اگرچہ ان کے پاس موجود تھے۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے سلام عرض کیا اور حضرت صدیقہ نے ان کے حاضر بارگاہ ہونے کے باوجود لطافت و نورانیت کی وجہ سے غائب ہونے کی بناء پر جواب ایسے دیا جیسا کہ غائب اور بعید کو جواب دیا جاتا ہے۔ یہاں حضرت جبرائیل نے بے ادبی نہیں کی بلکہ کمال حیا اور ادب کا مظاہرہ کرتے ہوئے نہ بشری شکل میں امّ المومنین کے سامنے آئے اور نہ ہی نورانی حالت میں ہی سلام دیا تاکہ غیر مانوس اور خلافِ معمول آواز موجب وحشت اور پریشانی خاطر نہ ہو۔ نیز جن کو واسطہ و وسیلہ بنایا وہ حضرت جبرائیل علیہ السلام سے بھی افضل اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی افضل ہیں۔

لہٰذا جس طرح یہاں مصلحت کارفرما ہے، اسی طرح محمد بن منکدر نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی وساطت سے جو سلام بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کیا اس میں بھی یہ مصلحت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اگرچہ محمد بن منکدر غائب نہیں، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عالم برزخ میں ہونے کی وجہ سے ان کی آنکھوں سے اوجھل ہیں، تو جو ہستی ابھی ابھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں حضوری سے باریاب ہونے کو ہے، ان کی وساطت سے سلام پیش کر دیا۔

نہ حضرت جبرائیل کے سلام بالواسطہ سے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی صلاحیت فہم و سماع پر کوئی اعتراض ہو سکتا ہے اور نہ ہی محمد بن منکدر کے سلام بالواسطہ

سے۔ نہ حضرت جبرائیل کسی بے ادبی کے مرتکب ہوئے اور نہ ہی محمد بن منکدر۔

باقی رہا یہ امر کہ محمد بن منکدر خود کبھی روضۂ اقدس پر سلام عرض کرنے نہیں گئے اس کا ثبوت منکرین کے ذمہ ہے اور وہ قیامت تک یہ ثبوت پیش کرنے سے عاجز ہیں۔ نیز متقدر صحابہ کرام سے بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہونا اور سلام عرض کرنا ثابت ہے۔ اور فقہہ کی تمام کتابوں میں حاضری کے آداب میں صلوٰۃ وسلام بالفاظ ندا، وخطاب وطلبِ شفاعت والتجاء دعاء مغفرت مرقوم ومنقول ہے۔ کوئی ایک کتاب حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی مذہب کی نہیں جس میں بوقتِ حاضری الصلوٰۃ والسلام علیکَ یارسول اللہ عرض کرنا اور ان کے علم وشعور اور توجہ والتفات کا یقین رکھنا مذکور نہ ہو۔

بلکہ شیخین کریمین حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے خطاب ونداء کے انداز میں سلام کا عرض کرنا موجود نہ ہو۔

علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی نے شواہد الحق فی الاستغاثۃ بسید الخلق صلی اللہ علیہ وسلم میں اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہے اور آنحضرت علیہ السلام سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وصال کے بعد یا محمد اذکرنا عند ربك عرض کرنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بابی انت وامی یارسول اللہ کہہ کر پکارنا درج کیا ہے حضرت صفیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کا الا یارسول اللہ کنت رجاء نا، حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا یا ابتا اجاب ربا دعاہ۔ مسیلمہ کذاب کے ساتھ جنگ کے وقت صحابہ کرام کا وامحمداہ کہنا۔ حضرت بلال بن حارث کا وامحمداہ کہنا نیز حضرت بلال بن حارث کا عرض کرنا یارسول اللہ استسق لامتك (اپنی امت کے لئے بارش کی دعا کیجیے)، حضرت عبداللہ بن عمر کا روضۂ اقدس پر حاضر ہو کر السلام علیك یارسول اللہ، السلام علیك یا ابابکر السلام علیك یا ابتاہ کہنا

وغیر ذالک روایات درج کی ہیں اور ائمہ مذاہب اربعہ نے حاضری بارگاہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت جو طریقہ سلام عرض کرنے کا بیان فرمایا ہے اسے بسط وتفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، وہاں اس کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ اس رسالہ میں اس تفصیل کی گنجائش نہیں۔

بہر حال محمد بن منکدر کے اس قول سے ذرا بھر شبہ بھی عدم سماع مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیدا نہیں ہوتا چہ جائیکہ اس سے آنجناب کے عدم سماع پر استدلال کیا جائے۔ یہ صرف منکرین کی محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب پاک میں ناپاک جسارت ہے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں یہ استدلال باطل ہو گیا تو دوسرے اموات اور اہلِ قبور کے حق میں بھی باطل ہو گیا۔ فان الشجرۃ تنبئ عن الثمرۃ۔

مغالطۂ چہارم

اخرج احمد عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال انی لارجو ان طال بی عمر ان القی عیسیٰ بن مریم فان عجل بی موت فمن لقیہ منکم فلیقرءہ منی السلام ۔ در منثور۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ مجھے امید ہے کہ اگر میری عمر دراز ہوگئی تو میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن مریم سے ملاقات کروں گا، لیکن اگر جلدی موت آگئی تو تم میں سے جو بھی ان کی ملاقات کرے، وہ انہیں میرا سلام پیش کرے۔

اگر رسولِ خدا علیہ التحیۃ والثناء خود سنتے سمجھتے اور کلام کر سکتے، تو لوگوں کو سلام پہنچانے میں واسطہ کیوں بناتے۔ جب ان کا یہ حال ہے تو جو ان سے درجہ میں کم ہیں، ان سے بطریقِ اولیٰ سننے سمجھنے اور کلام کرنے کی نفی ہو جائے گی۔

جواب اول: بحث اس میں ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور دیگر اہل قبور زائرین کے سلام کو سنتے ہیں یا نہیں؟ اور حاضرین کو پہچانتے ہیں یا نہیں؟ لہٰذا اس روایت سے محل نزاع میں استشہاد و استناد کا قطعاً کوئی جواز نہیں۔ اگر مانع اور منکر یہ ثابت کرتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی زیارت کریں گے، سلام دیں گے، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی پتہ نہیں چلے گا، تب تو کوئی وجہ استدلال و استناد کی تھی، لیکن صرف اکیلا منکر نہیں اس کی ساری جماعت قیامت

تک یہ ثابت نہیں کر سکتے، بلکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

والذی نفسی بیدہ لینزلن عیسیٰ بن مریم ثم لئن قام علی قبری فقال یا محمد لاجیبنہ۔ رواہ ابو یعلی روح المعانی۔ جلد ۲۲ ص ۳۳ الحاوی للفتاوی للامام السیوطی جلد ۲ ص ۱۶۲

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں، میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا قسم ہے اس ذاتِ اقدس کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم ضرور نازل ہوں گے۔ پھر اگر وہ میری قبر پر کھڑے ہو کر یا محمد کہیں گے تو میں ضرور انہیں جواب دوں گا۔

مستدرک حاکم اور کنز العمال کے باب نزول عیسیٰ علیہ السلام میں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لیھبطن عیسیٰ بن مریم حکما و اماما مقسطا و یسلکن فجا حاجا او معتمرا ولیاتین قبری حتی یسلم علیّ ولاردن علیہ۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ضرور بالضرور حاکم اور امام عادل کی حیثیت سے نازل ہوں گے اور وہ زمین میں حج یا عمرہ کے لئے راہ فج پر چلیں گے اور ضرور بالضرور میری مزار پر حاضری دیں گے تاکہ مجھ پر سلام کریں اور میں ضرور بالضرور ان کے سلام کا جواب دوں گا۔

یہاں جس تاکید کے ساتھ اور جس صراحت کے ساتھ ان کا نزول اور حج و عمرہ کے لئے تشریف لانا مزارِ اقدس پر حاضری دینا سلام پیش کرنا اور آنحضور کا جواب دینا مذکور ہے۔ اس کے بعد کسی مومن کے لئے یہاں بحث کی حاجت نہیں رہتی، بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر مسلمان کے سلام کا جواب دینا صریح اور صحیح حدیث کے ساتھ ثابت ہے، جیسا کہ حدیث ۲۱ کے تحت اس کا مفصل اور مدلل بیان گزر چکا ہے۔

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شبِ معراج حضرت موسیٰ کو ان کی مزار میں صلوٰۃ ادا کرتے ہوئے حالتِ قیام میں مشاہدہ فرمانا۔ نیز بیت المقدس میں سب انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ سلام وکلام اور آسمانوں پر ہر ایک کے ساتھ ان کے منصب و مرتبہ کے لائق ان کے منازل پر تشریف لے جانا اور ان سے سلام و کلام مشہور احادیث و روایات کے ساتھ ثابت ہے اور حدیث پاک کی ہر کتاب میں اس کی تصریح موجود ہے۔

نیز موسیٰ علیہ السلام کی حضرت آدم علیہ السلام سے گفتگو اور دانہ کھا کر زمین پر لانے کی شکایت اور دنیا میں تکالیف و مصائب کے اندر گھرنے کا موجب بننے کی شکایت اور حضرت آدم علیہ السلام کا فرمان اتلومنی علیٰ امر کتبہ اللہ علی قبل ان یخلقنی اربعین سنۃ قال فحج آدم موسیٰ۔ اے موسیٰ تو مجھے ایسے امر پر ملامت کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے میرے پیدا ہونے سے چالیس سال قبل میرے متعلق تحریر کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام چُپ کر گئے۔ بخاری شریف، مسلم شریف اور مشکوٰۃ شریف میں کتاب القدر کے اندر موجود ہے۔

لہٰذا اس شبہ کی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں کوئی گنجائش نہیں۔

مفسرین کرام اور محدثین کرام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روحانی حیثیت سے ملاقات اور استفادہ کو اولیاء کرام کے حق میں ممکن و جائز تسلیم کیا ہے، چہ جائیکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو کہ روح اللہ کے امتیازی منصب پر فائز ہیں اور جن میں روحانیت ہی روحانیت ہے۔

علامہ آلوسی نے اس سوال کا کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے شریعت مصطفویہ کا علم حاصل نہیں فرمایا، تو اس شریعت کی اشاعت کیسے فرمائیں گے اور اس دین کے ساتھ حکم کیسے کریں گے، جواب دیتے ہوئے فرمایا:

وجوزان یکون ذالک بالاجتماع معہ علیہ الصلوٰۃ والسلام روحانیۃ ولا بدع فی ذالک فقد وقعت رویتہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد وفاتہ لغیر واحد من الکاملین من ہذہ الامۃ والاخذ منہ یقظۃ۔

ترجمہ: جائز ہے کہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روحانی اجتماع و قرب کے لحاظ سے علم حاصل کر لیں اور یہ کوئی انوکھا اور نیا امر نہیں ہے، کیونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور آپ سے بیداری میں استفادہ آپ کے وصال شریف کے بعد اس امت کے بے شمار کاملین کو حاصل کرنے کا موقعہ ملا ہے۔

نیز فرماتے ہیں: قیل انہ علیہ السلام یاخذ الاحکام من نبینا صلی اللہ علیہ وسلم شفاھا بعد نزولہ وھو فی قبرہ الشریف واید بحدیث ابی یعلی والذی نفسی بیدہ لینزلن عیسیٰ بن مریم ثم لئن قام علی قبری وقال یا محمد لاجیبنہ ص ۳۳ جلد ۲۲

ترجمہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہونے کے بعد سید الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء کے مزار اقدس سے براہ راست احکام حاصل کریں گے اور اس قول کی تائید اس حدیث پاک سے ہوتی ہے جس کو ابو یعلی نے روایت کیا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے قسم ہے اس ذاتِ اقدس کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ضرور بالضرور آسمان سے نازل ہوں گے، پھر اگر وہ میری قبر پر کھڑے ہو کر یا محمد کہیں گے، تو میں ضرور بالضرور انہیں جواب دوں گا۔

اقول: اس مضمون کی حدیث ابن عساکر نے بھی حضرت ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیھبطن اللہ عیسیٰ بن مریم حکما عدلا واماما مقسطا فلیسلکن فج الروحاء حاجا او معتمرا ولیقفن

میں عجمی ہوں، فصحاء و بلغاء عرب کو خطاب کیسے کروں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
کا اپنے لعاب دہن کو ان کے منہ میں سات مرتبہ ڈالنا فتاویٰ میں ص۲۵۲ پر منقول
ہے اور شیخ عبدالحق قدس سرہٗ نے اخبار الاخیار میں اس کو نقل فرمایا۔ عارف کامل
شیخ ابوالعباس مرسی کا فرمان صافحت بکفی ھذہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
میں نے اپنے اس ہاتھ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مصافحہ کیا ہے
بھی اسی فتاویٰ میں منقول ہے اور آخر میں فرماتے ہیں:

الحکایات فی ذالک عن اولیاء اللہ تعالیٰ کثیرۃ جدًا ولا ینکر ذالک
الا معاند او محروم۔ ص۲۵۶

اس بارے میں اولیاء کرام سے بہت زیادہ حکایات ثابت ہیں اور اس امر
کا منکر یا تو محض عناد کی وجہ سے انکار کرتا ہے اور یا محرومی کی وجہ سے۔

شیخ عبدالحق نے صاحب مواہب سے اور انہوں نے شیخ بدرالدین اہدل سے
نقل کرتے ہوئے فرمایا: وقوع رویت شریف در یقظہ مراد را متواتر شدہ بداں اخبار و
حاصل باآں علم قوی است کہ منتفی است ازاں شک وشبہ۔ مدارج جلد اول ص۱۵۰

علامہ ابن حجر نے ابن عربی کا کلام ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

ثم رأیت ابن العربی صرح بما ذکرناہ من انہ لا یمتنع رؤیۃ
ذات النبی صلی اللہ علیہ وسلم بروحہ وجسدہ لانہ وسائر الانبیاء
احیاء ردت الیہم ارواحھم بعد ما قبضوا واذن لھم فی الخروج من
قبورھم والتصرف فی الملکوت العلوی والسفلی ولا مانع ان یراہ کثیرون
فی وقت واحد لانہ کالشمس واذا کان القطب یملاء الکون کما قالہ
التاج بن عطاء اللہ فما بالک بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

ترجمہ: پھر میں نے ابن عربی کو دیکھا کہ انہوں نے اس امر کی تصریح فرمائی

جس کو ہم نے ذکر کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار بمع روح وجسم اصلی
ممتنع نہیں ہے، کیونکہ آپ اور تمام انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں، ان کے ارواح
کو قبض کرنے کے بعد ان کی طرف لوٹا دیا گیا ہے اور انہیں اپنی قبروں سے نکل کر
ملکوت علوی وسفلی سلطنت اسمان وزمین میں تصرف کا اذن دیا گیا ہے اور اس امر
میں بھی کوئی استحالہ نہیں کہ بہت سے لوگ بیک وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
زیارت سے مشرف ہوں، کیونکہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم سورج کی مانند ہیں، بلکہ
جب بقول تاج بن عطاء اللہ قطب زمان تمام عالم کو اپنے وجود سے بھر لیتا ہے اور
کوئی گوشۂ عالم اس کے وجود سے محروم نہیں رہتا تو پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب و
مرتبہ تو بہت بلند ہے۔ سارا عالم ان کے وجود مسعود اور انوار سے کس طرح مشرف
نہ ہوگا۔

علامہ آلوسی نے امام سیوطی سے بھی یہی مضمون یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا جسمانی حیات کے ساتھ زندہ ہونا اور ملک و ملکوت
میں تصرف کا مالک ہونا روح المعانی جلد ۲۲ ص۳۴ پر نقل فرمایا اور آنحضرت
علیہ السلام کا کائنات عالم حتیٰ کہ عرش وکرسی اور ملک وملکوت میں جلوہ فرما ہونا
شیخ صفی الدین بن ابی منصور۔ شیخ عبدالغفار اور شیخ ابوالعباس سے ص۳۵ پر نقل فرمایا۔

الغرض وفات کے بعد اموات کا احیاء سے کلام کرنا، ان کے سلام کا جواب
دینا، ان سے ملاقات کرنا نہ صرف ممکن ہی نہیں، بلکہ بالفعل متحقق ہے اور اولیاء اللہ کے
لئے بطور کرامت اور انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے بطور معجزہ یہ امر ثابت ہے اور
اس کا منکر بقول علامہ ابن حجر یا عناد وبغض کا شکار ہے اور یا ہر خیر سے محروم ہے؛
لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ملاقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اور ان کا سلام و
کلام کرنا اور سلام وکلام کو سمجھنا قطعاً بعید نہیں، بلکہ دلائل حیاۃ انبیاء اور شواہد سماع

سے قطعی طور پر ثابت ہے، خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا علم و ادراک نصوص قرآنیہ سے اور احادیثِ نبویہ سے قطعی طور پر ثابت ہے جو کہ امت کے تمام احوال و کیفیات اور افعال و نیات کو محیط ہے۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر یہ اتہام ازلی بدبخت ہی کا کام ہے اور مومن مخلص سے قطعاً بعید ہے اور علی الخصوص اس عالم سے جس کے سامنے معراج شریف کی تمام احادیث ہوں جن میں آنحضرت علیہ السلام کی تمام پیغمبروں سے ملاقات بیت المقدس میں اور آسمانوں میں صراحتہً مذکور ہے۔

عجیبہ: جب ان منکرین نے اپنی عظمت ثابت کرنی ہوتی ہے اور اپنے مولوی صاحبان کی دکان چمکانی ہوتی ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دیوبند میں آمد اور علماء دیوبند سے اردو سیکھنے کا چرچا کیا جاتا ہے۔ براہین قاطعہ ص۲۷ اور کبھی حاجی امداد اللہ صاحب کے مریدوں یعنی مولوی رشید احمد صاحب اور مولانا محمد قاسم نانوتوی کا باورچی بنا دیا جاتا ہے۔ تذکرہ رشیدیہ جلد اول ص۲۸ کبھی سید احمد بریلوی کو کھجوریں کھلانے اور کامل بنانے کے لئے دہلی پہنچا دیتے ہیں۔ صراطِ مستقیم ص۱۶۳ مگر انکار پر آتے ہیں، تو پیغمبروں سے بھی بے علم و بے خبر ثابت کر دکھلاتے ہیں ؎

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

امام حجۃ الاسلام غزالی قدس سرہٗ فرماتے ہیں عوام جو کچھ خواب میں دیکھتے ہیں، خواص اس کو بیداری میں دیکھتے ہیں:

آنچہ عامہ در خواب بینند خواص آں را در بیداری مشاہدہ نمایند و حکایات مشائخ دریں باب بسیار است۔ در کتاب الرویا بیاید و چوں خواص امت را ایں حالت و رتبہ حاصل بود فکیف سید المرسلین را صلی اللہ علیہ وسلم۔ اشعۃ اللمعات جلد اول ص۱۰۸

ترجمہ: شیخ محقق فرماتے ہیں کہ اس باب میں حکایات بے شمار ہیں۔ کتاب الرویا میں ان کا ذکر آئے گا اور خواص امت کو یہ مرتبہ حاصل ہو تو سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو کیونکر حاصل نہیں ہوگا۔

اقول: جو امر خواص امت کو حاصل ہے تو اس کا عیسیٰ بن مریم روح اللہ و کلمۃ اللہ کو حاصل ہونا لازمی ہے جو کہ نبوت و ولایت کے جامع ہیں اور رسول بنی اسرائیل بھی ہیں اور خلیفۂ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی لہٰذا یہ شبہ لغو و باطل ہے۔

جواب ثالث: عالم ظاہر اور عالم برزخ کی ملاقات میں یک گونہ تفاوت ہے، اس لئے آنجناب نے صحابہ کو سلام پہنچانے کے متعلق فرما دیا تو کیا حرج ہوا۔ نیز صحابہ کرام کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد اور عنقریب زمانہ میں آمد کی اطلاع دینی تھی اور چونکہ ان کی آمد علاماتِ قیامت میں سے ہے۔ لہٰذا دراصل قیامت سے خوف دلانا منظور تھا، اس لئے یقین کو شک کے ساتھ بدل دیا، ورنہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو یقیناً یہ معلوم تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بہت عرصہ کے بعد تشریف لائیں گے جیسا کہ احادیث عموم علم اور اخبارات ترتیب علاماتِ قیامت سے ظاہر ہے؛ علی الخصوص جبکہ آپ نے فرمایا کہ وہ امت کیسے ہلاک ہوگی جس کا اول میں ہوں اور جس کے وسط حضرت مہدی اور آخر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوں گے۔

فائدہ جلیلہ: منکرین کے انکار کا اصل باعث یہ ہے کہ چونکہ ہم اہل قبور سے ہمکلام نہیں ہو سکتے اور ان کے جواب کو نہیں سن سکتے، لہٰذا ان میں علم ہے اور نہ قدرت کلام و جواب، لیکن منکرین سماع کو کم از کم اتنا تو غور کر لینا چاہیئے تھا کہ احوال قبر اور کیفیات برزخ غیب سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کا کشف ہر ایک پر نہیں ہو سکتا بلکہ خواص اور اخص الخواص پر ان کا کشف کیا جاتا ہے۔ لہٰذا اگر اہلِ قبور کے احوال، ان کا کلام، جواب سلام وغیرہ ہم نہ جان سکیں اور نہ سن سمجھ سکیں تو اس میں ہمارا قصور ہے نہ

کہ ان کا اور ہمیں بجائے اپنا قصور تسلیم کرنے کے مقربین بارگاہِ خداوندی کو بھی اپنے
ساتھ ملا کر بے علم و بے خبر ثابت کرنے سے کیا فائدہ اور خود اندھا بہرہ ہونے کی وجہ
سے کچھ دیکھ سُن نہ سکیں، تو آنکھوں سے دیکھنے والوں اور کانوں سے سننے والوں
کے علم و ادراک کی نفی کیونکر کر سکتے ہیں۔

علامہ قسطلانی مواہب میں فرماتے ہیں: لما کانت احوال القبور من الامور
الاخرویة لا جرم لا یدرکھا من الاحیاء الا من کشف له الغطاء
من الاولیاء المقربین لان متاع الاخرۃ باق ومن فی الدنیا فان
والفانی لا یتمتع بالباقی للتضاد۔ مواہب جز ثامن ص۳۱۵

یہ بنی اسرائیل کا مقام ہے جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو کہا تھا لن نومن لك
حتیٰ نری اللہ جھرۃ۔ مسلمانوں کی شان تو ایمان بالغیب ہے یؤمنون بالغیب
اگر چاہو تو بنی اسرائیل کی طرح دیکھ کر مانو، مگر عین ممکن کہ دیکھنے سے قبل صاعقہ عذاب
میں مبتلا ہو جاؤ اور حالتِ محرومی ہی میں دنیا سے کوچ کر جاؤ فاخذتکم الصاعقة
وانتم تنظرون اور اگر چاہو تو غیب ہی پر ایمان لے آؤ اور کتاب وسنت آثار صحابہ
اور اقوال علمائے امت سے جو کچھ ثابت ہے، اس کو بلا حیل وحجت تسلیم کر لو اور ہدایتِ
عظیم اور فلاحِ تام سے مشرف ہو جاؤ۔ اولئك علیٰ ھدی من ربھم واولئك
ھم المفلحون۔

اور اگر خواص یا اخص الخواص کی برابری کرنا چاہو اور جو تمہیں حاصل نہ ہو، وہ
مقربین کے لئے بھی تسلیم نہ کرو، تو یہ منافقین کی نشانی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اس
خواہش میں ہمیشہ کے لئے ناامید کر دیا ہے، فرمایا ما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب
ولکن اللہ یجتبی من رسله من یشاء۔

تنبیہ: ہماری ان گذارشات سے منکرین کے اس فریب کا پردہ بھی چاک

ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے بعد صحابہ کرام نے آپ کے غسل
دینے میں، کفن دینے میں اور مدفن میں اختلاف کیا اور کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم سے نہ پوچھا اور نہ جناب نے بتلایا لہٰذا سماع سلام و کلام اور جواب سلام وغیرہ
کا اعتقاد باطل ہو گیا، کیونکہ جب اولیاء کرام سے تواتر کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
سے بیداری میں شرفِ ملاقات حاصل کرنا اور استفادہ و استفاضہ منقول ہے، تو
محض صحابہ کرام اور اہل بیت کرام سے اس امر کا منقول نہ ہونا منکرین کی دلیل انکار
کیسے بن سکتا ہے۔ علامہ آلوسی حنفی نے اس مسئلہ کو بڑی بسط سے بیان فرمایا ہے۔
ملاحظہ ہو روح المعانی جلد۲۲ ص۳۵

شیخ محقق نے فرمایا: نعم از بعضے صالحین حکایات دریں باب آمدہ و بصحت
رسیدہ و حکایات و روایات مشائخ بسیار است نزدیک بحد تواتر رسیدہ و منکر ایں
حال تصدیق بکرامات اولیاء دارد یا ندارد اگر ندارد بحث با وے ساقط شد زیرا کہ
وے منکر است چیزے را کہ اثبات کردہ اند کتاب و سنت و اگر دارد ایں از جملہ
کرامات است باعث انکار چیست۔

علاوہ ازیں حضراتِ صحابہ کو آپ سے پوچھنے کی یا آنجناب کو علی الاعلان بتلانے
کی ضرورت تب پیش آتی جب آپ نے پہلے ہی یارِ غار کو ان اسرار پر مطلع نہ کر دیا ہوتا
جب وہی خلیفۂ وقت ہیں اور ان کو سب کچھ معلوم ہے تو جھگڑا کہاں رہا اور سوال و جواب
کی ضرورت کہاں پیدا ہوئی تاکہ صحابہ کے سوال نہ کرنے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے انہیں علانیہ جواب نہ دینے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سلام و کلام سننے
سمجھنے اور جواب دینے کی نفی کی جا سکے۔

مغالطہ پنجم

زندہ آدمی حالتِ نیند میں علم وادراک اور احساس وشعور سے عاری وخالی ہوتا ہے، اسی طرح زندہ بہرہ قوت سماعت وشنوائی سے محروم ہوتا ہے علیٰ ہذا القیاس حالتِ غشی اور اغماء میں عقل وحواس ادراک وشعور سے محروم ہوتے ہیں۔ جب زندگی ہوتے ہوئے یہ حال ہے تو روح کے بدن سے جدا ہوجانے کے بعد علم وادراک اور احساس وشعور کا تصور کیسے کیا جاسکتا ہے۔ دیکھئے قرآن کریم نے اصحابِ کہف کے حالتِ نیند میں نیند کی مدت سے بے خبر ہونے کو صراحت ووضاحت کے ساتھ بیان فرمادیا ہے۔ جب اولیاء اللہ اور محبوبانِ خدا کی یہ حالت ہے کہ نیند جیسا خفیف مانع انہیں اپنے اوپر وارد حالت وکیفیت سے باخبر نہیں ہونے دیتا، تو دوسروں میں بطریقِ اولیٰ علم وادراک اور سماع سلام وکلام کی نفی ثابت ہوجائے گی۔

نیز امام الانبیاء سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ التعریس میں سوئے رہے اور سورج طلوع ہونے کا علم نہ ہوسکا اور نماز رہ گئی۔ جب ان کی نیند سورج جیسی واضح شئی کے علم وادراک سے مانع ہوسکتی ہے، تو دوسری اشیائ سے بطریقِ اولیٰ نیز دوسرے انبیاء کرام میں بھی نفی اولویت کے طریقہ پر ثابت ہوجائے گی۔ جب انبیاء کرام کا یہ حال ہے تو اولیاء اور عوام مومنین کا خود اندازہ کرلیجئے۔

منکر سماع نے اپنی طرف سے ان قطعی حتمی دلائل کو ذکر کرکے آئمۂ دین اور علماءِ ملت اور اکابرِ امت بلکہ جمہور صحابہ وتابعین پر یوں غصہ نکالا (اہلِ علم کی مت ماری گئی

ہے، جب کوئی گمراہی کا راستہ اختیار کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کی عقلِ سلیم پہلے سلب کرلیتا ہے) شفاء الصدور مترجم ص۱

الجواب بتوفیق اللہ الوھاب

ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ عقیدۂ سماعِ اموات جمہور صحابہ کرام تابعین تبع تابعین کا مذہب ومسلک ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بھی اسی کی طرف رجوع فرمالیا، لہذا اجماعِ صحابہ اس پر منعقد ہوگیا۔ نیز احناف اہل السنت اور مالکیہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک بھی یہی مذہب حق اور مختار ہے اور اس میں دراصل صرف خوارج روافض اور معتزلہ کا خلافِ منقول ہے۔

یہ گذارش سماعت فرمانے کے بعد اندازہ کیجئے اس کم بخت بلکہ ازلی بدبخت منکر سماع نے کس کس مقدس ہستی کو گالی نہیں دی اور کون سا صحابی وتابعی اور امام و شیخ اور علامہ وقت اس جاہل کی بدزبانی سے محفوظ رہا اور بقول اس کے امت میں سے کون ہے جو ہدایت پر ہو بلکہ جب سماع اموات احادیث سے ثابت ہے تو گویا یہ اعتراض رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا اور قرآن کریم سے بھی ہم نے سماع اہل قبور ثابت کیا ہے تو گویا قرآن ہی کتابِ ہدایت نہ رہی۔ جب کتاب وسنت اور اجماع امت سے ثابت عقیدہ کا انکار کردیا جائے تو ایمان واسلام کہاں رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس امت کی ثناء کرے کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر۔ تم بہترین امت ہو جو کہ نیکی اور بھلائی کا حکم کرتے ہو اور برائیوں سے منع کرتے ہو۔ وکذلک جعلنٰکم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا۔ ہم نے تم کو اعتدال پسند اور عادل امت بنایا تاکہ تم قیامت کے دن پہلی امتوں پر شہادت دے کر انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کرو اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تم پر صفائی اور عدالت کے گواہ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ

اس امت کے متفق علیہ راستہ کو ہدایت اور اس کے خلاف کو گمراہی و بدینی فرمائے
ویتبع غیر سبیل المومنین نولہ ما تولیٰ ونصلہ جہنم وساءت مصیرا۔
حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں، میری امت ہرگز گمراہی پر متفق نہیں ہو سکتی۔
لا تجتمع امتی علی الضلالۃ۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیں کہ سوادِ اعظم اور
جمہور کی اتباع کرو، ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے اور جہنم کا ایندھن اتبعوا السواد الاعظم
فانہ من شذ شذ فی النار۔ انبیاء سابقین اس امت میں سے ہونے کی تمنا کریں
اور یہ بدبخت شقی القلب ربقۂ اسلام اور قیدِ ایمان سے آزاد ہو کر ان کو گمراہ اور عقلِ
سلیم سے عاری و خالی بتلائے۔ نعوذ باللہ من ھؤلاء الاشرار اللھم انا نجعلک
فی نحورھم ونعوذ بک من شرورھم۔

ایسے جاہل کے مقابل دلائل قائم کرنے کی ضرورت کیا۔ بندہ نے زمانہ طالب علمی
میں اس کو علمِ قیامت کی بحث میں لاجواب کر دیا تھا، جبکہ یہ بزعمِ خویش اکابر علماءِ ملت
خارجیہ میں شمار ہوتا تھا، نیز اس نے خود اپنی جہالت وحماقت کا برملا اعتراف کر لیا،
کیونکہ کہا اہلِ علم کی مت ماری گئی اگر یہ بھی اہلِ علم میں داخل ہے تو اس کی بھی مت
ماری گئی اور عقلِ سلیم سلب ہو گئی اور گمراہی کے راستہ پر چل نکلا اور اگر اہلِ علم میں نہیں اور
یقیناً نہیں تو پھر اس کی جہالت کا ثبوت اس کی اپنی زبان سے روزِ روشن سے بھی
زیادہ عیاں اور اس کی حماقت وشقاوت گزشتہ دن سے بھی زیادہ مستغنی از بیان۔

بہر حال جب کتاب وسنت اور اجماع امت سے دفن کے متصل بعد اموات
اور اہلِ قبور کے لئے سماع ثابت ہو گیا اور مجنون ومغمیٰ علیہ اور غشی ونشہ والے بہرہ
اور اندھے سبھی اس میں برابر ہیں، تو یہ قیاس خلافِ نصوص قرآن وحدیث اور مخالف
اجماع ہونے کی وجہ سے مردود وباطل ہو گیا اور کفار کے انکارِ قیامت میں گلی سڑی
ہڈیوں کا سہارا لینے یا معتزلہ کے عذابِ قبر کے انکار میں جسم کے افتراق وانتشار کا آسرا لینے

کے مترادف ہو گیا۔ بظاہر کفار کا انکارِ قیامت بڑی واضح دلیل پر مبنی ہے اور معتزلہ کا
مسلک مضبوط مشاہدات پر مبنی ہے، مگر ان کا بطلان اسلام میں روزِ روشن سے بھی زیادہ
واضح ہے۔ اسی طرح یہ شبہات بظاہر بے علم اور جاہل عوام کے لئے ناقابلِ تردید حقائق
ہیں، مگر اہلِ اسلام اہل السنت اور اہلِ علم کے نزدیک واہی شبہات اور بیت عنکبوت
سے زیادہ ضعیف مغالطات ہیں۔

لیکن عوام کے اذہان سے ان اوہام کا دُور کرنا بھی ضروری ہے؛ لہٰذا ہم پہلے اس
مغالطہ کا اجمالی جواب عرض کرتے ہیں اور اس کے بعد تفصیلی۔

اجمالی جواب :

عالمِ برزخ اور احوال قبر کے لحاظ سے اور دیگر امورِ آخرت کے لحاظ سے عالَم
دنیا کے ساکنین بیدار ہونے کے باوجود سوئے ہوئے ہیں اور سلامتیٔ عقل وحواس کے
باوجود مدہوش ہیں اور سمیع وبصیر ہونے کے باوجود بہرے اور اندھے ہیں اِلّا مَن
شاء اللہ۔ دراصل بیدار۔ صاحب عقل وفہم، سلیم الحواس اور سمیع وبصیر وہ ہیں، جو
تنگنائے عالم دُنیا سے عالمِ برزخ اور دارِ آخرت کی طرف عازمِ سفر ہو چکے ہیں، لہٰذا
جو دنیا میں ہی سوتے ہوتے ہیں یا مدہوش ومست اور عقل وفہم سے عاری ہیں یا آنکھوں
اور کانوں سے محروم ہیں۔ ان پر عالمِ برزخ اور دارِ آخرت والوں کا قیاس انتہائی لغو اور
بیہودہ ہے اور قیاس کرنے والے کی جہالت وحماقت کی دلیل ہے۔ اللہ رب العزت
نے فرمایا فکشفنا عنک غطاءک فبصرک الیوم حدید۔ آج کے دن ہم نے
تیری آنکھوں پر سے حجابات کو اٹھا دیا ہے، تیری آنکھ اب دیکھنے میں بہت تیز ہے۔
منبعِ ولایت مولیٰ مشکل کشا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، نے فرمایا الناس نیام فاذا
ماتوا انتبھوا۔ درِّ منثورہ للامام السیوطی علیٰ حاشیہ فتاویٰ حدیثیہ ص ۲۶۳
لوگ سوئے ہوئے ہیں، جب فوت ہوں گے، تب بیدار ہوں گے۔

لہٰذا جب بیدار، ارباب نظر و فکر اور اصحاب سمع و بصر پر اہلِ برزخ کا قیاس باطل ہے تو نیند میں مبتلا اور سمع و بصر یا عقل و فکر سے محروم افراد پر قیاس کیونکر درست ہو سکتا ہے۔ یہ قیاس تو ایسے ہے جس طرح کہا جائے کہ بچہ ماں کے پیٹ میں علم و ادراک اور سماع و فہم سے عاری ہوتا ہے لہٰذا دار دنیا کی طرف نکلنے اور عاقل و بالغ ہونے کے باوجود اور مختلف تجربات و مشاہدات کے باوجود بھی وہ اسی طرح رہتا ہے جیسے کہ والدہ کے پیٹ میں تھا۔

تفصیلی جواب: اس کی تقریر سے قبل چند مقدمات کا ذکر ضروری ہے؛

(۱) **مقدمہ اُولیٰ:** نفسِ انسانی کے چار وطن ہیں جن کے آثار و احکام جُدا جُدا ہیں اور پہلے کو پچھلے سے کوئی مناسبت نہیں ہے؛

امام سیوطی نے بشری الکئیب ص۱۷ او ۱۹ پر امام ابن القاسم سے نقل فرمایا؛

لِلنفس اربعۃ دور کل دار اعظم من التی قبلها۔ الاول بطن الام وذالك محل الضیق والحصر والغم والظلمات الثلاث والثانیۃ هی الدار التی انشأتها والفتها واكتسبت فیها الشر والخیر والثالثۃ وهی دار البرزخ وهی اوسع من هذه الدار واعظم ونسبۃ هذه الدار الیها كنسبۃ بطن الام الی هذه والرابعۃ وهی دار القرار الجنۃ او النار ولها فی كل دار من الدور حكم وشان غیر شان الاخریٰ۔

ترجمہ: نفسِ انسانی کے لئے چار گھر اور وطن ہیں، ہر گھر پہلے سے عظیم ہے پہلا ماں کا پیٹ ہے اور یہ تنگی و بندش کی جگہ اور غم و آلام اور پے درپے تاریکیوں کا مقام۔ دوسرا وہ گھر ہے جس میں نفس نے جنم لیا اور جس سے الفت و محبت قائم کی اور جس میں خیر و شر کو اپنایا۔ تیسرا دار برزخ ہے اور یہ دنیا سے بہت زیادہ وسیع ہے اور دُنیا اس کے مقابلہ میں یوں ہے جیسا کہ ماں کا پیٹ دُنیا کے مقابلہ میں۔ چوتھا وطن

دار قرار ہے، یعنی جنّت یا دوزخ اور نفس کے لئے ہر وطن کے لحاظ سے الگ حکم اور علیحدہ شان۔

اخرج الحكیم الترمذی فی نوادر الاصول عن انس قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ماشبهت خروج ابن آدم من الدنیا الا كمثل خروج الصبی من بطن امه من ذالك الغم والظلمۃ الی روح الدنیا

بشریٰ الکئیب ص۱۷ او ۱۹

ترجمہ: حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں حضرت انس رضی اللہ عنہٗ سے روایت نقل کی ہے کہ رسولِ خدا علیہ التحیۃ والثنا نے فرمایا؛ میں انسان کے دنیا سے دارِ برزخ کی طرف۔۔ منتقل ہونے کو یوں سمجھتا ہوں جیسے کہ بچے کا ماں کے پیٹ سے ظلمت و تاریکی سے چھٹکارا حاصل کر کے دنیا کی نعمتوں اور راحتوں کی طرف منتقل ہونا۔

(۲) **مقدمہ ثانیہ:** رُوح باعتبار ذات کے مجرد ہے نہ کہ مادی اور عالم آب و گل سے اور بدن کے ساتھ اس کا تعلق محض تدبیر و تصرّف والا ہے۔ گویا انسان میں دو چیزیں ہیں۔ روح جو عالمِ بالا سے تعلق رکھتا ہے اور عالمِ امر سے ہے قل الروح من امر ربی اور بدن جو کہ عالمِ سفلی سے ہے اور اربعہ عناصر سے مؤلف و مرکب ہے اور رُوح کے لئے بمنزلہ آلہ کار کے ہے۔ امام رازی قدس سرہٗ فرماتے ہیں؛

قد بینّا ان جوهر الروح لیس من جنس الاجسام الكائنۃ الفاسدة المتعرضۃ للتمزق والتفرق بل هو من جنس الملائكۃ الخ

یعنی ہم بیان کر چکے ہیں کہ رُوح ان اجسام میں سے نہیں ہے جو کہ ہیولیٰ و صورت سے مرکب ہوں اور تباہی و بربادی کے درپے ہوں، بلکہ وہ جنس ملائکہ سے ہے۔

امام غزالی فرماتے ہیں؛ بل البدن الجسمانی فی الیقظۃ ایضا لیس الا آلۃ النفس۔ مرقاۃ۔ جلد ۹ ص۲۵ باب الرویا۔

بلکہ بدن جسمانی حالتِ بیداری میں بھی نفس و روح کے لئے محض آلہ کار ہے۔

نیز صفات کمال سے حقیقتاً روح متصف ہوتا ہے اور بدن بالعرض وبالواسطہ

منکرین سماع کی تسلی کے لئے انہیں کے پیشوا مولانا محمد قاسم نانوتوی کی عبارت درج کرتا ہوں :

روح کی حیات اور صفات حیات یعنی وہ صفات جو کہ حیات پر موقوف ہیں۔ مثل سمع وبصر اصلی وذاتی ہیں (تا)، اور جسم کی صفات مذکورہ عرضی ہیں، یعنی عطاء روح ہیں۔

جمال قاسمی ص۱

(۳) مقدمہ ثالثہ : رُوح کا بدن کے ساتھ پانچ طرح کا تعلق ہے اور ہر ایک کا حکم جُدا جدا ہے۔ پہلا ماں کے پیٹ میں، دوسرا دنیا میں ظہور کے بعد تیسرا حالتِ نیند میں جو ایک لحاظ سے تعلق ہے اور دوسرے اعتبار سے مفارقت اور جُدائی چوتھا تعلق عالمِ برزخ میں جہاں کہ رُوح بدن سے مفارقت کے باوجود بالکل بے تعلق نہیں ہوتا، بلکہ ملوی تعلق کی بجائے مقابلہ وغیرہ کی صورت میں تعلق موجود رہتا ہے، بالکل بے توجہی وبے التفاتی نہیں ہوتی۔ پانچواں تعلق، حشر کے دن ہوگا جو کہ سب تعلقات سے کامل تر ہے اور پہلے تعلقات کو اس تعلق سے کوئی نسبت نہیں ہے، کیونکہ یہ ایسا تعلق ہے جس کے ہوتے ہوئے بدن نہ موت کو قبول کرتا ہے نہ نیند کو اور نہ ہی فساد وخرابی کو۔

یہ تقریر علامہ ابن القیم کی زبانی نقل ہو چکی اور یہی تقریر ملّا علی قاری نے شرح فقہ اکبر میں ذکر فرمائی۔ ملاحظہ ہو ص۱۵۴ اور خلاصہ فرق بیان کرتے ہوئے فرمایا :

والحاصل ان احکام الدنیا علی الابدان والارواح تبع لها واحکام البرزخ علی الارواح والابدان تبع لها واحکام الحشر والنشر علی الارواح والاجساد جمیعا۔

دنیوی احکام ابدان پر ہیں اور ارواح ان احکام میں ابدان کے تابع ہیں۔ برزخی احکام ارواح پر ہیں اور ابدان ان احکام میں ارواح کے تابع ہیں اور حشر و نشر والے احکام درحقیقت دونوں پر ہیں۔

نیز روح کے بدن کے ساتھ دوسرے تعلق کے لحاظ سے چار مرتبے ہیں۔ عقل ہیولانی، عقل بالملکۃ، عقل بالفعل، عقل مستفاد۔ عقل ہیولانی، عالم طفولیت کا وہ درجہ ہے جس میں علم وادراک کی صرف صلاحیت واستعداد موجود ہوتی ہے۔

عقل بالملکہ، اس مرتبہ میں ضروری اور بدیہی امور کا علم وادراک ہوتا ہے۔ عقل بالفعل اس مرتبہ میں معلومات سے مجہولات کے حاصل کرنے کی قدرت حاصل ہو جاتی ہے۔

عقل مستفاد، اس مرتبہ میں تمام معلومات کی صورتیں بیک وقت عقل وروح کے سامنے حاضر رہتی ہیں۔ یہ مرتبہ نفس انسانی اور روح مجرد کے مراتب کی انتہا ہے اور مدارج نفس کی معراج۔

مگر اس میں اختلاف ہے کہ تمام معلومات کے اعتبار سے دار دُنیا میں کسی کو یہ مرتبہ حاصل ہو سکتا ہے یا نہیں۔ فاضل میبذی نے فرمایا :

منهم من جوزها فی هذه النشأة للنفوس الکاملة لا یشغلها شان عن شان فانهم مع کونهم فی جلابیب الابدان قد انخرطوا فی سلک المجردات التی تشاهد معقولاتها دائما۔ ص۲۴۹

بعض فلاسفہ نے اس دنیا میں اس مرتبہ کا حصول ان کامل نفوس کے لئے جائز رکھا ہے، جن کو ایک حال دوسرے سے غافل نہیں کرتا، کیونکہ یہ نفوس اپنے اپنے ابدان کے پردوں میں محجوب ومستور ہونے کے باوجود ان مجردات کے کے زمرہ میں داخل ہیں جو اپنے معلومات کا ہمیشہ مطالعہ کرتے رہتے ہیں۔

علامہ عبدالعزیز پرہاروی نبراس میں فرماتے ہیں :

والصحیح انه لا یبعد فی الانبیاء وکمل اتباعهم۔ ص۹۲

صحیح یہ ہے کہ اس مرتبہ کا تحقق انبیاء کرام اور ان کے کامل متبعین میں بعید
نہیں، بلکہ جائز و صحیح ہے۔

امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ نے آیت کریمہ او من کان میتا فاحییناہ
وجعلنا لہ نورا یمشی بہ فی الناس کے تحت ان چاروں مرتبوں کو بیان فرمایا اور
آخری مرتبہ کے تحقق کی تصریح فرمائی، بلکہ بقول ان کے کلام مجید نے اس کے تحقق کو
واضح فرما دیا۔ عبارت ملاحظہ ہو:

اذا عرفت هذا فنقول المرتبة الاولى وهی حصول الاستعداد
فقط هی المسماة بالموت والمرتبة الثانية وهی ان تحصل العلوم البدیهية
الکلية فهی المشار اليه بقوله احييناه والمرتبة الثالثة وهی ترکيب
البدیهيات حتی يتوصل بها الی تعرف المجهولات النظرية فهی المراد
من قوله وجعلنا له نورا والمرتبة الرابعة وهی قوله يمشی به فی
الناس اشارة الی کونه مستحضرا لتلک الجلايا القدسية ناظرا اليها
وعند هذا تتم درجات سعادات النفس الانسانية۔

تفسیر کبیر جلد رابع ص ۱۳۹ و ۱۴۰

خلاصہ مقصود یہ ہے کہ پہلے مرتبہ کو اللہ تعالیٰ نے موت سے تعبیر فرمایا۔ دوسرے
کو حیات اور تیسرے کو نور سے اور چوتھے مرتبہ کی طرف (جس میں روح کی اپنے معلومات
انکشافات پر ہر وقت نظر ہوتی ہے) یمشی بہ فی الناس میں اشارہ فرمایا ہے اور
اس مرتبہ پر نفس انسانی کی سعادت و نیک بختی کے درجات کی انتہا ہوتی ہے اور اس
کے سب درجات و مراتب مکمل ہو جاتے ہیں۔

(۴) **مقدمہ رابعہ:** روح پر نیند، غفلت، مستی و مدہوشی و جہالت و لاعلمی،
ضعف و ناتوانی وغیرہ بدن کے ساتھ تدبیر و تصرف اور تکمیل و تربیت والے تعلق کی

وجہ سے طاری ہوتی ہے، ورنہ اصل جوہر کے لحاظ سے وہ جنس ملائکہ میں سے ہے،
وہ نیند و غفلت سے محفوظ ہیں یسبحون اللیل والنہار لا یفترون (شب و روز
اپنے رب کی تسبیح کرتے نہیں تھکتے)، لہٰذا یہ بھی اصل فطرت کے لحاظ سے ان عیوب و عوارض
سے محفوظ ہے، مگر بدن کی خدمت و تربیت میں منہمک اور مستغرق ہو کر یہ مدارج کمال اور
اور درجات عالیہ سے محروم ہو جاتا ہے اور اپنی ملکوتی قدرت و توانائی اور نورانیت و
لطافت ضائع کر بیٹھتا ہے، لیکن اگر عبادات و ریاضات میں مشغول رہ کر عالم آب و گل
کے اثرات اور میل و زنگ سے اپنے آپ کو پاک کر لے تو ملکوتی صفات اور علوم و معارف
اور وہی طاقتیں اس میں جلوہ گر ہو جاتی ہیں اور ان عیوب و عوارضات بشریہ و بدنیہ سے
بڑی حد تک منزہ ہو جاتا ہے۔

قال الرازی قدس سرہ قد بینا ان جوهر الروح ليس من جنس
الاجسام الکائنة الفاسدة المتعرضة للتمزق والتفرق بل هو من
جنس جواهر الملائکة وسکان عالم السموات ونوع المتقدسين المطهرين
الا انه، لما تعلق بها البدن واستغرق فی تدبيره صار فی ذالک الا
ستغراق الی حيث نسی الوطن الاول والمسکن المتقدم وصار بالکلية متشبها
بهذا الجسم الفاسد وضعفت قوته وذهبت مکنته ولم يقدر علی شیئ
من الافعال اما اذا استانس بمعرفة الله ومحبته وقل انغماسها فی تدبير
هذا البدن واشرقت عليها انوار الارواح السماوية العرشية المقدسة
وفاضت عليها من تلک الانوار قويت علی التصرف فی اجسام هذا العالم
مثل القوة الارواح الفلکية علی هذه الاعمال وذالک هو الکرامات۔

ترجمہ: ہم بیان کر چکے ہیں کہ جوہر روح اجسام دنیویہ فاسدہ کی جنس سے نہیں
جو کہ ریزہ ریزہ ہونے والے ہیں اور افتراق و انتشار کے درپے ہیں بلکہ وہ جواہر ملائکہ

کی جنس سے ہے اور عالمِ سمٰوات کے ساکنین اور مقدس و مطہر نفوس کی جنس سے ہے، مگر جبکہ اس کا تعلق اس بدن خاکی سے ہو گیا اور اس کی تدبیر و تربیت میں مستغرق ہو گیا، تو اس استغراق میں اس حد تک پہنچ گیا کہ اپنے وطن اصلی اور مسکن قدیم کو بھول گیا اور بالکل اس جسم فاسد کے مشابہ ہو گیا، اس کی قوت ختم ہو گئی اور اس کی قدرت رخصت ہو گئی اور کسی بھی فعل پر اسے قدرت نہ رہی۔

لیکن جب رُوح معرفتِ الٰہی اور محبتِ خداوندی سے مانوس ہو جائے اور اس بدن کی تدبیر و تکمیل میں اس کا استغراق کم ہو جائے اور اس پر ارواح سماویہ عرشیہ مقدسہ کا پرتوِ انوار پڑنے لگے، تو اس کو اس عالم کے اجسام میں اسی طرح تصرف کی قدرت حاصل ہو جاتی ہے جس طرح کہ ارواحِ فلکیہ کو ان اعمال پر اور یہی کرامات ہیں۔

نیز فرمایا: وفیه دقیقة اخری وهی ان مذهبنا ان الارواح البشریة مختلفة بالماهیة ففیها القویة والضعیفة وفیها النورانیة والکدرة (الی) فاذا اتفق فی نفس من النفوس کونها قویة القوة القدسیة مشرقة الجوهر علویة الطبیعة ثم انضاف الیها انواع الریاضات والعبادات التی تزیل عن وجهها غبرة عالم الکون والفساد اشرقت وتلألات وقویت علی التصرف فی هیولیٰ عالم الکون والفساد باعانة نور معرفة الحضرة الصمدیة وتقویة اضواء حضرة الجلال والعزة ولنقبض ههنا عنان البیان فان وراءها اسرار دقیقة واحوال عمیقة من لم یصل الیها لم یصدق بها۔ تفسیر کبیر جلد پنجم۔ صفحہ ۴۶۷، ۴۰۰

ترجمہ: اور یہاں ایک دوسرا نکتہ بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہمارے مذہب میں ارواح بشریہ ماہیت کے لحاظ سے مختلف ہیں، ان میں انتہائی قوی بھی ہیں اور ضعیف و ناتواں بھی اور ان میں نورانی بھی ہیں اور ظلمانی بھی (تا)، جب کسی نفس میں

اتفاقاً قوتِ قدسیہ بھی موجود ہو، اس کا جوہر نورانی ہو اور طبیعت علوی اور عالمِ بالا سے تعلق رکھنے والی ہو اور اس کے ساتھ ہی مختلف عبادات و ریاضات بھی اس کے ساتھ مل جائیں جو کہ اس کے چہرۂ جمال و کمال سے عالمِ کون و فساد کی گرد و غبار کو زائل کر دیں، تو روح میں چمک و دمک پیدا ہو جائے گی اور اسے عالمِ کون و فساد کے ہیولیٰ و حقیقت میں انوارِ معرفتِ الٰہیہ اور بارگاہِ جلال و صمدیت کی ضیاء پاشیوں کی مدد و اعانت سے تصرف کی قدرت و طاقت حاصل ہو جائے گی، اور اب موزوں یہی ہے کہ ہم لگامِ بیان کو روک لیں، کیونکہ اس کے بعد دقیق اسرار اور عمیق احوال ہیں جو خود ان تک واصل نہ ہوا اور یہ اقوال حال بن کر اس پر وارد نہ ہوں، وہ ان کی تصدیق نہیں کرے گا۔

نیز فرماتے ہیں: لاشک ان المتولی للانفعال هو الروح لا البدن ولاشك ان معرفة الله للروح كالروح للبدن علی ما قررنا فی تفسیر قوله تعالیٰ ینزل الملائکة بالروح من امره وقال علیه السلام ابیت عند ربی یطعمنی ویسقینی ولهذا المعنی نری ان کل من کان اکثر علماً باحوال عالم الغیب کان اقویٰ قلبا واقل ضعفاً ولهذا قال علی ابن ابی طالب کرم الله وجهه الکریم۔ والله ما قلعت باب خیبر بقوة جسدانیة ولکن بقوة ربانیه وذالك لان علیاً کرم الله وجهه فی ذالك الوقت انقطع نظره عن عالم الاجساد واشرقت الملائکة بانوار عالم الکبریاء فتقویٰ روحه وتشبه بجواهر الارواح الملکیة وتلألات فیه اضواء عالم القدس والعظمة فلا جرم حصل له من القدرة ما قدر به مالم یقدر علیه غیره وکذالك العبد اذا واظب علی الطاعات بلغ المقام الذی یقول الله کنت له سمعاً وبصراً فاذا صار نور جلال الله سمعاً له سمع القریب والبعید واذا صار ذالك النور بصراً له رأی القریب

والبعید واذا صار ذالك النور ید اللہ قدر علی التصرف فی الصعب والسهل والبعید والقریب - تفسیر کبیر جلد پنجم ص۲۶۷

ترجمہ: اس میں شک نہیں کہ افعال کا متولی اور کفیل و ذمہ دار صرف رُوح ہے نہ کہ بدن اور اس میں بھی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت روحِ انسانی کے لئے ایسے ہی ہے جیسا کہ روحِ انسانی بدنِ خاکی کے لئے جیسا کہ قول باری تعالیٰ ینزل الملائکہ بالروح من امرہ کی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ہر رات اپنے رب قدوس کی بارگاہ میں ہوتا ہوں، وہ مجھے انوارِ معرفت کی خوراک اور دیدارِ ذات کے شراب سے نوازتا ہے (لہٰذا مجھے دنیا کی خوراک اور دنیوی مشروبات کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی)، اور اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ جس ذات کو عالم غیب کا علم زیادہ ہو، اس کا دل بہت قوی ہوتا ہے اور اس میں ضعف نام کو بھی نہیں ہوتا اور اسی لئے سرچشمۂ ولایت حضرت علی رضی اللہ عنہ، نے فرمایا کہ بخدا میں نے قلعۂ خیبر کا دروازہ جسمانی قوت سے نہیں اکھاڑا، بلکہ قوتِ ربانیہ اور طاقت روحانیہ کے ساتھ اور یہ اس لئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، کی نظرِ اقدس اس وقت عالمِ اجساد و اجسام سے منقطع ہو گئی تھی اور ملائکہ انوارِ عالم کبریا کے ساتھ ان پر جلوہ گر ہوئے تو ان کا روح قوی و توانا ہو گیا اور ارواحِ ملکیہ کے مشابہ ہو گیا اور جہانِ قدس و عظمت کی ضیائیں ان میں منعکس ہوئیں، تو ان میں لامحالہ اتنی قدرت و ہمت پیدا ہو گئی جس کی بدولت وہ ایسے امر پر قادر ہو گئے جس پر کوئی دوسرا قادر نہ ہو سکا۔

اور ایسے ہی بندۂ خدا جب طاعات الٰہیہ پر ہمیشگی اور دوام اختیار کرے، تو اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں اس بندہ کے کان اور آنکھ بن جاتا ہوں، تو جب اللہ تعالیٰ کا نور جلال اس بندہ کے کان بن جاتا ہے تو دُور و نزدیک سے دیکھتا ہے اور جب انوارِ الٰہیہ اس کے ہاتھوں میں جلوہ گر ہوتے ہیں، تو

وہ ہاتھ مشکل و آسان اور بعید و قریب میں تصرّف و تدبیر پر قادر ہوتا ہے۔

نیز امام فخر الدین رازی قدس سرہٗ العزیز وکذالك نری ابراھیم ملکوت السموات والارض. الایہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

وھھنا دقیقة عقلیة وھی ان نور جلال اللہ لائح غیر منقطع ولا زائل البتة والارواح البشریة لا تصیر محرومة عن تلك الانوار الا لاجل الحجاب وذالك الحجاب لیس الّا الاشغال بغیر اللہ تعالیٰ فاذا کان الامر کذالك فبقدر ما یزول ذالك الحجاب یحصل ھذا التجلی دالیٰ، فلمّا زال ذالك الحجاب لاجرم تجلّیٰ لہٗ ملکوت السموات بالتمام الخ

تفسیر کبیر جلد چہارم ص۴۷

ترجمہ: اور یہاں ایک عقلی دقیقہ ہے اور وہ یہ ہے کہ نور جلالِ خداوندی ظاہر ہے مستور نہیں اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دُنیا کو منوّر کئے ہوئے ہے، نہ منقطع ہونے والا ہے اور نہ زوال پذیر ہے اور ارواح بشریہ ان انوار سے محروم نہیں ہوتے، مگر ایک حجاب کی وجہ سے اور وہ حجاب صرف غیر اللہ کے ساتھ مشغولیت و مصروفیت ہے۔ جب حقیقت امر یہ ہوئی تو (عبادات و ریاضات اور آیات آفاق و انفس میں نظر و فکر کے ساتھ) جتنا قدر یہ حجاب و مانع دُور ہوتا جائے گا یہ تجلّی حاصل ہوتی جائے گی (تا) اور جب یہ حجاب و مانع بالکل زائل ہو جائے تو لامحالہ آسمانی سلطنت انسان پر منکشف ہو جاتی ہے (جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر سلطنت ارضی و سماوی کو منکشف فرما دیا گیا)

اقول: بدن سے تعلق کی صورت میں رُوح گویا بدن کے اندر مقیّد ہوتا ہے اور وہ شہباز عالم قدس اس پنجرہ کے اندر محبوس و محجوب ہوتا ہے، اس کے دیکھنے، سننے، سونگھنے، پکڑنے اور چلنے پھرنے کے لئے مخصوص ذرائع و وسائل ہوتے ہیں جن کے

بغیر اس کا دیکھنا، سننا، سونگھنا اور پکڑنا یا چلنا پھرنا متصور نہیں ہو سکتا، مگر جب عبادات و ریاضات کی بدولت اور منصبِ محبوبیت پر فائز ہونے اور انوارِ ربانیہ کے ساتھ منور ہونے کی وجہ سے تعلق کے باوجود مجرد ہوتا ہے اور محبوس و محجوب ہونے کے باوجود آزاد ہوتا ہے تو پھر بدن والے آلات و اسباب کا محتاج نہیں رہتا اور بیک وقت ہر چیز اس کے پیش نظر ہوتی ہے، خواہ کسی جہت میں ہو اور اس کے ہاتھ ہر گوشہ عالم میں متصرف ہوتے ہیں۔ اور زمانہ ماضی و مستقبل بمع اپنے زمانیات کے اس بندۂ حق کے سامنے بمنزلہ حال کے ہوتا ہے، جیسا کہ شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

نظرت الیٰ بلاد اللہ جمعاً　　　کخردلۃ علیٰ حکم اتصال

میں ہمیشہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی کائنات کا ہر گوشہ اور ربع مسکون کا ہر شہر یوں دیکھ رہا ہوں جس طرح کہ رائی کا دانہ۔ اور شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

آنکہ غافل نیست از حق یک نفس
ماضی و مستقبلش حال است و بس
اشعۃ اللمعات۔

جو شخص ایک لحظہ کے لئے بھی اللہ تعالیٰ سے غافل نہیں ہوتا، ماضی و مستقبل کا زمانہ اس کے لئے حال کی مانند ہوتا ہے۔

ملا علی قاری قدس سرہٗ فرماتے ہیں قال القاضی و ذالک ان النفوس الزکیۃ القدسیۃ اذا تجردت عن العلائق البدنیۃ عرجت واتصلت بالملأ الاعلیٰ ولم یبق لھا حجاب فتری الکل کالمشاھد بنفسھا او باخبار الملک لھا وفیہ سر یطلع علیہ من تیسر لہٗ الخ مرقات۔ صـــ ۳۴۲ جلد دوم

ترجمہ: قاضی عیاض نے کہا پاکیزہ قدسی نفوس جب بدنی تعلقات اور اس کی آلودگیوں سے الگ ہو جائیں تو وہ بلندی پر فائز ہوتے ہیں اور ملأ اعلیٰ یعنی گروہ ملائکہ کے ساتھ مل جاتے ہیں اور ان کے لئے کوئی حجاب نہیں رہتا، وہ ہر چیز کو یوں ہی دیکھتے

ہیں جیسا کہ خود ہی ان کا مشاہدہ کر رہے ہوں یا ملائکہ کی اطلاع سے ان کو خبر ہوتی ہے اور اس میں ایک عظیم راز ہے جس پر وہی شخص مطلع ہو سکتا ہے جس کو توفیقِ الٰہی کا راہبر میسر ہو جائے۔

نوٹ: امام رازی، قاضی عیاض اور ملا علی قاری کی تصریحات کے علاوہ متعدد اقوال اور تصریحات اس ضمن میں حجاب القبر غیر مانع عن الادراک کے تحت درج ہو چکی ہیں۔ نیز ارواح کا علیین و سجین میں ہونا ادراک و سماع سے مانع نہیں وہ باب بھی اس تحقیق میں بہت مفید ہے۔

(حاصل جواب) ان تمہیدی مقدمات کے بعد حاصل جواب یہ ہے کہ دارِ دنیا کو دارِ آخرت اور دارِ برزخ کے ساتھ وہی نسبت ہے جو کہ ماں کے پیٹ کو دنیا کی وسعت و فراخی کے ساتھ اور ماں کے پیٹ میں بے خبری و لاعلمی کو دنیا کے اندر حاصل ہونے والے علوم و فنون اور تجربات و مشاہدات کے ساتھ لہٰذا دارِ دنیا میں انسان پر طاری ہونے والے عوارضات نیند و سکر اور جنون و اغماء وغیرہ پر عالمِ برزخ والوں کا قیاس کیسے درست ہو سکتا ہے، جبکہ دارِ دنیا میں جیتے جاگتے صاحبِ ہوش و عقل علماء و فضلاء کو اہلِ برزخ کے علوم و معارف کے ساتھ کوئی نسبت نہیں، بلکہ دنیا میں بسنے والے افراد میں سے اربابِ تعلق پر اربابِ تجرد و تفرد کا قیاس، اصحابِ قوۃ قدسیہ پر ان لوگوں کا قیاس جو اس سے محروم ہیں باطل ہے جو نفوس قفسِ بدن میں گرفتار ہیں، ان پر آزاد اور مجرد کا قیاس باطل ہے، بلکہ عقل کے مرتبہ ثانیہ کا اولیٰ پر، ثالثہ کا ثانیہ پر اور رابعہ کا ثالثہ پر قیاس لغو و باطل ہے۔ جب دارِ دنیا ہی میں مختلف مراتب متحقق ہیں اور ان میں سے اعلیٰ کا ادنیٰ پر قیاس باطل ہے تو عالمِ برزخ میں اعلیٰ ترین منصب و مرتبہ والوں کا دنیا میں ادنیٰ ترین مراتب یعنی نیند۔ مدہوشی و بیہوشی اور بہرہ پن وغیرہ پر قیاس کا بطلان دوپہر کے اجالے سے بھی زیادہ واضح ہے اور اس کی مثال یوں ہے جیسے کوئی کہے کہ بچہ کو ماں کے پیٹ میں

علم وادراک اور احساس وشعور نہیں تھا۔ لہٰذا دنیا میں کیسے ہوسکتا ہے، جس طرح یہ اہل عقل وہوش سے بعید تر ہے اسی طرح یہ قیاس بھی، کیونکہ موت کے بعد روح کو تجرد حاصل ہوتا ہے اور عوارض وعوائق بدنیہ سے چھٹکارا حاصل کرچکا ہوتا ہے اور ملأ اعلیٰ اور گروہ مقدسین ومطہرین ملائکہ معصومین کے زمرہ میں شامل ہوجاتا ہے اور اس میں ملکوتی صفات وقوٰی پوری طرح ظاہر ہوتے ہیں اور اس حالت میں ان کا ہر فعل بطور بر خرق عادت ہوتا ہے جیساکہ ملا علی قاری اور علامہ ابن القیم کی تحقیق سے ثابت کرچکے ہیں۔ دیکھئے باب (حجاب القبر غیر مانع عن الادراک والرویۃ)

لہٰذا جس طرح ارواح عوام کو ارواح خواص کے ساتھ باوجود دار دنیا میں ہونے اور بدن سے متعلق ہونے کے کوئی نسبت نہیں تو جب وہی ارواح خواص قید بدن سے آزاد ہوجائیں اور قفس بدن سے نجات حاصل کرلیں اور قید خانۂ عالمِ آب وگل سے چھٹکارا حاصل کرلیں اور عالم سفلی کے نشیب سے اعلیٰ علیین کی بلندی پر فائز ہوجائیں تو ان کے ساتھ کیا نسبت ہوسکتی ہے، بلکہ جس طرح اہل دنیا جنین پر طاری ہونے والے احوال وعوارض سے بالکلیہ غافل نہیں، ایسے ہی اہلِ برزخ اور اہلِ جنت دنیا والوں کے احوال سے بالکلیہ غافل نہیں اور جیسے کہ خواص ارحام اور بطون میں موجود اشیاء کا مشاہدہ کرتے ہیں اور جو خوراک وغیرہ ان کے پیٹ میں ہوتی ہے، اس کی خبر دیتے ہیں، جیساکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق قرآن کریم گواہی دیتا ہے وانبئکم بما تاکلون وما تدخرون فی بیوتکم۔ میں تمہیں ان چیزوں کی خبر دیتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور ان چیزوں کی جن کو تم گھروں کے اندر ذخیرہ رکھتے ہو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں:

اگر نمی بود لگامِ شریعت بر زبان من ہر آئینہ خبرے کردم شمارا بآنچہ می خورید و می نہید در خانہائے خود من میدانم آنچہ ظاہر وباطن شما است وشما در رنگ شیشہ ہا اید در نظر من ص ۱۹ ۔ اخبار الاخیار از شیخ عبدالحق دہلوی قدس سرہٗ۔

اگر شریعت کی لگام میری زبان پر نہ ہوتی، تو یقیناً میں تمہیں اس کی خبر دیتا جو کچھ تم کھاتے ہو، جو کچھ اپنے گھروں میں رکھتے ہو میں جانتا ہوں، جو کچھ تمہارا ظاہر ہے اور جو کچھ تم نے پوشیدہ کر رکھا ہے اور تم میرے نزدیک شیشوں کی مانند ہو (جن کا اندر باہر سے صاف نظر آتا ہے)

حضرت عبدالعزیز دباغ قدس سرہٗ العزیز فرماتے ہیں:

کیف یخفی امر الخمس علیہ صلی اللہ علیہ وسلم والواحد من اہل التصرف من امتہ الشریفۃ لا یمکنہ التصرف الا بمعرفۃ ہذہ الخمس۔

ابریز شریف، جواہر البحار للنبہانی جلد ثانی ص۲۷

ترجمہ: مغیبات خمس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کس طرح مخفی رہ سکتے ہیں جب کہ آنجناب کی امت کے اہلِ تصرف اولیاء کے لئے اتنے وقت تک تصرف ممکن نہیں جب تک کہ وہ ان پانچ مغیبات پر مطلع نہ ہوں۔

بہرحال جس طرح اولیاء کاملین پیٹ اور رحم کے امور پر مطلع ہوتے ہیں اور اطباء و حکماء کو ان امور کا علم ہوجاتا ہے، ایسے ہی خواص وکاملین اہل برزخ تمام جہان اور اس میں پیدا ہونے والے احوال پر مطلع ہوتے ہیں اور تمام اہلِ برزخ اپنے زائرین پر اور ان کے سلام وکلام پر مطلع ہوتے ہیں۔

لہٰذا منکرین سماع کا اہل قبور اور ارباب برزخ کو بہروں، سوتے ہوئے آدمیوں یا مجنون انسانوں پر قیاس کرکے ان سے علم وادراک اور احساس وشعور کی نفی کرنا قطعاً غلط ہے، بلکہ دار دنیا میں بیدار اور صاحب عقل وہوش پر بھی ان کا قیاس درست نہیں ہے تو ان پر کیونکر درست ہوگا منکرین کا یہ قول ان کی جہالت وحماقت میں منتہائے غایت تک واصل ہونے کی دلیل ہے اور شریعتِ مطہرہ سے بالکل نابلد ہونے کی علامت ہے اور بقول ان کے (جب کوئی گمراہی کا رستہ لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی عقل سلیم پہلے سلب کرلیتا ہے) اللہ تعالیٰ نے ان کو عقل سلیم سے محروم فرمادیا ہے۔ لئن شکرتم لازیدنکم ولئن کفرتم ان عذابی لشدید۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند علم وادراک کے منافی نہیں

رہا یہ شبہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لیلۃ التعریس میں سو جانے کی وجہ سے طلوع آفتاب کا علم نہ ہو سکا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور سب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی نماز فجر قضا ہو گئی، تو یہ منکرین کے مقصد میں تو کوئی نفع نہیں دے سکتا جیسا کہ اجمالی اور تفصیلی جواب سے عیاں ہے۔ البتہ اس سے منکرین کی قدر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی عظمتِ شان سے جہالت یا تجاہل ظاہر ہو گیا۔

جواب اول: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان عینی تنامان ولا ینام قلبی میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا اور آنسرور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس سوال کا جواب ہے کہ یا رسول اللہ آپ محو خواب ہوتے ہو خراٹوں کی آواز بھی سنائی دیتی ہے، مگر جب چشم رحمت بیدار ہوتی ہے تو نیا وضو کئے بغیر نماز میں مشغول ہو جاتے ہو تو آپ نے فرمایا میری آنکھیں اگرچہ خواب میں مصروف ہوتی ہیں، مگر دلِ اقدس بیدار رہتا ہے اور اس کو بدن کے تمام عوارضات پر اطلاع ہوتی ہے اور وضو کے منافی و مناقض عوارضات اس پر مخفی نہیں رہتے۔ لہٰذا محض نیند کی وجہ سے عوام مومنین کی طرح میرا وضو نہیں ٹوٹتا۔ مسلم شریف جلد اول ص۲۵۴ بخاری شریف جلد اول ص۵۰۴

بخاری شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کہ ملائکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم محو استراحت تھے اور ملائکہ عین اس وقت میں آپ کی عظمتِ شان کی مثال سنانا چاہتے تھے۔ بعض نے کہا

آپ تو سوئے ہوئے ہیں۔ ہم آپ کو اس حالت میں یہ مثال کیسے سنا سکتے ہیں تو دوسروں نے کہا ان العین نائمۃ والقلب یقظان الخ ان کی آنکھ مبارک اگرچہ خوابناک ہے، مگر دلِ اقدس بیدار ہے، یعنی وہ نیند کی حالت میں بھی تمہاری گفتگو کو سنتے رہیں گے۔ لہٰذا اس مثال کے بیان میں ہچکچاہٹ کی کوئی ضرورت نہیں۔ تفصیلی روایت مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ میں ملاحظہ کیجئے۔ اور بخاری شریف میں تمام انبیاء کرام کے متعلق یہ خصوصیت منقول ہے وکذلک الانبیاء تنام اعینہم ولا تنام قلوبہم۔ جلد اول ص۵۰۴

جب آنجناب رسالتمآب علیہ السلام والصلوٰۃ کی نیند بدن پر طاری عوارض سے غفلت کا موجب نہیں بن سکتی اور نہ ملائکہ کی گفتگو سننے سے مانع ہو سکتی ہے تو آپ کی نیند کو دوسروں کی نیند پر قیاس کرنا بالکل غلط ہو گیا۔ نیز جب آپ کی نیند کلام کے سننے سے مانع نہیں تو وصال شریف کو اس پر قیاس کر کے سلام و کلام کے سننے کی نفی کرنا بھی غلط ہو گیا۔

مانعین نے لیلۃ التعریس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طلوع آفتاب سے بے توجہی اور نماز فجر کے قضا ہونے کو اپنی دلیل بنایا ہے، حالانکہ محدثین کرام نے دونوں طرح کی روایات کو ذکر کیا ہے، تو صرف ایک قسم کا اعتبار کرنا اور جہاں نیند کے باوجود علم و ادراک ثابت ہوتا ہے، ان کا اعتبار نہ کرنا کمال بے انصافی اور نہایت خیانت ہے، اور قدر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص ہے اور آنجناب کی خصوصیت کا انکار ہے۔

جواب ثانی: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذہول طلوع آفتاب سے خواب غفلت کی وجہ سے نہیں تھا، بلکہ جلوۂ ذاتِ خداوندی میں فناء و استغراق کی وجہ سے اور تمام تر توجہات کے ذاتِ خداوندی میں جذب ہو جانے کی وجہ سے۔ تصریحات محدثین ملاحظہ فرمائیے اور ایمان کو تازگی بخشیے۔

۱۔ شیخ محقق اشعۃ اللمعات میں دل کی بیداری کے باوجود طلوعِ آفتاب سے ذہول کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وجواب دیگر آنست کہ نعم دل بیدار است ولیکن تواند کہ اورا حالتے وشہودے دست دہد کہ دراں مستغرق گردد از ما سوائے مشہود واز جمیع صور ومعانی ذاہل وغافل گردد چنانکہ دربعض احیان درحالت وحی مثل ایں حالت روئے میداد پس باعث نسیان وغفلت نوم قلب نباشد بلکہ طریان حالتِ عظیم کہ جز خدائے رب العزت حقیقت آں ندانند۔

اشعۃ اللمعات ص۳۴۴ جلد اوّل۔

اور ایسی ہی وجہ شیخ قدس سرہٗ نے نماز میں واقع ہونے والے سہو ونسیان کی بیان فرمائی ہے جس کی تقریر حضرت عزیر علیہ السلام والے قصہ کی تحقیق میں گزر چکی ہے۔

۲۔ ملا علی القاری قدس سرہ نے حضرت ابن العربی کا جواب نقل کرتے ہوئے فرمایا

قال ابن العربی هو صلی اللہ علیہ وسلم کیفما اختلف حالہ من نوم او یقظۃ فی حق وتحقیق مع الملائکۃ المقربین فی کل طریق وفج عمیق ان نسی فبآکد من المنسی اشتغل وان نام فبقلبہ ونفسہ علی اللہ اقبل ولهذا قال الصحابۃ رضی اللہ عنہم کان النبی اذا نام لا نوقظہ حتی یستیقظ بنفسہ لانا لا ندری ما هو فیہ فنومہ عن الصلوٰۃ او نسیانہ لشیئ منہا لم یکن عن آفۃ وانما کان بالتصرف من حالۃ الی حالۃ مثلها لیکو لنا سنۃ۔ مرقاۃ جلد ثانی ص۱۸۰

ترجمہ: حضرت ابن العربی قدس سرہٗ نے فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت مبارکہ جیسی بھی ہو، یعنی آپ نیند میں ہوں یا بیداری میں یقینی طور آپ اپنے اطوار وآداب کے لحاظ سے ملائکہ مقربین کے زمرہ میں داخل ہیں۔ اگر آپ پر نسیان طاری ہوتا ہے، تو بھولی ہوئی شیئ سے زیادہ اہم امر میں آپ مشغول ہوتے ہیں اور اگر آپ بظاہر محوِ خواب ہوتے ہیں، تو درحقیقت قلبِ اقدس اور روح مبارک کے ساتھ ذات باری تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اسی لئے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خوابِ استراحت میں ہوتے، تو ہم آپ کو بیدار کرنے کی جرأت نہیں کرتے

تھے، حتیٰ کہ آنجناب خود بخود بیدار ہوتے، کیونکہ ہمیں یہ علم نہیں ہوتا تھا کہ آنجناب بظاہر حالتِ نیند میں ہیں، مگر درحقیقت کسی عظیم حالت میں ہوں جس سے بیدار کرنا آنجناب کے لئے گوارا نہ ہو۔

لہٰذا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز سے سو جانا یا نماز میں سے کسی شیئ کا بھول جانا آفتِ بدنیہ کی وجہ سے نہیں بلکہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف انتقال وتوجہ کی وجہ سے ہے جو کہ پہلی کی مثل ہے تاکہ اس صورت میں ہمارے لئے نیا مسئلہ اور نیا حکم ظاہر ہو جائے۔

۳۔ علامہ طیبی نے فرمایا: والحدیث مؤول بانہٗ نسی لیبین یعنی الحکمۃ فی نومہ وذهولہ بالحضرۃ الباطنیۃ عن الطاعۃ الظاهریۃ لیعرف حکم القضاء بدلیل فعلی الخ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ثانی ص۱۷۵

ترجمہ: حدیث میں تاویل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ التعریس میں اس لئے بھولے تاکہ ہمارے لئے ایک نیا طریقہ متعین فرمائیں، یعنی آں سرور صلی اللہ علیہ وسلم کے نیند وذہول میں منہمک ہو کر بظاہر طاعت سے اعراض اور بباطن حضرت الٰہیہ میں استغراق کی حکمت یہ ہے کہ حکمِ قضاء دلیل فعلی کے ساتھ معلوم ہو جائے۔

اقول: آنجناب کا زبانِ اقدس سے قضاء نماز کا طریقہ بیان فرما دینا اگرچہ کافی تھا، مگر عملی طور پر اس کی تعلیم زیادہ مؤثر تھی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کی توجہات قلبیہ کو اپنی ذات میں جذب کر لیا تاکہ نماز قضا ہو جائے اور پھر صحابہ کرام کو آپ خود پڑھائیں اور انہیں قضاء صلوٰۃ کا طریقہ معلوم ہو جائے اور محدثین کرام کا یہ قول محض دعویٰ نہیں، بلکہ اسی حدیث کے اندر اس دعویٰ کی دلیل موجود ہے۔ جیسا کہ

امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ نے زید بن اسلم سے روایت کیا ہے ثم التفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی ابی بکر رضی اللہ عنہٗ فقال ان الشیطان آتی بلا لا

رضی اللہ عنہ وھو قائم یصلی فاضجعہ ثم لم یزل یھدئہ کما یھدی الصبی حتی نام ثم دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلالا رضی اللہ عنہ فاخبر بلال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل الذی اخبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابابکر رضی اللہ عنہ فقال ابوبکر اشھد انک رسول اللہ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز قضا کرنے کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کو بلال رضی اللہ عنہ، (جن کو آنجناب نے نماز فجر کے لئے بیدار کرنے کا فریضہ تفویض فرمایا تھا، مگر وہ اس حکم کی تعمیل نہ کرسکے اور سو گئے) کے سو جانے اور تعمیل ارشاد نہ کرسکنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ بلال نماز کے اندر مصروف تھے، (جبکہ ہم سوئے ہوئے تھے) اس وقت شیطان ان کے پاس آیا اور انہیں سلا دیا اور پھر انہیں تھپکیاں دیتا رہا جیسے کہ بچے کو سلانے کے لئے تھپکی دی جاتی ہے یہاں تک کہ وہ گہری نیند سو گئے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو بلالیا تاکہ وہ اپنی زبانی اپنا عذر بیان کریں تو حضرت بلال نے حضور سے وہی کچھ عرض کیا جو آپ نے پہلے حضرت صدیق یار غار محرم اسرار کو بتلادیا تھا۔ حضرت صدیق اکبر نے اس معجزہ کا مشاہدہ کرنے کے بعد عرض کیا، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ یقیناً اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

جب قلب بیدار کے مالک ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر بیتنے والی حالت کا مشاہدہ فرما رہے تھے اور ابلیس کی آمد پر اس کا بلال کو لٹانا اور اسے تھپکیاں دینا ملاحظہ فرما رہے تھے تو وقت فجر کا ملاحظہ و مشاہدہ مشکل یا ناممکن کیسے ہو سکتا تھا لہٰذا یہاں بے التفاتی اور بے توجہی کی اور نماز فجر کے قضاء ہونے کی صرف یہی وجہ ہے کہ تشریع احکام کے لئے آنجناب کی تمام تر توجہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف جذب کرلیا، بلکہ استغراق کی وجہ سے بے التفاتی تو بیداری کی حالت میں بھی طاری ہو جاتی تھی جیسا کہ حالتِ وحی میں لہٰذا اس حالت میں بے علمی و بے خبری اور غفلت و جہالت کا فتویٰ صادر کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

جناب پاک میں کمال جسارت اور بہت بڑی جرأت ہے جو مومن مخلص کے لئے قطعاً زیبا نہیں، بلکہ مومن سے ایسے امر کا صادر ہونا ممکن ہی نہیں۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ آپ کو نیند کی حالت میں بھی نماز فجر کا وقت بتلا سکتا تھا اور طلوعِ آفتاب سے پہلے بیدار کرسکتا تھا، کیونکہ حالتِ نیند میں ارواح انسانیہ کو وہی قبض فرماتا ہے اور جب چاہتا ہے، انہیں اپنے اپنے ابدان کی طرف بھیجتا ہے، فرمایا ھو الذی یتوفاکم باللیل۔ اللہ تعالیٰ ایسا قادر ہے جو رات میں تمہیں فوت کرتا ہے۔ فرمایا اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا۔ الآیہ۔ اللہ تعالیٰ ہی نفوس کو ان کی موت کے وقت میں قبض کرتا ہے اور جن پر موت طاری نہیں ہوئی ہوتی، ان کو نیند کی حالت میں قبض فرماتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے اضطراب اور بے چینی کو دیکھ کر تسلی دیتے ہوئے فرمایا یا ایھا الناس ان اللہ قبض ارواحنا ولوشاء لردھا الینا فی حین غیر ھذا فاذا رقد احدکم عن الصلواۃ او نسیھا ثم فزع الیھا فلیصلھا کما کان یصلیھا۔ الحدیث۔

اے صحابہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے روحوں کو اپنے قبضے میں لے لیا تھا اور اگر وہ چاہتا تو انہیں طلوعِ آفتاب سے پہلے ہماری طرف لوٹا دیتا۔ جب تم میں سے کوئی شخص نماز سے سو جائے یا نماز کو بھول جائے، پھر اس کی طرف متوجہ ہو تو اسے چاہیئے کہ اسے ویسے ہی ادا کرے، جیسے کہ وقت کے اندر اسے ادا کیا کرتا تھا۔

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ان کے رُوح کو نہ لوٹایا، انہیں بیدار نہ کیا اور نماز کے وقت کی خبر نہ دی تو معلوم ہوا کہ مقصود حکمِ قضا کی مشروعیت تھی، ورنہ جن کا دل بیدار بلال کے قلبی کیفیات اور ان پر طاری خیالات کا ملاحظہ فرما سکتا ہے اور وضو توڑنے والے عوارضات کو محسوس کرسکتا ہے ان پر صبح صادق کا طلوع کیونکر مخفی ہو سکتا ہے۔

الغرض یہ ہے مسلک محدثین کرام کا اور حقیقت لیلۃ التعریس والی حدیث پاک کی، مگر کیا کریں چشم بدبین کو ہنر بھی عیب معلوم ہوتے ہیں اور کمالات بھی نقائص معلوم ہوتے ہیں اور ان کا صرف اور صرف یہ مقصد ہے کہ کسی نہ کسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لاعلمی اور بیخبری ثابت کر سکیں اور ان کی خداداد عظمت و رفعت کو گھٹا سکیں نعوذ باللہ منہ۔

جب حدیث پاک میں بیداری کے بعد وحی نازل ہونے پر کوئی قرینہ اور دلیل موجود نہیں اور لاینام قلبی دلِ اقدس کی بیداری اور احوال و عوارضات کی اطلاع پر شاہد عدل ہے تو اس بے سروپا خدشہ اور غیر ناشی عن الدلیل شبہ کا کیا اعتبار بلکہ حدیث ملائکہ اور اس روایت سے ثابت ہوگیا کہ مبصرات و مسموعات پر اطلاع جس طرح بیداری کی حالت میں ہوتی تھی، اسی طرح نیند کی حالت میں بھی۔ ان دونوں حالتوں میں ادراک و علم کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں تھا۔ فالحمد للہ ؎

تو گھٹانے سے کسی کے نہ گھٹا ہے نہ گھٹے — جب بڑھائے تجھے اللہ تعالیٰ تیرا
وَرَفَعنا لک ذکرک کا ہے سایہ تجھ پر — بول بالا ہے تیرا ذکر ہے اونچا تیرا
مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اعدا تیرے — نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا

تنبیہ

اگر منکرین کے تمام تر مغالطات وشبہات اور بے سروپا خدشات کا جواب نقل کرتا جاؤں، تو یہ رسالہ ایک ضخیم کتاب کی شکل اختیار کرلے گا اور یہ تطویل قارئین کرام کے لئے موجب ملال ہو سکتی ہے، جبکہ پہلے ہی کافی طوالت ہوگئی ہے، اسی لئے اسی قدر پر اکتفا کرتا ہوں اور انشاء اللہ اسی تحقیق سے باقی تمام خدشات کا جواب آجائے گا۔ نیز منکرین سے بصد ادب گزارش ہے کہ ان تاویلات و تسویلات کی ضرورت نہیں۔ صرف ایک حدیث دکھلا دو جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ اہلِ قبور نہیں سنتے' انہیں زائرین کا علم نہیں ہوتا۔ چلو صحیح حدیث نہ سہی، ضعیف حدیث سے ہی ثابت کردو کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے سماع اموات اور ان کے علم و ادراک کا انکار فرمایا ہو اور جب یہ نہ کرسکو اور انشاء اللہ ہرگز نہیں کرسکو گے تو خدارا جمہور صحابہ و تابعین' تبع تابعین اور جمہور اہل السنت کے مذہب پر قرآن وسنت کی مخالفت کرتے ہوئے ردّ و قدح کرنا اور سماع موتیٰ کے قائلین کو ملحد و بے دین وغیرہ کہنا چھوڑ دیجئے، اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مذاق کرنا ترک کیجئے اور دین میں نئے راستے نکالنا بند کیجئے۔

اعجوبۂ عجیبہ و لطیفۂ غریبہ و تتمہ مُبحث سماع

منکرین سماع اموات نے اپنے دعویٰ کو برحق ثابت کرنے کے لئے قرآن کریم کی متعدد آیات کو بطورِ دلیل پیش کیا اور جتنی احادیث سماع اہلِ قبور پر دلالت کرتی تھیں، ان سب کو خلافِ قرآن کہہ کر رد کر دیا اور علمائے احناف سے صرف معتزلہ کا قول اختیار کرتے ہوئے جمہورِ اہلِ السنت کے مذہب و مسلک کو باطل قرار دیا اور سماع موتیٰ کا قول کرنے والوں کو بدعتی، گمراہ، ملحد اور بے دین وغیرہ وغیرہ کے القاب سے نوازا۔ مگر پتہ نہیں، ان کے دماغ کو کیا چکر آیا کہ پھر سماع کو خود ہی تسلیم کر لیا۔ میرے سامنے منکرین کا ایک رسالہ مسمیٰ بہ شفاء الصدور ہے۔ عموماً اسی کے شبہات و خدشات کا بندہ نے جواب ذکر کیا ہے۔ اس کے مؤلف مولوی محمد حسین صاحب نیلوی ہیں اور مترجم مولوی محمد امیر بندیالوی ہیں۔ مؤلف صاحب نے اپنے کتابچہ میں بزعمِ خویش سماع موتیٰ کی نفی میں وہ کچھ کر دکھلایا جو آج تک کسی منکر سے نہ ہو سکا۔ مگر اسی رسالہ کے حاشیہ پر فرمایا:

وما نقل عن روح المعانی من انہ یقول بسماع الموتیٰ مطلقاً فممنوع اذ قال (الحق ان الموتیٰ یسمعون فی الجملۃ رائی) وقال والمیت یسمع اللہ روحہ السلام علیہ من زائرہ فی ای وقت کان و یقدرہ علیٰ رد السلام کما صرح بہ فی بعض الاثار ص ۵۱ و ۵۲ / ۲۱ قلت وبہ نقول ۱۲ منہ

خلاصہ: روح المعانی سے یہ جو نقل کیا گیا ہے کہ وہ مطلقاً سماع موتیٰ کے قائل ہیں، درست نہیں وہ صرف یہ فرماتے ہیں کہ حق یہ ہے کہ میت فی الجملہ سنتے ہیں اور اسی قدر سماع تسلیم کیا ہے، جتنا قدر احادیث سے ثابت ہے یعنی سلام وغیرہ اور یہی وجہ میرے نزدیک راجح ہے۔ پھر انہوں نے بطورِ نتیجہ و تفریع اپنا مسلک بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کے روح کو زائرین کا سلام سناتا ہے جس وقت میں بھی وہ زیارت کرے اور سلام دے اور اسے سلام کے جواب پر بھی قدرت بخشتا ہے، جیسا کہ بعض آثار و روایات میں اس کی تصریح کی گئی ہے۔

اس کلام کو نقل کر کے نیلوی صاحب نے کہا وبہ نقول۔ ہم بھی اسی کے قائل ہیں، اور یہی ہمارا مذہب ہے۔ دیکھئے شفاء الصدور ص۱۴ پر حاشیہ

کوئی ان بھلے مانسوں سے پوچھے کہ اگر اموات کے ارواح زائرین کا سلام وغیرہ سنتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو جواب دینے کی قدرت بھی عطا فرماتا ہے اور اس میں وقت کی پابندی بھی نہیں اب بھی کوئی زیارت کرے اور سلام دے وہ سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں، تو اتنی دماغ سوزی اور اوراق سیاہ کرنے کی کیا ضرورت تھی اور احادیث پر رد و قدح اور ان کو خلافِ قرآن قرار دینے کا باعث کیا تھا اور سینکڑوں احادیث کو ناقابلِ اعتبار و استناد اور مردود و باطل کہنے کی حاجت کیا تھی۔ صرف اتنا قدر کہنا کافی تھا کہ آیات میں جہاں سماع کی نفی ہے، تو اس سے موتیٰ کے ابدان و اجسام سے سننے کی نفی کی گئی ہے اور احادیث سے سماع اہلِ قبور کا ثابت ہوتا ہے تو اس سے ارواح اہلِ قبور کا سننا مراد ہے۔ لہٰذا نہ آیات کا باہم تخالف و تعارض لازم آتا اور نہ آیات و احادیث میں تقابل و تعارض لازم آتا اور نہ ہی احادیث پر سند کے لحاظ سے بحث کی ضرورت پیش آتی، بلکہ اس طرح آیات و احادیث میں توافق پیدا ہو جاتا۔ نیز حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایتوں میں بھی۔ مگر تعجب ہے کہ مؤلف نے اپنے اس

عقیدہ کو اصل کتاب میں جگہ ہی نہیں دی، بلکہ صرف حاشیہ پر لکھ دیا اور مترجم نے اس کا ترجمہ کرنے کی بھی تکلیف نہیں فرمائی جس سے صاف ظاہر ہے کہ ان کا مقصود محض تلبیس و تخلیط تھا نہ کہ مسئلہ کی تحقیق اور آیات و احادیث کا حقیقی محمل بیان کرنا ان کا مطمع نظر صرف فریب کاری اور دھوکہ دہی تھا نہ کہ اظہار حقیقت، ورنہ اس عقیدہ کو اوّل فرصت میں بیان کرنا ازحد ضروری تھا۔

۲۔ نیز مؤلف نے ارواح کا سُننا تسلیم کر لیا ہے، مگر مترجم صاحب فرماتے ہیں کہ بدن مٹی کے ساتھ مٹی ہو جاتا ہے اور روح علیین یا سجین میں لاکھوں میلوں کی مسافت پر ہوتا ہے، اس کے سماع کا عقیدہ ندا لغیب ہے۔

ملاحظہ ہو شمامۃ الصدر مترجم صنہ المبعہ بقیہ مبحث جو فہرست مضامین کے نیچے مندرج ہے۔ گویا مؤلف نے مترجم کا مذہب رد کر دیا اور مترجم نے مؤلف کا بلکہ اس پر شرک کا فتویٰ بھی لگا دیا، کیونکہ ندا للغیب تو ان کے نزدیک شرک ہے۔ لہٰذا ارواح کا سماع تسلیم کرنا شرک ٹھہرا اور مؤلف نے اس کو تسلیم کر لیا لہٰذا بقولِ مترجم وہ مشرک ٹھہرا۔ اب فرمایئے کس کی مانیں اور کس کی نہ مانیں۔ کون سچا ہے اور کون جھوٹا۔ مؤلف و مترجم دونوں ایک ہی مدرسہ میں رہنے والے ایک مہتمم اور دوسرا مدرس، مگر مل کر فیصلہ نہ کر سکے کہ سماع ارواح تسلیم کریں یا اس کا بھی انکار کر دیں۔

۳۔ جن ارواح کے سماع کا اعتراف کیا ہے، ان کا اپنے ابدان و اجسام اور ان کی قبروں سے تعلق ہے یا نہیں؟ اگر تعلق نہیں تو پھر قبروں پر سلام دینے سے علیین یا سجین سے ان کو زائرین کا اور ان کے سلام دینے کا علم کیسے ہو جاتا ہے۔ نیز جب قبور سے ان کا کوئی خصوصی تعلق نہیں ہے تو پھر ہر مقام ان کے لئے ایک جیسا ہے۔ لہٰذا صرف زائرین کا علم ہو اور دوسروں کا نہ ہو۔ ان کا سلام و کلام سن سکیں، دوسروں کا نہ سن سکیں اس کی وجہ کیا ہے؟ اور اگر قبور سے تعلق ہے اور ابدان و اجسام سے بھی اور اسی تعلق سے

ہی حیاتِ قبر و برزخ ہے تو پھر ارواح کے واسطہ سے اہلِ قبور اموات کا سننا ثابت ہو گیا جس کا انکار کیا تھا، اسی کا اقرار اور جہاں سے فرار اختیار کیا، وہیں پر قرار لازم آگیا۔

۴۔ امام رازی اور امام غزالی وغیرہم اکابر کی تحقیق کے مطابق حقیقتِ انسانیہ صرف روح اور نفس ناطقہ انسانی ہے اور بدن اس کا آلہ ہے، امام رازی کی عبارت گذر چکی ہے۔ امام غزالی کی عبارت اب ملاحظہ فرمایئے۔ شیخ محقق حضرت عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ نے اشعۃ اللمعات جلد سوم ص۶۸۳ پر فرمایا:

امام حجۃ الاسلام گفتہ حقیقت انسان عبارت است از روح مجرد و نفس ناطقہ وے و بدن آلت است کہ میرساند دیدن او بادراک آں حقیقت۔

یعنی انسان کی حقیقت اس کا روح مجرد اور نفس ناطقہ ہے اور بدن محض اس کا آلہ ہے جس کا دیکھنا اس کی حقیقت کو معلوم کرنے کا موجب بن جاتا ہے۔ وکذا فی الشہاب الثاقب نقلا عن البراھین قاطعہ ص۹۴

جب یہ امر واضح ہو گیا کہ انسان درحقیقت وہ جسم نورانی ہے جو اس بدن عنصری میں اس طرح سرایت کئے ہوئے ہے جس طرح دودھ کی سفیدی دودھ کے ہر قطرہ میں اور عالم و مدرک فاعل و متصرف دنیا و برزخ اور عالم آخرت میں صرف وہی ہے تو پھر اس کا سماع تسلیم کر کے محض اس کے آلہ سے ادراک و سماع کی نفی پر زور دینے کا کیا مطلب اور اس سے کیا فائدہ؟ جب کہ بدن کو دنیوی زندگی میں بھی فعل و تصرف حاصل نہیں تھا۔ وہاں بھی حقیقی فاعل و متصرف اور سامع و عالم صرف روح تھا۔

۵۔ چلو اسے چھوڑیئے روح حقیقتِ انسانیہ کا جزو ہی مان لیتے ہیں۔ انسان بدن عنصری اور روح مجرد کا نام ہے، مگر جب اس کا ایک جز عالم و مدرک ہو اور سلام و کلام سن رہا ہو اور دوسرا جز نہ بھی سن رہا ہو، بلکہ اس میں سننے جاننے کی اہلیت بھی نہ ہو تو بھی انسان کو عالم و سامع کہنا درست ہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو دنیا میں اس کے علم و سماع کا

انکار کردینا چاہیئے، کیونکہ بدن تو حیاتِ دنیویہ میں بھی علوم و ادراکات کا اہل نہیں علی الخصوص ہاتھ، پاؤں، پیٹ، پیٹھ اور اندرونی اجزاء وغیرہ۔ اور اگر درست ہے اور یقیناً درست ہے تو پھر فوت ہونے والے انسانوں کو عالم و مدرک اور سامع و فاہم ماننا درست ہوگیا، کیونکہ ان کے ارواح میں علم و ادراک اور سماع و فہم کا خود منکرین نے اقرار کرلیا ہے اور ارواح یا عین حقیقت ہیں اور یا جزء ولہٰذا ان کا عالم و سامع ہونا خود انسان کا عالم و سامع ہونا ہے، تو فرمایئے انکار احادیث و آثار میں اس قدر سینہ زوری اور قائلین سماع پر منہ زوری کا کیا جواز رہ گیا؟

۶۔ مؤلف نے علامہ سید محمود آلوسی صاحب روح المعانی کا صرف سماع والا قول نقل کیا ہے، حالانکہ انہوں نے دو وجہیں اپنی طرف سے ذکر فرمائی ہیں اور تیسری وجہ عارف ابن برجان کی زبانی نقل کی ہے۔ ان میں عارف برجان والی وجہ اور اپنی پہلی وجہ میں بدن کے اندر الحیات سماع کو تسلیم کیا ہے، بلکہ اپنی تحقیق سے صرف تین سطر پہلے انہوں نے فرمایا والجمھور علیٰ عود الروح الی الجسد او بعضہ وقت السوال علیٰ وجہ لا یحس بہ اھل الدنیا الا من شاء اللہ منھم۔

جمہور کا مذہب یہ ہے کہ روح کو تمام بدن یا اس کے بعض حصہ کی طرف نکیرین کے سوال کے وقت لوٹایا جاتا ہے، مگر اس طریقہ پر کہ اہل دنیا اس کا احساس نہیں کرسکتے، ہاں جن کو اللہ تعالیٰ اطلاع دینا چاہے۔

الغرض وقتِ سوال میں روح کا اعادہ مسلّم ہے۔ اس کے بعد اختلاف ہے اور علامہ آلوسی نے دونوں طرح کے اقوال ذکر کیئے ہیں، مگر مؤلف نے صرف ایک قول نقل کرکے یہ تاثر دینے کی سعیٔ ناتمام فرمائی ہے کہ وہ صرف سماع روحانی کے قائل ہیں اور اجسام و ابدان کا سماع تسلیم نہیں کرتے، حالانکہ یہ بدترین خیانت ہے اور یہ خیانت سہواً نہیں قصداً کی گئی ہے۔ ورنہ انک لا تسمع الموتیٰ کی تحقیق میں ان کی طرف

انکارِ سماع کی نسبت کرنے کا کیا جواز تھا، جیسا کہ مؤلف نے اپنے کتابچہ میں ان پر افتراءً کرتے ہوئے لکھا، جبکہ انہوں نے والحق ان الموتیٰ یسمعون کہہ کر رد کردیا تھا اور اپنا مسلک و مذہب واضح کردیا تھا۔

۷۔ مؤلف نے آیات و احادیث سے قائلین سماع پر جتنے اعتراض کئے اور ان کے مسلک کا جو رد کیا ہے، وہ سارے اعتراضات اور وجوہِ ردّ و قدح خود اس پر وارد ہوگئے جو جواب ان کا سماع روح تسلیم کرنے کے باوجود ہوسکتا ہے۔ وہ جواب سماع بدن تسلیم کرکے دیا جاسکتا ہے اور جو فتوے جمہور صحابہ کرام اور تابعین و تبع تابعین پر لگایا، اور جمہور اہل السنت کو جو گالیاں دیں، وہ سب لوٹ کر اسی کی طرف آگئیں۔

نعوذ باللہ من سوء الفہم وفساد العقل واختلال الذھن

فالان حصحص الحق وبان وزھق الباطل ومان فللہِ الحمد والاحسان

وصلی اللہ علیٰ حبیبہ ومحبوبہ محمد سید العالمین وآلہ واصحابہ الکاملین الواصلین وسلم تسلیماً کثیراً کثیرا۔

سَبیل الرشاد
فی
جواز الاستمداد

منکرین سماع اموات وادراک اہل قبور نے یہ ساری سعی وکوشش صرف اس لئے کی تاکہ مقربانِ بارگاہ خداوندی سے استمداد واستعانت کو ناجائز قرار دیا جاسکے اور ان مقدس ہستیوں کو متوسلین سے غافل وبیخبر اور ان کی نصرت واعانت سے عاجز ثابت کرکے اہلِ اسلام کو ان کے فیوض وبرکات سے محروم کیا جاسکے۔ بحمد اللہ تعالیٰ یہاں تک ان کے جملہ تمسکات وتوہمات کے جوابات اور اہل السنت کے متفق علیہ مذہب و مسلک یعنی سماع اموات پر دلائل معروض خدمت ہوچکے۔ اب اہلِ قبور اولیاء کاملین اور انبیاء مرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے استمداد واستعانت کی تحقیق اور اس کی جائز صورتیں عرض کی جاتی ہیں تاکہ حقیقتِ حال واضح ہوجائے۔ وباللہ التوفیق۔

اَلحمدُ للہ الذی لا نعبد الا ایّاہ وایّاہ نستعین والصلوۃ والسّلام علیٰ من لا وسیلۃ للخلق ولا سبب الی اللہ الا ایّاہ وھو رحمۃ للعالمین و علیٰ الہ وصحبہ واولیاء امتہ الکاملین وعلیٰ سائر عباد اللہ الصّالحین خصوصًا المد برین لامود الخلق من اھل السموات والارضین امّا بعد فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ قال اللہ تعالیٰ فالمدبرات امرا۔

اس آیتِ مقدسہ کی تفسیر وتشریح آپ ملاحظہ فرما چکے اور مقبولانِ بارگاہِ خداوندی کا خواہ وہ حالتِ حیاتِ ظاہرہ میں ہوں، خواہ دارِ فنا سے دارِ بقا کی طرف منتقل ہونے والے، ہر دو حال میں باذن اللہ خلافت ونیابت باری تعالیٰ کے تحت مدبر ومتصرف فی الکون ہونا معلوم کرچکے۔ نیز یہ بھی واضح ہے کہ بدن عنصری فعل رُوح کے لئے بمنزلہ آلہ کے ہے اور حقیقی متصرف روح ہے اور یہ بھی ثابت ہوچکا کہ روح پر فنا نہیں اور اس کا اپنے بدن سے تعلق رہتا ہے، اگرچہ اس کی کیفیت ونوعیت بدل جاتی ہے پھر قربِ حق سے مشرف ہونے کے بعد اور لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون کا عملی نمونہ مشاہدہ کرلینے کے بعد دنیا اور اہلِ دُنیا کی تدبیرات میں کوئی امر مانع نہیں ہوسکتا؛ لہٰذا ان سے توسل واستمداد کے عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی۔

ہم آغاز میں شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی منکرین استعانت و استمداد کا نظریہ وعقیدہ بیان کرچکے ہیں کہ وہ دارِ فنا سے دارِ بقا کی طرف منتقل ہونے

والے نفوسِ قدسیہ سے استعانت کو شرک و بُت پرستی اور متوسلین کو مشرک بخدا اور عابدینِ اصنام سمجھتے ہیں۔ اب ایک برہمن کا اہلِ اسلام پر اعتراض ملاحظہ ہو جس سے ان منکرین کی ذہنیت اور مُستعار تخیّل کا اندازہ ہو جائے گا اور شاہ عبدالعزیز کا جواب جس سے مذہب اہل السنت و اہلِ اسلام واضح ہو جائے گا۔ برہمن نے کہا:

شما از اہلِ قبور مدد و شفاعت می طلبید باید کہ بر شما ہم شرک عائد شود الققہ ہرچہ مقصد و مراد شما از اہل قبور است ہماں قسم مقصود من از صورت کنہیا و کالکا است و بحسب ظاہر نہ قوت اہلِ قبور دارند نہ بت و اگر گوئی بقوتِ باطن اہل قبور کشائش حالات مینمایند بسا جا از بتاں ہم روائی حاجات میشود و اگر میگوئید کہ با ایشاں میگوئیم کہ از خدا برائے ما شفاعت بخواہید من از بتاں ہمیں استدعا دارم۔

ترجمہ: تم اہل قبور سے مدد و استعانت اور شفاعت طلب کرتے ہو چاہیئے کہ تم پر بھی ہماری طرح شرک عائد ہو، کیونکہ جو مقصد و مطلب تمہارا اہل قبور سے استعانت میں ہے، وہی صورتِ کنہیا اور کالکا سے، ہمارا مدّعا بھی ہے۔ باعتبارِ ظاہر نہ اہل قبور میں قدرت و طاقت ہے اور نہ اصنام و اوثان میں اور اگر قوّت باطن سے اہلِ قبور مشکل کشائی کر سکتے ہیں تو بسا اوقات ان اصنام سے بھی حاجت روائی ہو جاتی ہے اور اگر تم اہل قبور سے دُعا کے لئے کہتے ہو تاکہ عند اللہ تمہاری شفاعت کریں، تو ہم بھی اپنے معبودات سے یہی استدعا کرتے ہیں۔

خاتم المفسرین والمحدثین نے برہمنی اعتراضات اور اہل قبور مقربین اور اصنام و اوثان کو ایک سطح پر رکھنے کا جواب دیتے ہوئے اور اس کے مکر و فریب دغل و دجل کا پردہ چاک کرتے ہوئے فرمایا:

(۱) مدد خواستن دو طور می باشد، مدد خواستن مخلوقے از مخلوقے مثل آنکہ از امیر و پادشاہ نوکر و گدا در مہمات خود مدد میجویند و عوام الناس از اولیاء دعا میخواہند کہ از

جنابِ الٰہی فلاں مطلب ما را درخواست نمائید این نوع استعانت در شرع از زندہ و مردہ جائز است۔

(۲) دوم آنکہ بالاستقلال چیزیکہ خصوصیت بجناب الٰہی دارد مثل دادن فرزند یا بارشِ باراں یا دفع امراض یا طولِ عمر و مانند آں چیزہا بے آنکہ دعا و سوال از جنابِ الٰہی در نیت منظور باشد از مخلوقے درخواست نمایند این نوع حرام مطلق بلکہ کفر است اگر از مسلماناں کسے از اولیاء مذہب خود خواہ زندہ باشد، خواہ مردہ این نوع مدد خواہد از دائرہ مسلماناں خارج میشود بخلاف بت پرستاں کہ ہمیں نوع مدد از معبودانِ باطل خود میخواہند و آں را جائز میشمارند۔

ترجمہ: مدد و اعانت کی خواست گاری دو طرح پر ہے اوّل مخلوق کا مخلوق سے مدد مانگنا جس طرح نوکر و گدا امیر اور بادشاہ سے اپنے مہمات میں مدد طلب کرتے ہیں اور عوام الناس اولیاء کرام سے دُعا کی درخواست کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے اپنے مطالب و مقاصد طلب کرنے کے لئے عرض کرتے ہیں۔ استعانت کا یہ طریقہ شرع شریف میں جائز ہے خواہ زندہ سے ہو یا فوت شدہ سے۔

دوم: وہ امور جن کا عطا فرمانا اللہ تعالیٰ سے مخصوص ہے، مثلاً فرزند عطا کرنا، بارش برسانا، امراض کا دُور کرنا اور عمر میں طول و درازی بخشنا وغیرہ کسی غیر اللہ سے طلب کرنا اس طرح پر کہ اس کو عطا میں مستقل سمجھا جائے بغیر اس کے کہ اللہ تعالیٰ سے دُعا و سوال نیت میں ہو ایسی استعانت حرام مطلق بلکہ کفر ہے اور اگر کوئی مسلمان اولیاء کرام سے خواہ وہ بقید حیات ظاہرہ ہوں یا دارِ بقا کی طرف منتقل ہونے والے، ایسی مدد طلب کرتا ہے، تو دائرہ مسلمانی سے خارج ہو جائے گا۔ بخلاف بُت پرستوں کے وہ یہی استعانت اپنے معبوداتِ باطلہ سے کرتے ہیں اور اس کو جائز سمجھتے ہیں۔

استعانت و استمداد میں اشتراک و اتحاد کے دعویٰ کو باطل کرنے اور اہلِ اسلام اور مشرکین کا اعتقادی تفاوت بیان کرنے کے بعد شفاعت والے فریب سے پردہ اٹھاتے ہوئے فرمایا۔

آنچہ بُت پرست گفت من ہم از بتاں خود شفاعت میخواہم چنانچہ شما از پیغمبران و اولیاء شفاعت میخواہید دریں کلام ہم وغل و تلبیس است زیرا کہ بُت پرستاں ہرگز شفاعت نمیخواہند بلکہ معنیٔ شفاعت را نمی دانند و نہ در دل خود تصوّر میکنند معنیٔ شفاعت سفارش است و سفارش آنست کہ کسے مطلب کسے را از غیر خود بعرض و معروض ادا سازد و بُت پرستان در وقت درخواست مطالب خود از بتاں نمی فہمند و نمی گویند کہ سفارش ما بحضور پروردگار جل و علیٰ نمائید و مطالب مارا از جناب او تعالیٰ برآرید بلکہ از بتاں خود درخواست مطلب خود میکنند۔

ترجمہ: اور یہ جو بُت پرست نے کہا ہے کہ ہم بھی اپنے بتوں سے شفاعت کی درخواست کرتے ہیں جس طرح کہ تم پیغمبروں اور اولیاء سے شفاعت کی درخواست کرتے ہو۔ اس کلام میں دھوکہ وفریب ہے۔ بُت پرست ہرگز اپنے معبودات سے شفاعت طلب نہیں کرتے، بلکہ شفاعت کے معنی کو بھی نہیں سمجھتے اور نہ اپنے دل میں اس کا تصوّر تک رکھتے ہیں۔ شفاعت (جو اہلِ اسلام کا عقیدہ ہے) اس کا معنی یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کا مقصد و مدعا کسی تیسری ذات کی خدمت میں عرض و معروض کر کے پورا کرا دے بُت پرست اپنے معبودات سے اپنے مطالب و مقاصد کی درخواست کرتے وقت نہ اس امر کا تصوّر کرتے ہیں اور نہ کہتے ہیں کہ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کی جناب میں سفارش کرو اور ہمارے مطالب اللہ تعالیٰ سے پورے کرا دو۔

اقول: شاہ صاحب کی اس کلام سے واضح ہو گیا کہ اس فرقہ کا اہلِ اسلام کو اس اعتقاد میں بُت پرست مشرکین کے ساتھ شامل کرنا اور ھؤلاء شفعاء نا عند اللہ وغیرہ آیات اہلِ اسلام پر منطبق کرنا اسی برہمن کی طرح تلبیس و فریب کاری ہے۔ درحقیقت مومنین کے عقیدۂ شفاعت بالالتجاء والدعا اور کفار کے عقیدۂ شفاعت بالجبر والقہر میں کوئی مناسبت ہی نہیں۔

برہمن و بت پرست نے اہل قبور اور اصنام کو ایک سطح پر رکھنے کی جو ناپاک کوشش کی تھی۔ اس کا رد کرتے ہوئے فرمایا:

و آنچہ گفتہ است کہ ہرچہ مقصد شما از اہل قبور است ہماں قسم مقصود من از صورت کنہیا و کالکا است۔ نیز خطا در خطا است زیرا کہ روح را تعلق بہ بدن خود کہ در قبر مدفون است، البتہ می باشد زیرا کہ مدت دراز دریں بودہ اند و اینہا قبور معبودان خود را تعظیم نمی کنند بلکہ از طرف خود صورتہا و سنگہا و درختاں و دریا ہا را قرار میدہند کہ صورت فلانے است بے آنکہ آں چیز را تعلق باں ارواح باشد۔

ترجمہ: اور یہ جو کہا ہے کہ جو مقصود تمہارا اہل قبور سے ہے، وہی مقصود ہمارا کنہیا وغیرہ سے ہے خطا در خطا ہے، کیونکہ ارواحِ انسانیہ کو اپنے ان اجساد و ابدان سے یقیناً تعلق ہوتا ہے جو کہ قبور میں مدفون ہیں، کیونکہ عرصہ دراز تک ان ابدان میں رہے ہیں، اور مشرکین و بُت پرست اپنے معبودات کی قبروں کی تعظیم نہیں کرتے، بلکہ اپنے طور پر مجسموں، پتھروں، درختوں اور دریاؤں کی تعیین و تشخیص کر کے کہتے ہیں یہ فلاں کی صورت ہے بغیر اس کے کہ ان اشیاء کا ان ارواح کے ساتھ کوئی تعلق ہو یا ان کے ابدان اس جگہ بوسیدہ و پراگندہ ہوتے ہوں۔

رہا یہ خدشہ کہ جس طرح قبورِ انبیاء و اولیاء سے حاجت روائی ہو جاتی ہے، کبھی اصنام و اوثان سے بھی ہو جاتی ہے؛ لہٰذا دونوں میں برابری ثابت ہو گئی تو یہ غلط ہے، کیونکہ بندوں کی حاجت روائی اللہ تعالیٰ اپنے رحم و کرم سے فرماتا ہے اور یہ سمجھتے ہیں کہ بتوں سے یہ فائدہ حاصل ہوا ہے۔ استمداد اور پرستش کا دار و مدار بیان کرتے ہوئے فرمایا:

استمداد از اہلِ قبور بطریق دعا است کہ از جنابِ الٰہی عرض کردہ مطلب ما برآرند و پرستش ایں چیزہا بنا بر اعتقاد استقلال و قدرت است کہ کفر محض است۔

اہل قبور سے استمداد دُعا کے طریقہ پر ہے کہ بارگاہِ خداوندی میں ہمارے مطالب عرض کر کے حاجت روائی فرمادیں اور اصنام واوثان ہیں یہ متصور نہیں ہوسکتا، بلکہ ان کی پرستش انکو مُستقل صاحبِ قدرت سمجھ کر کی جاتی ہے جو کہ کفر محض ہے۔

لہٰذا اہلِ قبور سے اہل اسلام کی استعانت و استمداد کو مشرکین کی اصنام و اوثان کی کی پرستش پر قیاس لغو اور باطل ہے۔

منکرین استمداد کون ہیں؟

شاہ عبدالعزیز فتاویٰ عزیزیہ جلد دوم ص۱۰۱ پر منکرینِ استعانت کی نشاندہی کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ظاہر آنست کہ از فقہا آنانکہ قائل بسمع و ادراک میت اند قائل بجواز اندو آنانکہ منکر اند آں را نیز انکار میکنند۔

ترجمہ: ظاہر یہ ہے کہ جو فقہا اہل قبور کے سماع و ادراک کے قائل ہیں، وہ استمداد کے بھی قائل ہیں اور جو ان کے ادراک و شعور کے منکر ہیں، وہ استمداد کے بھی منکر ہیں اور شیخ اجل محدث دہلوی کی زبانی معلوم ہوچکا کہ تمام اہل السنّت سماع اموات اور ان کے ادراک و شعور کے قائل ہیں، لہٰذا منکرین استمداد اہل السنّت نہیں، بلکہ خارجی معتزلی وغیرہ ہیں۔

کیفیتِ استفاضہ و افاضہ

شاہ عبدالعزیز نے امام رابہی اور علامہ تفتازانی سے نقل کرتے ہوتے فرمایا:

(۱) امام رابہی گفتہ چوں می اید زائر نزد قبر حاصل میشود نفس او را تعلقے خاص بقبر چنانکہ نفس صاحبِ قبر را و بسبب ایں ہر دو تعلق حاصل میشود۔ میان ہر دو نفس مقابلہ معنوی و علاقہ مخصوصہ پس اگر نفس مزور قوی تر باشد نفس زائر مستفیض شود و اگر بالعکس بود بر عکس شود۔

ترجمہ: امام رابہی نے فرمایا جب زیارت کرنے والا قبر کے قریب حاضر ہوتا ہے، تو اس کے نفس و روح کو قبر کے ساتھ ایک خاص تعلق حاصل ہوجاتا ہے، جس طرح کہ صاحب قبر کے روح اور نفس کو اور ان دو طرفہ تعلقات کی وجہ سے ہر دو نفوس میں معنوی تقابل اور علاقہ مخصوصہ پیدا ہوجاتا ہے۔ اگر صاحب قبر کا روح و نفس قوی تر ہے تو زائر کو فیض حاصل ہوگا اور اگر زائر روحانی قوت میں فائق ہے، تو صاحبِ قبر کو فیضان ہوگا۔

(۲) در شرح مقاصد ذکر کردہ نفع یافتہ میشود بزیارتِ قبور و استعانت بنفوسِ اخیار از اموات بدرستیکہ نفس مفارقہ را تعلقے ہست ببدن و تربتے کہ دفن کردہ شود دراں پس چوں زیارت میکند زندہ آں تربت را و متوجہ میشود بسوئے نفس میت حاصل میشود میانِ ہر دو نفس ملاقات و فائزات۔ فتاویٰ عزیزیہ جلد دوم ص۱۰۱

حاصل معنی و مفہوم وہی ہے جو امام رابہی کی عبارت میں نظر نواز ہوچکا۔ یہی مفہوم ارباب کشف و کمال کی زبانی شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے تکمیل الایمان ص۲۳ پر ذکر فرمایا:

نزد ارباب کشف و تحقیق مقابلہ روح زائر با روح مزور موجب انعکاس اشعۂ لمعات انوار و اسرار شود در رنگ مقابلہ مرآت بمرآت۔

یعنی جس طرح آئینہ دوسرے آئینہ کے مقابلہ میں رکھا جائے تو ایک آئینہ میں مرتسم صور و اشکال دوسرے میں منتقش ہوجاتی ہیں ایسے ہی روح زائر اور روح اہلِ قبر میں جب آمنا سامنا ہوتا ہے، تو ایک روح میں مرتسم صور انوار کمال و اسرار کی شعاعیں دوسرے میں منعکس ہوجاتی ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اشعۃ اللمعات جلد اوّل ص۷۶۳ پر فرمایا:

امام شافعی گفتہ بر قبر امام موسیٰ کاظم تریاق مجرب است مر اجابت دُعا را و حجت الاسلام امام غزالی گفتہ ہر کہ استمداد کردہ شود از وے در حیواۃ استمداد کردہ شود از وے بعد از وفات و یکے از مشائخ عظام گفتہ است دیدم چہار کس را از مشائخ کہ تصرف میکنند در قبور خود مانند تصرف ہائے ایشاں در حیات خود یا بیشتر ازاں و شیخ معروف کرخی و شیخ عبدالقادر جیلانی

ودو کس دیگر را شمردہ ومقصود حصر نیست آنچہ خود دیدہ و یافتہ است گفتہ ۔سیدی احمد بن زروق کہ از اعاظم فقہا و علماء ومشائخ دیار مغرب است گفت روزے حضرت شیخ ابوالعباس حضرمی از من پرسید کہ امداد حی اقوی است یا امداد میت من گفتم قومے میگویند کہ امداد حی قوی تر است ومن میگویم کہ امداد میت قوی تر است پس شیخ گفت نعم زیرا کہ وے در بساط حق است ودر حضرت اوست ۔ وکذا در فتاویٰ عزیزیہ جلد دوم ص۱۰۷

ترجمہ : امام شافعی فرماتے ہیں کہ حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کی مزار اقدس قبولیت دُعا کے لئے مجرب تریاق کا درجہ رکھتی ہے ۔حجت الاسلام امام محمد غزالی نے فرمایا ہر وہ شخص کہ جس سے دنیوی زندگی میں مدد و اعانت طلب کی جاسکتی ہے ۔ اس سے وفات کے بعد بھی توسّل و استعانت جائز ہے ۔ مشائخ عظام میں سے ایک نے فرمایا کہ میں نے چار حضرات کو دیکھا کہ اپنی قبروں میں اسی طرح تصرّف کر رہے ہیں جس طرح کہ حالتِ حیاتِ ظاہرہ میں بلکہ اس سے بھی زیادہ ۔ سیدی احمد بن زروق جو کہ دیارِ مغرب کے بہت بڑے فقہا و علماء اور مشائخ میں سے انہوں نے فرمایا کہ حضرت شیخ ابوالعباس حضرمی قدس سرہٗ نے ایک دن مجھ سے دریافت فرمایا کہ زندہ ولی کی امداد زیادہ مؤثر ہے یا اس کی جو اس جہان سے رحلت کر جائے ، تو میں نے کہا کہ لوگوں میں سے کچھ تو زندہ کی امداد کو قوی سمجھتے ہیں ، مگر میرے نزدیک فوت ہونے والے کی امداد قوی تر ہے تو انہوں نے تصدیق کرتے ہوئے فرمایا کہ ہاں کیونکہ فوت ہونے کے بعد وہ بارگاہِ خداوندی اور اس کے قرب میں جاگزیں ہوتا ہے ۔

جوازِ استمداد کے متعلق شیخ نے فرمایا :

اثبات کردہ اند آں را مشائخ صوفیہ قدس اللہ اسرارہم وبعض فقہا واین امرے است محقق ومقرر نزد اہل کشف وکمال از یشاں تا آنکہ بسیارے را فیوض وفتوح از ارواح ایشاں رسیدہ ایں طائفہ را در اصطلاح ایشاں اویسی خوانند ۔

استمداد و استعانت کو مشائخ صوفیہ قدس اسرارہم اور بعض فقہا نے ثابت کیا ہے اور یہ توسل و استعانت ان کے نزدیک محقق و یقینی امر ہے جو کہ صوفیاء کرام میں سے اہلِ کشف و کمال ہیں ، حتیٰ کہ بہت سے لوگوں کو ارواحِ اولیاء سے فیوض و فوائد حاصل ہوئے اور اس گروہ کو ان کی اصطلاح میں اویسی کہتے ہیں ۔

شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ العزیز نے فرمایا :

وبعضے از خواص اولیاء اللہ را کہ جارحہ تکمیل وارشاد بنی نوع خود گردانیدہ اند دریں حالت ہم تصرف در دنیا دادہ اند واستغراق آں ہا بجہت کمال وسعت مدارک آں ہا مانع توجہ بایں سمت نمیگردد واویسیاں تحصیل کمالات باطنی از آنہا مینمایند وارباب حاجات ومشکلات حل مشکلات خود ازاں ہا می طلبند ومی یابند وزبانِ حال آنہا دراں وقت ہم مترنم بایں مقالات است ؏ من آیم بجاں گر تو آئی بتن ۔ تفسیر عزیزی پارہ عم ص۱۱۳

ترجمہ : بعض خواص اولیاء اللہ جن کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی تکمیل اور ہدایت و ارشاد کے لئے وسیلہ و ذریعہ بنایا ہے ، ان کو قبر میں مدفون ہونے کے باوجود دنیا کے اندر تصرف و اختیار بخشا ہے اور ان کا استغراق و انجذاب ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف ان کے ذرائع ادراک کی وسعت کاملہ کی وجہ سے دنیا کی جانب توجہ سے مانع نہیں ہوتا اور صوفیاء کرام میں سے اویسی حضرات ان اولیاء کرام سے کمالاتِ باطنی حاصل کرتے ہیں ۔ حاجت مند اور مشکلات میں گھرے ہوئے لوگ ان اولیاء اللہ سے اپنی مشکلات کا حل طلب کرتے ہیں اور منہ مانگی پاتے ہیں اور ان مقدس اولیاء اللہ کی زبان ان مقالات کے ساتھ محو ترنم ہوتی ہے ؏ من آیم بجاں گر تو آئی بتن ۔ اے زائر اور مصائب و مشکلات میں مبتلا اگر تو ہمارے پاس جسدِ خاکی اور جسمِ عنصری کے ساتھ آئے گا ، تو ہم تیرے پاس اپنی جان اور ارواح کے ساتھ آئیں گے ۔ (اور شاہ صاحب کا یہ ارشاد بھی پہلے درج ہو چکا ہے)

حاضرین و زائرین کو اہلِ قبور اولیاء اللہ جانتے ہیں ،

زیرا کہ روح را قرب و بُعد مکانی مانع ایں دریافت نمی شود۔ نیز بر فرمان

(کہ بسبب تعین مکان بدن گویا مکان روح ہم متعین است (تا) بنا بریں است کہ استفادہ

از اولیاء مدفونین جاری ایست و آں ہارا افادہ و اعانت نیز متصور) مکان بدن

معین ہونے سے گویا روح کا مکان معین ہو گیا اور اسی وجہ سے اولیاء کرام جو مدفون ہیں

ان سے فیض جاری ہے اور ان کو دُعا و صدقات کے فریعے فائدہ و امداد پونہچانا بھی

متصوّر و ممکن ہے ہو (دیکھئے مخالفین کے عقلی شبہات)

گویا تبع تابعین کے دَور سے لے کر شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے زمانہ یعنی

تیرھویں صدی تک ائمہ مذاہب علماء و فقہا اور صوفیا و مشائخ کے نزدیک اہلِ قبور

سے استمداد و استعانت اور حصول فیض باطنی و کمالات روحانی جائز ہے۔ ہندوستان میں

نجدیت کا سب سے بڑا پرچارک مولوی محمد اسماعیل دہلوی صاحب "صراطِ مستقیم"

میں اپنے پیر و مرشد سید احمد بریلوی کا خواجہ خواجگان قطب الدین والملت بختیار کاکی قدس

سرہٗ العزیز کے مزارِ اقدس پر حاضری دینا اور سلسلہ چشتیہ کا فیضان حاصل کرنا خود تسلیم

کرتا ہے، عبارت ملاحظہ ہو:

اما نسبت چشتیہ پس بیانش آنکہ روزے حضرتِ ایشاں بسوئے مرقدِ منور حضرت

خواجہ خواجگان خواجہ قطب الاقطاب بختیار کاکی قدس سرہٗ العزیز تشریف فرماشدند و بر

مرقدِ ایشاں مراقب نشستند۔ دریں اثنا بروح پُر فتوح ایشاں ملاقات متحقق شد و آں

جناب بر حضرتِ ایشاں توجہے بس قوی فرمودند کہ بسبب آں توجہ ابتدائے حصولِ نسبت

چشتیہ متحقق شد۔ صراطِ مستقیم صہ ۱۶۶

ترجمہ: سید احمد بریلوی صاحب کو سلسلہ چشتیہ کی نسبت حاصل ہونے کا بیان

یہ ہے کہ ایک دن آپ حضرت خواجہ خواجگان خواجہ قطب الاقطاب بختیار کاکی قدس

سرہٗ العزیز کے مزارِ منور پر حاضر ہوئے اور مراقبہ کر کے بیٹھ گئے۔ اس اثناء میں حضرت

خواجہ کے روح پُر فیوض و فتوح سے ملاقات ہوئی اور آنجناب نے سید صاحب پر بہت

قوی توجہ فرمائی کہ اس توجہ کی وجہ سے نسبتِ چشتیہ کے حصول کی ابتداء نصیب ہو گئی۔

ذرا یہ بھی ملاحظہ فرمالیجئے کہ انہیں نسبت قادریہ اور نقشبندیہ کیسے نصیب ہوتی:

روح مقدس جناب حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہٗ و جناب حضرت خواجہ

بہاؤ الدین نقشبند قدس سرہٗ متوجہ حالِ حضرت ایشاں گردیدہ و تا یکماہ فی الجملہ تنازعے

در مابین روحین مقدسین در حق حضرتِ ایشاں ماندہ زیرا کہ ہر واحد ازیں ہر دو امام تقاضائے

جذب حضرتِ ایشاں بتمامہ سوئے خود می فرمود تا اینکہ بعد انقراض زمانہ تنازعہ و وقوع

مصالحت بر شرکت روزے ہر دو روح مقدس بر حضرتِ ایشاں جلوہ گر شدند و تا قریب

یکپاس ہر دو امام بر نفسِ نفیس ایشاں توجہ قوی و تاثیر زور آور می فرمودند تا اینکہ در ہماں یکپاس

حصولِ نسبت ہر دو طریقہ نصیبۂ حضرتِ ایشاں گردید۔ صہ ۱۶۶

ترجمہ: جناب غوث الثقلین حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہٗ اور حضرت

خواجہ بہاؤ الدین نقشبند قدس سرہٗ کے روحِ مقدس سید احمد بریلوی صاحب کے حال

پر متوجہ ہوئے اور دونوں حضرات کے درمیان تقریباً ایک ماہ تک اختلاف و نزاع رہا

کیونکہ ان دونوں اماموں میں سے ہر ایک سید صاحب کو مکمل طور پر اپنی طرف جذب کرنے

اور اپنے رنگ میں رنگنے کا ارادہ رکھتا تھا، حتیٰ کہ اختلاف و نزاع کے اختتام اور صلح و آشتی

پیدا ہونے کے بعد دونوں حضرات مشترکہ طور پر فیض دینے پر رضامند ہو گئے اور ایک دن

دونوں کی مقدس روحیں ان پر جلوہ گر ہوئیں اور تقریباً ایک پہر تک قوی توجہ اور زوردار

تاثیر فرمائی، حتیٰ کہ اسی وقت میں ہر دو طریقہ قادریہ و نقشبندیہ کی نسبت کا حصول سید صاحب

کو نصیب ہو گیا۔

حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہٗ اور حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ کی امداد و اعانت

اور افادہ و افاضہ کے بعد سرورِ کائنات سید السادات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اعانت

وامداد اور فیض و کرم اور علیٰ ہذا القیاس حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، اور سیدۃ نساء العالمین حضرت سیدہ زہرا رضی اللہ عنہا کا انعام واکرام ملاحظہ ہو۔

حضرت ایشاں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم را در منام دیدند و آنجناب سہ خرما بدست مبارک خود حضرت ایشاں را خورانیدند (تا) وبعدازاں کہ بیدار شدند در نفس خود اثرے ازاں رویائے حقہ ظاہر و باہر یافتند (تا) بعدازاں روزے جناب ولایت مآب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، وجناب سیدۃ النساء فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا را بخواب دیدند۔ پس جناب علی المرتضےٰ حضرت ایشاں را بدست مبارک خود غسل دادد (تا) وجناب فاطمہ زہرا لباس بس فاخرہ بدست مبارک خود ایشاں را پوشانیدند صـ ۱۶۴

سید احمد بریلوی نے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین عدد کھجوریں ایک ایک کر کے سید صاحب کے منہ میں ڈالیں اور جب بیدار ہوئے تو اس سچے خواب کا اثر ظاہر د باہر پایا۔ ایک دن اس کے بعد جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، اور جناب فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی زیارت ہوئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ، نے ان کو اچھی طرح غسل دیا اور خوب صاف کیا جیسے کہ ماں باپ اپنے بچوں کے ساتھ کرتے ہیں اور حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے بہت ہی عمدہ لباس اپنے ہاتھ مبارک سے انہیں پہنایا۔

تنبیہ: اگر یہ مقدس ہستیاں والذین تدعون من دونہ میں داخل ہیں تو وہ کھجور کی گٹھلی پر موجود باریک سی جھلی کے بھی مالک نہیں ما یملکون من قطمیر اور کچھ سنتے جانتے نہیں اور جو حاجت ہو اس کو پورا نہیں کر سکتے لا یسمعوا دعاءکم ولو سمعوا ما استجابو لکم تو فرمایئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تین مکمل کھجوروں کے مالک کیسے بن گئے اور کھلانے پر قادر کیسے ہو گئے، انہیں سید صاحب کا مکان کیسے معلوم ہو گیا، اس تک پہنچ کیسے گئے اور کمالاتِ نبوت کے حصول کی استعداد ان میں کیونکر پیدا کر دی۔ حضرت علیؓ کو پانی کا مالک کس نے بنا دیا۔ حضرت زہرا کو لباس فاخرہ بیش قیمت کی ملکیت کیسے

حاصل ہو گئی اور پہنانے کی قدرت کیسے آ گئی۔ حضور غوث اعظم اور خواجۂ نقشبند کو ان کا علم کیسے ہو گیا اور قوی دار تاثیر کہاں سے آ گئی۔ معبوداتِ باطلہ تو مکھی کو اپنے سے دُور نہیں کر سکتے اور مکھی سے اپنی کوئی شئی واپس لینے پر قادر ہیں ان یسلبہم الذباب شیئاً لا یستنقذوہ۔ پھر خواجہ قطب الاقطاب کی مزار پر کیوں گئے۔ مراقبہ میں ان سے فیضان کا مطالبہ کیوں کیا اور انہوں نے انتہائی قوی توجہ سے سلسلہ چشتیہ کا فیض کیسے پہنچا لیا۔ کیا معبوداتِ باطلہ اور اصنام و احجار ان امور پر قادر ہیں اور ان کے حق میں یہ قدرتیں ثابت ہیں جب نہیں اور یقیناً نہیں تو ان مقدس ہستیوں کو بتوں اور پتھروں کے ساتھ ملانا کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔

الغرض امام الوہابیہ اور خلیفۂ کامل و اکمل جناب شیخ نجدی محمد بن عبدالوہاب کی زبانی اولیاء کرام سے استعانت کا جواز اور ان کی امداد و اعانت کا حق ہونا واضح ہو گیا اور اصنام و انصاب اور صور و تماثیل کی طرح ان کو جماد اور بے جان اور بے چارہ و بے بس ماننے کا بطلان واضح ہو گیا اور ان کے لئے علم و ادراک متحقق ہو گیا۔

<u>مدار امداد و اعانت</u>:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے فرمایا:

ونقل دریں معنی ازیں طائفہ بیشتر است ازاں کہ حصر و احصا کردہ شود ویافتہ نمی شود در کتاب وسنت واقوالِ سلف کہ منافی ومخالف ایں باشد ورد کند ایں را وتحقیق ثابت شدہ است بآیات واحادیث کہ روح باقی است واورا علم وشعور بزائران واحوال ایشاں ثابت است وارواح کاملاں را قربے ومکانتے در جناب حق ثابت است چنانکہ در حیات یا بیشتر ازاں واولیاء را کرامات وتصرف در اکوان حاصل است وآں نیست مگر ارواحِ ایشاں را وارواح باقی اند ونیست متصرف حقیقی مگر خدا عزشانہ، وہمہ بقدرتِ اوست وایشاں فانی اند در جلالِ حق در حیات وبعد از ممات پس اگر دادہ شود مراحدے

را چیزے بوساطت یکے از دوستاں حق و مکانتے کہ نزدِ خدا دارد دُور نباشد، چنانکہ در حالت حیات بود و نیست فعل و تصرف در ہر دو حالت مگر حق را جل جلالہٗ و عم نوالہٗ و نیست چیزے کہ فرق کند میان ہر دو حالت و یافتہ نشد دلیلے برآں۔ اشعۃ اللمعات جلد اوّل ص۷۶۳

ترجمہ: امداد و اعانت اور توسل و استمداد کے متعلق اقوال گروہِ اصفیاء سے اس کثرت سے ثابت ہیں کہ ان کا شمار نہیں کیا جا سکتا اور کتاب و سنت اور اقوالِ سلف میں کوئی امر امداد و اعانت اولیاء کے منافی و مخالف نہیں اور نہ اس کا رد کرتا ہے اور تحقیق آیات و احادیث سے ثابت ہے کہ روح باقی ہے اور اس کو اپنے زائرین اور ان کے احوال پر اطلاع ثابت ہے اور کاملین اولیاء و صلحاء کے روحوں کو بارگاہِ خداوندی میں قرب و منزلت وفات کے بعد اسی طرح حاصل ہوتی ہے جس طرح کہ حالتِ حیات میں بلکہ اس سے بھی زیادہ اور اولیاء اللہ کو کرامات اور کائنات میں تصرف و اقتدار حاصل ہے اور کرامت و تصرف صرف روح کے لئے ہے اور ارواح باقی ہیں، ہاں حقیقی متصرف و مختار اور صاحب اختیار و اقتدار صرف اللہ تعالیٰ ہے اور سب کچھ اسی کی قدرت سے ہوتا ہے اور مقربانِ بارگاہ الٰہی جلال حق میں فانی ہوتے ہیں، حالتِ حیاتِ ظاہرہ میں بھی اور بعد از وفات بھی لہٰذا اگر کسی کو کوئی شیٔ ان محبوبانِ حق اور ان کے درجہ قرب اور منزلت محبوبیت کی وجہ سے عطا ہو جائے تو بعید نہیں جیسے کہ حالتِ حیات میں تھا۔

اور حقیقۃً فعل و تصرف حیات و ممات دونوں حالتوں میں صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور کوئی دلیل ایسی نہیں جو ان دونوں حالتوں میں جواز استمداد اور عدم جواز کے لحاظ سے فرق کرے اور نہ ہی کوئی دلیل اس پر شاہد ہے اور نہ آج تک مل سکی ہے

منکرین استعانت و استمداد کا رد بھی شیخ محقق کی زبانی سماعت فرمایئے:

گفتم من بتوفیق خدا و اما استمداد باہلِ قبور منکر شدہ اند آں را بعض فقہا اگر انکار از جہت آں است کہ سماع و علم نیست ایشاں را بزائراں و احوال ایشاں پس بطلانِ او

ثابت شد و اگر بسبب آنست کہ قدرت و تصرف نیست مر ایشاں را در آں موطن تا مدد کنند بلکہ محبوس و ممنوع اند و مشغول اند در آں چہ عارض شدہ است ایشاں را از محنت و شدت آنچہ باز داشتہ است از دیگراں۔ گوئیم ایں کلیہ نباشد خصوصاً در شان متقین کہ دوستانِ خدا اند شاید کہ حاصل شود ارواح ایشاں را از قرب در برزخ و منزلت و قدرت بر شفاعت و دُعا و طلبِ حاجات مر زائراں را کہ متوسل اند بایشاں چنانکہ در روزِ قیامت خواہد بود و چیست دلیل بر نفی آں۔ و تفسیر کردہ است بیضاوی آیتِ کریمہ والنازعات غرقاً الایۃ را بصفاتِ نفوسِ فاضلہ در حالتِ مفارقت از بدن کہ کشیدہ می شوند از ابدان و نشاط میکنند بسوئے عالمِ ملکوت و سیاحت میکنند در آں پس سبقت میکنند بحظائر قدس پس میگردند بشرف و قوت از مدبراتِ امر۔ اشعۃ اللمعات جلد سوم ص۴۰۱ و کذا فی روح المعانی و روح البیان والتفسیر الکبیر ذیل قولہٗ فالمدبرات امرا۔

ترجمہ: اہل قبور سے استمداد کے بعض فقہا منکر ہیں اگر ان کا انکار اس بنا پر ہے کہ اہلِ قبور کو اپنے زائرین اور ان کے حال کا علم نہیں اور نہ ان کی کلام کو سنتے ہیں، تو اس مبنیٰ و مدار کا فساد و بطلان ظاہر ہو چکا ہے اور اگر ان کے انکار کا سبب یہ ہے کہ اہلِ قبور کو عالمِ برزخ میں قدرت و تصرف نہیں تاکہ دوسروں کی مدد کر سکیں، بلکہ وہ پابند کر دیئے جاتے ہیں اور انہیں تصرفات سے روک دیا جاتا ہے اور وہ اس محنت و شدت میں مشغول و مصروف ہوتے ہیں جو بعد از وفات انہیں حاصل ہوتی ہے اور دوسروں کی طرف توجہ اور التفات سے روک دیتی ہے تو میں کہتا ہوں کہ یہ کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے (کہ ہر اہلِ قبر مومن محبوس و پابند ہو جائے اور محنت و شدت میں پایا جائے، بلکہ امتحان میں کامیاب مومنین کے لئے قبر میں ثواب و اجر اور انعام عطا کیا جاتا ہے جیسا کہ ہم ثابت کر چکے ہیں) خاص طور پر متقی اور پرہیزگار لوگوں کے حق میں (جو الا ان اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون کی بشارت پاتے ہیں اور جن کو ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل

وجواد ہے۔

۲۔ یا سائل وحاجت مند اس بندہ مقرب ومکرّم کو پکارتا ہے کہ اللہ کے بندے اور اس کے ولی میری شفاعت کرو اور اللہ تعالیٰ سے سوال کرو کہ میری حاجت ومطلب کو پورا فرماتے۔

ان دونوں صورتوں میں عطا اور قضا حاجت اور عطا مطلوب صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور وہی امید وآرزو کا مرکز ہے اور یہ بندہ مقرب درمیان میں صرف وسیلہ ہے اور حقیقی قادر وفاعل اور متصرف اشیاء مطلوبہ کے موجود کرنے میں صرف اللہ تعالیٰ ہے، (کیونکہ ہر شے کا خالق صرف وہ ہے واللہ خلقکم وما تعملون بندے صرف کاسب ہیں) اور اولیاء خدا فعل الٰہی اور اس کی قدرت وسطوت میں فانی وہالک ہیں، ان میں حقیقتہ فعل وقدرت اور تصرف نہ اب ہے جبکہ وہ قبور میں ہیں اور نہ اس وقت تھا جبکہ وہ دنیا میں زندہ تھے۔

اگر امداد واستمداد کا یہ معنی جو ہم نے ذکر کیا ہے، شرک کا موجب وسبب ہے اور غیر اللہ کی طرف توجہ وغیرہ کا باعث جیسے کہ منکر گمان کرتا ہے، تو چاہیئے کہ صلحا اور اولیائے خدا سے حالتِ حیاتِ ظاہرہ میں بھی توسل اور دعا کی درخواست ممنوع ہو، حالانکہ یہ ممنوع نہیں بلکہ مستحب اور مستحسن ہے بالاتفاق اور دین کے اندر مشہور ومعروف ہے۔

انبیاء کرام سے استعانت کا حکم:

ہم قبل ازیں مولانا رشید احمد صاحب کی عبارت درج کر چکے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے سماع میں اختلاف نہیں اور ان سے استعانت بالاتفاق جائز ہے اور یہی عقیدہ شیخ نے بیان فرمایا ہے:

باید دانست کہ خلاف در غیر انبیاء است صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہم اجمعین کہ ایشاں احیاء اند بحیات حقیقی دنیاوی باتفاق واولیاء بحیات اخروی معنوی۔ اشعۃ اللمعات

جلد سوم - کذا در فتاویٰ عزیزیہ جلد دوم صفحہ ۱۰۷

ترجمہ: جاننا چاہیئے کہ اختلاف انبیاء کرام علیہم السلام کے ماسوا میں ہے، کیونکہ یہ مقدس ہستیاں حیاتِ حقیقی دنیاوی کے ساتھ زندہ ہیں اور ان کے اس نوعِ حیات میں سب اہلِ اسلام کا اتفاق ہے اور اولیاء کرام میں حیات اخروی معنوی اور روحانی ہے۔

ممنوع استعانت واستمداد:

شیخ محقق علیہ الرحمۃ نے استعانت کی جائز صورتیں اور محلِ خلاف ونزاع استعانت کا متعین فرمانے اور اس کے جواز کی دلیل بیان فرمانے کے بعد ممنوع اور ناجائز صورت کو بیان کرتے ہوئے بیان فرمایا:

نعم اگر زائراں اعتقاد کنند کہ اہل قبور متصرف ومستبد وقادر اند بے توجہ بحضرت حق والتجا بجناب وے چونکہ عوام جاہلاں وغافلاں اعتقاد دارند چنانکہ میکنند آنچہ حرام ومنہی عنہ است از تقبیل قبر وسجدہ آن ونماز بسوئے وے وجز آن آنچہ نہی وتعزیر واقع شدہ است ایں اعتقاد وایں افعال ممنوع وحرام خواہد بود وفعل عوام اعتبارے ندارد وخارج مبحث است وحاشا کہ عالم بشریعت وعارف باحکام دین کہ اعتقاد بکند ایں اعتقاد را وایں فعل را بکند۔

ترجمہ: ہاں اگر زائرین یہ اعتقاد رکھیں کہ اہلِ قبور خود مستقل طور پر تصرفات کرتے ہیں اور رفع حاجات اور حل مشکلات میں مستقل اور قادر مطلق ہیں۔ بغیر جناب الٰہی کی طرف توجہ اور التجاء ودعا کے جیسے کہ عوام، جاہل اور غافل لوگوں کا اعتقاد ہوتا ہے اور وہ لوگ قبروں پر ایسے افعال کرتے ہیں جو کہ ممنوع اور حرام ہیں، مثلاً مزار بوسی، ان کو سجدہ کرنا اور ان کی طرف نماز پڑھنا وغیرہ جن سے شریعت میں منع کیا گیا ہے اور ان امور کو قابل سزا قرار دیا گیا ہے۔ یہ اعتقاد اور یہ افعال بے شک ممنوع اور حرام ہوں گے، لیکن فعل عوام کا کیا اعتبار وہ خارج از بحث ہے اور پناہ بخدا کہ عالم شریعت اور عارف

احکامِ دین ایسے اعتقاد رکھیں یا ایسے افعال کا ارتکاب کریں، وہ ہرگز نہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں اور نہ ہی ایسے افعال کرتے ہیں۔ لہٰذا ان کو مشرک کہنا یا حرام امر کا مرتکب کہنا قطعاً جائز نہیں، بلکہ عوام کو جائز اور ناجائز صورتیں تفصیل سے بتلانی چاہئیں نہ یہ کہ قبروں پر جانا ہی شرک بنا دیا جائے اور ان کے لئے حیات و زیست اور علم و ادراک اور اہلیت سماع و فہم کا ہی انکار کر دیا جائے جو کہ آیات و احادیث سے ثابت ہے اور دین و شریعت میں خللِ عظیم پیدا کر دیا جائے۔

منکرین استعانت اور متوسلین باولیاء اللہ کو مشرک کہنے والوں کا زمانۂ خروج و ظہور

شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی نے اہل قلیب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطاب فرمانے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ کے استفسار کے جواب میں ما انتم باسمع لما اقول منہم فرمانے اور حضرت صدیقہ کے اختلاف میں طویل تحقیق فرمائی۔ سماعِ موتی کو ثابت کیا اور منکرین کے توہمات کا جواب دیا (ان کی تحقیق علمائے احناف کے مذہب کی تحقیق میں ذکر کی جا چکی ہے اور حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مذہب کی تحقیق میں بھی)، اور اسی ضمن میں استعانت کا مسئلہ بھی بیان فرمایا اور منکرین استمداد و استعانت کے توہمات کا ابطال فرمایا اور کلام انتہائی طویل ہو گیا، تو اس کا عذر بیان کرتے ہوئے اور استعانت و سماع کی تحقیق کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

کلام دریں مقام بحد اطناب کشید بر رغم منکراں کہ در قرب ایں زمان فرقہ پیدا شدہ اند کہ منکر اند استمداد و استعانت را از اولیاء خدا کہ نقل کردہ شدہ اند ازیں دارِ فانی بدارِ بقا و زندہ اند نزد پروردگار خود و مرزوق اند و خوش حال و مردم را ازاں شعور نیست و متوجہان بجناب ایشاں را مشرک بخدا و عبدۂ اصنام می دانند و میگویند آنچہ میگویند۔

اشعۃ اللمعات۔ جلد سوم صہ ۴۰۱ و ۴۰۲

ترجمہ: کلام اس مقام میں بہت طویل ہو گئی، ان منکرین کی تذلیل و رد کی خاطر جو اس زمانہ

میں ایک فرقہ پیدا ہو گیا ہے جو ان اولیاء اللہ کی استمداد و استعانت کے منکر ہیں جو کہ دارِ فانی سے دارِ آخرت کی طرف منتقل ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک زندہ ہیں، رزق دیئے جاتے ہیں اور خوشحال ہیں، لیکن لوگوں کو ان کی اس زندگی اور نعمت و خوشحالی کا شعور نہیں ہے اور ان اولیاء اللہ کی طرف متوجہ ہونے والوں اور توسل اختیار کرنے والوں کو مشرک اور بت پرست جانتے ہیں اور طرح طرح کے خرافات و لغویات بکتے ہیں جو کہ بیان اور تحریر کے قابل نہیں۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حضرت شیخ کے زمانہ میں یہ لوگ پیدا ہوئے جو اولیاء اللہ سے توسل و استمداد کے قائلین کو مشرک اور بت پرست سمجھتے ہیں اور ان کا وصال گیارھویں صدی کے ابتدا میں ہے۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ ہزار سال تک والذین تدعون من دونہ ما یملکون من قطمیر (الآیۃ) اور اس قسم کی آیات کو کسی نے انبیاء و اولیاء پر منطبق نہیں کیا اور ان کو اصنام و احجار اور صور و تماثیل کے ساتھ ملحق کر کے بے جان اور بے علم و شعور اور سماع و فہم اور قوتِ جواب سے عاری اور ہر قسم کے اختیارات سے محروم کسی نے نہیں کہا۔ ایسے بدزبان اور بدباطن لوگ ہزار سال کے بعد پیدا ہوئے اور ہزار سال تک کے اتفاقی اور اجماعی مسلک و مذہب کی مخالفت کرتے ہوئے نئی جماعت و فرقہ اور نیا مذہب و عقیدہ اختراع کیا اور پہلی امت اور اس کے اولیاء و شہداء کی توہین کی اور مشرکین و کفار والی آیتوں کو اس امت پر اور اصنام و احجار والی آیتوں کو انبیا و اولیاء پر منطبق کیا۔ لہٰذا استعانت و استمداد کی آڑ میں اولیاء و انبیاء کو یہاں داخل کرنا غلط ہے اور لغو و باطل اور ہزار سالہ اجماعی مسلک کے خلاف۔

شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ العزیز نے حضرت نوح علیہ السلام اور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم میں مشابہت و مناسبت کے وجوہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

دوم آنکہ مدت دعوتِ ایشاں برابر مدت دعوتِ پیغمبرِ ماست فرق ایں است کہ نوح علیہ السلام خود تا ایں مدت در قیدِ حیات ماندہ دعوت را بخلق رسانیدند و پیغمبر ما برائے

دعوت نایباں گذاشتہ بعالمِ قدس تشریف بردند کہ تا ہزار سال ایں امر را برپا داشتند و بعد از گزشتن ہزار سال داعیانِ ادیانِ باطلہ مثل نانکیاں و دادو پنتھاں و خفشاں نودیاں در ملکِ ہندوستان پیدا شدند و بسوئے خود دعوت آغاز نہادند از اں وقت توحد دعوت ایں دین برہم شد و من بعد در عالم دعوت ہائے گوناگوں ظاہر گشت تا آنکہ در عہد سعادت مہد حضرت امام مہدی باز تفرد ایں دعوت بہ تجدید از سر تازہ شود۔

تفسیر عزیزی پ ۲۹ صـ ۱۱۶

ترجمہ: دوسری مناسبت و مشابہت یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی مدتِ دعوت و ارشاد ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی مدت دعوت کے برابر ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام خود اتنا عرصہ قیدِ حیات میں رہے اور لوگوں تک دعوتِ توحید و نبوت کو پہنچایا اور ہمارے نبی و رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت و ارشاد کے لئے اپنے نائب اور خلفا پیچھے چھوڑے اور عالم قدس کی طرف تشریف لے گئے جنہوں نے ہزار سال تک امرِ دعوت کو قائم رکھا (جو فتنہ پیدا ہوا فوراً اسے ختم کر دیا مثلاً مسیلمہ۔ اسود عنسی وغیرہ) مگر ہزار سال ختم ہونے کے بعد باطل مذاہب کے پرچارک اور مبلغین مثلاً نانکی دادو پنتھی اور خفشی نودی وغیرہ ہندوستان میں پیدا ہوئے اور لوگوں کو اپنی طرف راغب کرنا شروع کر دیا۔ اس وقت سے دینِ مبین کی دعوت میں اتفاق و اتحاد ختم ہو گیا اور اس کے بعد سارے جہاں میں قسم قسم کی دعوتیں اور مسلک و مذہب ظاہر ہونے لگے، حتیٰ کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام کے زمانِ سعادت نشان میں پھر دعوت اسلام کے اندر وحدت و اتحاد کی دوبارہ تجدید ہوگی۔

جب یہ لوگ ایسے دور میں پیدا ہوئے تو اس مذہب و مسلک کو (جو کہ امام شافعی اور دیگر ائمہ تبع تابعین کے دور سے لے کر ہزار سال تک اجماع و اتفاق کے ساتھ مستحب و مستحسن سمجھا جاتا رہا اور دعوتِ دین کے توحد و اتفاق کے دور میں جاری و ساری رہا) ان کے ہذیانات اور لغویات سے باطل کیسے کیا جا سکتا ہے۔ اور امت کے اجماعی اور متفق

علیہ مسلک و مذہب کے برعکس عقیدہ کیسے اختیار کیا جا سکتا ہے۔ جب یہ فرقہ ہی بدعت و محدث ہے تو اس کے نظریات بھی بدعت و محدث ہیں اور مردود و باطل؛ لہٰذا ان کی ذہنی اختراع کے مطابق قرآنِ عظیم کو نہیں ڈھالا جا سکتا۔ قرآن کریم کے وہی معانی معتبر ہوں گے جو جمہور کے نزدیک درست اور صحیح ہوں گے۔

تنبیہ نبیہ: خیال رہے کہ اس عقیدہ کے لوگوں کو علمائے کرام نے خارجی فرمایا ہے اور اس گروہ کو ترقی و تقویت محمد بن عبدالوہاب نجدی کے سبب سے ہوئی۔ علامہ شامی نے ردالمحتار حاشیہ درالمختار میں فرمایا:

قولہ یکفرون اصحاب نبینا صلی اللہ علیہ وسلم علمت ان ھذا غیر شرط فی مسمی الخوارج بل ھو بیان لمن خرجوا علی علی المرتضیٰ کرمہ اللہ وجہہ و الا فیکفیھم اعتقاد کفر من خرجوا علیہ کما وقع فی زماننا فی اتباع (ابن) عبدالوہاب الذین خرجوا من نجد و تغلبوا علی الحرمین وکانوا ینتحلون مذھب الحنابلۃ لکنھم اعتقدوا انھم ھم المسلمون وان من خالف اعتقادھم مشرکون و استباحوا بذالک قتل اھل السنۃ وقتل علماءھم حتی کسر اللہ شوکتھم وخرب بلادھم وظفر بھم عساکر المسلمین عام ثلاث وثلاثین ومائتین والف۔ ردالمحتار۔ جلد سوم صـ ۴۲۷ و ۴۲۸

ترجمہ: درمختار میں فرمایا کہ خارجی فرقہ وہ ہے جو کہ اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کافر سمجھتے ہیں۔ علامہ شامی نے فرمایا ہم پہلے بتلا چکے ہیں کہ محض خارجی ہونے کے لئے یہ شرط نہیں ہے، بلکہ یہ ان خارجیوں کا بیان ہے جو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ اقدس میں نکلے (انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کہا کہ تم نے امیر معاویہ کے ساتھ اپنا جھگڑا طے کرنے کے لئے ثالثی فیصلہ منظور کر لیا اور غیر خدا کو حاکم مان لیا، حالانکہ حکم صرف اللہ کا مانا جا سکتا ہے، قرآن کہتا ہے ان الحکم الا للہ تم نعوذ باللہ کافر ہو گئے لہٰذا

پہلے اپنے کفر کا اقرار کرو، پھر اس سے توبہ کرو، تب ہم تمہاری اتباع کریں گے) ورنہ خارجی ہونے کے لئے صرف اتنا کافی ہے کہ جس کے خلاف ہوں اس کو کافر اعتقاد کریں جیسا کہ ابن عبدالوہاب کے اتباع میں ہمارے زمانہ میں ہوا، وہ نجد سے نکلے اور حرمین شریفین پر غالب آگئے، بظاہر اپنے آپ کو مذہب حنبلی کی طرف منسوب کرتے تھے، مگر ان کا اصل اعتقاد یہ تھا کہ صرف ہم مسلمان ہیں اور جو ہمارے عقیدہ کے خلاف ہیں، وہ سب مشرک ہیں اور اپنے اسی فاسد عقیدہ کی بناء پر انہوں نے اہل السنّت اور ان کے علماء کے قتل کو جائز سمجھا (اور حرمین میں قتلِ ناحق سے خون کی ندیاں بہائیں) حتیٰ کہ ۱۲۳۳ھ میں ان کی شوکت و غلبہ کو اللہ تعالیٰ نے تباہ و برباد فرمایا اور ان کے شہروں کو خراب فرمایا اور ان پر مسلمانوں کے لشکر غالب اور فتح مند ہوئے (عساکر مسلمین کا لفظ پیشِ نظر رہے اور علامہ شامی کا نجدیوں کے متعلق عقیدہ و نظریہ سامنے رہے۔

اسی ابن عبدالوہاب کی کتاب التوحید کو مولوی محمد اسماعیل دہلوی نے اُردو زبان میں "تقویت الایمان" کے نام سے جاری کر کے ہندوستان میں خارجیت کو پروان چڑھایا اور فتنہ و فساد کی بنیاد یہاں رکھی، اگر اس کے نظریات کی تبدیلی ملاحظہ کرنی ہے اور مسلک اہل السنّت سے عدول و انحراف تو صراطِ مستقیم اور تقویت الایمان کے تضاد و تخالف اور اپنے پیر و مرشد کے بیان کردہ نظریات پر تقویت الایمان میں کفر و شرک کے فتویٰ ملاحظہ کر لو۔

نجد اور نجدیت کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان:

بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنہما قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اللھم بارك لنا فی شامنا اللھم بارك لنا فی یمننا قالوا یا رسول اللّٰہ و فی نجدنا قال اللھم بارك لنا فی شامنا اللھم بارك لنا فی یمننا قالوا یا رسول اللّٰہ و فی نجدنا فاظنہ قال فی الثالثۃ ھناك الزلازل والفتن و بھا یطلع قرن الشیطان۔

رواہ البخاری۔ مشکوٰۃ شریف کتاب الفتن باب الیمن والشام

ترجمہ: رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا کی اے اللہ ہمارے لئے ہمارے شام میں برکت عطا فرما اے اللہ ہمارے لئے ہمارے یمن میں برکت عطا فرما۔ صحابہ نے عرض کیا کہ ہمارے نجد میں بھی برکت کی دعا فرمایئے۔ آپ نے دوبارہ عرض کیا اے اللہ ہمارے شام میں برکت عطا فرما، ہمارے یمن میں برکت عطا فرما۔ صحابہ کرام نے پھر نجد کے متعلق توجہ دلاتے ہوئے عرض کیا کہ ہمارے نجد میں بھی برکت کی دعا فرمایئے۔ حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ میرا ظن غالب یہ ہے کہ تیسری بار صحابہ کے عرض کرنے پر آپ نے فرمایا (اس خطہ کے متعلق مجھ سے کیوں دعا کراتے ہو) وہاں تو زلزلے ہوں گے اور فتنے پیدا ہوں گے اور شیطانی گروہ پیدا ہوگا۔

و بارض نجد طلوع کند قرن شیطان یعنی حزب او و اعوان او۔ اشعۃ اللمعات جلد چہارم

نگاہ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی صدیاں پہلے اس فتنہ و فساد کی اور شیطانی گروہ اور اس کے حزب و انصار کو مشاہدہ فرما لیا اور اپنے یارانِ باوفا کو جو نجد کی خیر خواہی کے لئے بار بار برکت کی دعا کا مطالبہ کر رہے تھے بتلایا کہ وہ خطہ اس قابل نہیں ہے لہٰذا تین بار عرض کرنے کے باوجود دُعا خیر و برکت نہ فرمائی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ہی اس گروہ کا نظریہ و عقیدہ بھی سن لو اور ان کے قرن شیطان ہونے کی وجہ بھی۔

وکان ابن عمر یراھم شرار خلق اللّٰہ وقال انھم انطلقوا الی آیات نزلت فی الکفار فجعلوھا علی المؤمنین۔ بخاری شریف جلد دوم باب قتال الخوارج ص ۱۰۲۴

حضرت عبداللہ بن عمر گروہ خوارج کو خدا کی ساری مخلوق سے بُرا جانتے تھے اور فرمایا کہ ان لوگوں نے اپنا طریقہ یہ بنا لیا ہے کہ جو آیات کفار و مشرکین کے حق میں نازل ہوئی ہیں ان کو مسلمانوں اور مومنوں پر چسپاں کر دیتے ہیں۔

نجدیوں کا خارجی ہونا علامہ شامی کی تحقیق سے ظاہر جن کے زمانہ میں یہ تحریک اٹھی

اور پھر اسے دبا دیا گیا اور خارجیوں کی علامت و نشانی حضرت عبداللہ بن عمر کے اس ارشاد
سے ظاہر کہ وہ بتوں اور مشرکوں والی آیتیں انبیاء و اولیاء اور مومنین و مسلمین پر منطبق کرتے
ہیں لہٰذا ان منکرین کا خارجی ہونا بھی ظاہر اور واضح ہو گیا۔

علماء دیوبند کا ابن عبدالوہاب کو خارجی ماننا

رسالہ مہند جس کو علماء دیوبند نے بڑی محنت و کوشش سے صلاح و مشورہ کرکے
تحریر فرمایا اور علماء حرمین طیبین کے فتویٰ کفر کو دور کرنے کے لئے اپنی صفائی بیان کی اور
اس رسالہ کو علماء حرمین کی خدمت میں بھیجا، اس میں بارہواں سوال (جس کا تعلق ابن
عبدالوہاب سے ہے) درج کرکے جو جواب دیا گیا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

سوال: قد کان محمد بن عبد الوهاب النجدی یستحل دماء المسلمین
واموالهم واعراضهم وکان ینسب الناس کلهم الی الشرك ویسب السلف فکیف
ترون ذالك:

جواب: الحکم عندنا فیهم ما قال صاحب الدر المختار وخوارج وهم قوم
لهم منعة خرجوا علیه بتاویل یرون انه علی باطل کفر او معصیة توجب
قتاله بتاویلهم یستحلون دمائنا واموالنا ویسبون نساءنا الی ان قال حکمهم
حکم البغاة ثم قال وانما لم نکفرهم لکونه عن تاویل وان کان باطلا و
قال الشامی فی حاشیته کما وقع فی زماننا فی اتباع عبد الوهاب الذین خرجوا
من نجد الخ

ترجمہ سوال: محمد بن عبدالوہاب نجدی مسلمانوں کے خون کو حلال سمجھتا تھا اور ان
کا قتل مباح جانتا تھا اور ان کے اموال کو غصب کرنا، ان کی عزتوں کو برباد کرنا جائز سمجھتا
تھا اور سب مسلمانوں کو مشرک کہتا تھا اور سلف صالحین کو گالیاں دیتا تھا، تمہارا اس
کے متعلق کیا خیال ہے؟

ترجمہ جواب: ہمارے نزدیک ان میں وہی حکم ہے جو کہ صاحب درمختار نے
خوارج کے متعلق فرمایا اور خوارج وہ قوم ہے جن کے پاس لشکر و سپاہ تھے اور انہوں نے
حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کی اس تاویل و زعم کی بنا پر کہ حضرت علی رضی
اللہ عنہ، نعوذ باللہ باطل یعنی کفر یا ایسی معصیت و گنہگاری میں مبتلا ہوتے ہیں جس کی بنا
پر ان کے ساتھ لڑائی لازم ہے، وہ لوگ مسلمانوں کے قتل کو حلال سمجھتے تھے، اور اموال کو
بھی اور ان کی عورتوں کو قیدی بنا لیتے تھے۔ ان کا حکم وہی ہے جو باغیوں کا ہے (یعنی
افہام و تفہیم سے کام نہ چلے تو ان کو قتل کرکے اس فتنہ کو ختم کر دیا جائے اور یہی طریقہ حضرت
علی رضی اللہ عنہ نے اختیار فرمایا۔ ہم انہیں کافر نہیں کہتے، کیونکہ انہوں نے اپنے افعال شنیعہ
اور نظریات فاسدہ کی بنیاد تاویل آیات پر رکھی تھی اگرچہ باطل ہی سہی اور علامہ شامی نے
فرمایا کہ خوارج اس طرح کے لوگ ہیں جیسے کہ ہمارے زمانہ میں اتباع عبدالوہاب نجدی جو کہ نجد
سے نکلے اور حرمین شریفین پر غالب آگئے الخ (یہ عبارت پہلے درج ہو چکی ہے)

علمائے دیوبند کے رسالہ مہند نے واضح کر دیا کہ نجدی خارجی ہیں اور ان کے وہی
خیالات و نظریات ہیں جیسے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں خوارج کے تھے اور ان کا حکم
باغیوں والا ہے اگر اپنی ضد و ہٹ دھرمی کو ترک نہ کریں، تو انہیں قتل کرنا ضروری ہے اور انہوں
نے تاویلات فاسدہ اور آیات قرآنیہ کے من گھڑت معانی کی بنا پر حضرت علی رضی اللہ عنہ
کو کافر کہا اور بعد والوں نے عوام مومنین کو کافر کہا۔ اہل السنت کو اور ان کے علماء کو قتل
کیا اور حرمین شریفین میں خون کی ندیاں بہائیں۔

نوٹ: اگر نجدی کی چالاکیاں اور مسلمانوں کو مشرک بنانے کے لئے آیات کی غلط
تاویلیں اور گنبد خضرا علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی اور خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
اور شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ و دیگر اولیاء کرام کی ود سواع یغوث ویعوق وغیرہ
اصنام و احجار کے ساتھ تشبیہ و تمثیل کو ملاحظہ کرنا ہو تو حضرت علامہ دحلان السید

احمد مفتی الشافعیہ فی مکۃ المشرفہ کی کتاب خلاصۃ الکلام، فی بیان امراء البلد الحرام کا مطالعہ کیجئے اور شواہد الحق للعلامہ النبہانی ص ۱۵۱

دیوبند کی آخری بڑی شخصیت مولانا حسین احمد صاحب نے بھی شہاب ثاقب ص ۴۲ پر اس کے خیالاتِ فاسدہ عقائد باطلہ اور اہل حرمین پر ظلم و ستم کو تسلیم کیا ہے۔

صاحبو! محمد بن عبدالوہاب نجدی ابتداء تیرھویں صدی میں نجد عرب سے ظاہر ہوا اور چونکہ خیالاتِ باطلہ اور عقائد فاسدہ رکھتا تھا، اس لئے اس نے اہل السنت والجماعت سے قتل و قتال کیا۔ ان کو بالجبر اپنے خیالات کی تکلیف دیتا رہا۔ ان کے اموال کو غنیمت کا مال سمجھا گیا۔ ان کے قتل کرنے کو باعثِ ثواب و رحمت شمار کرتا رہا۔ اہلِ حرمین کو خصوصاً اور اہلِ حجاز کو عموماً تکالیفِ شاقہ پہنچائیں۔ سلف صالحین اور ان کے اتباع کی شان میں نہایت گستاخی اور بے ادبی کے الفاظ استعمال کئے۔ بہت سے لوگوں کو بسبب اس کی تکالیفِ شدیدہ کے مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ چھوڑنا پڑا اور ہزاروں آدمی اس کے اور اس کی فوج کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ الحاصل وہ ایک ظالم و باغی خونخوار و فاسق شخص تھا اسی وجہ سے اہلِ عرب کو خصوصاً اس کے اور اس کے اتباع کے ساتھ دلی بغض تھا اور ہے اور اس قدر ہے کہ نہ اتنا قوم یہود سے ہے نہ نصاریٰ سے نہ مجوس سے نہ ہنود سے۔ الخ
شہابِ ثاقب ص ۴۴ و ۴۵

الحاصل یہاں تک بحمد اللہ تعالیٰ بخوبی واضح ہو گیا کہ استعانت و استمداد کے بہانے اولیاء کرام اور انبیاء کرام و رسل عظام کو اصنام و انصاب والی آیات میں داخل کرنا ہزار سال تک جو مذہب و مسلک اہل سنت اور اہلِ اسلام کا رہا ہے۔ اس کے خلاف ہے اور گیارھویں صدی میں ایک قلیل گروہ نے اس عقیدہ کو اپنایا اور تیرھویں صدی کے آغاز میں نجدی تحریک نے اس نظریہ کو ترقی و ترویج دی جو ایک دفعہ عساکر مسلمین نے ختم کر دی، لیکن ہمیشہ کے لئے اس کا استیصال نہ ہو سکا اور دینِ اسلام میں فتنہ و فساد کی

آگ کو اس تحریک نے اب تک بھڑکایا ہوا ہے اور بقولِ صادق مصدوق باعلام اللہ عالم ما کان وما یکون ان کی زبانوں پر قرآن ہے مگر حلق سے نیچے نہیں اترتا نماز و روزہ میں انہماک کی انتہاء مگر دین سے یوں نکلے ہوئے جیسے کہ تیر تیزی کے ساتھ شکار سے پار نکل جاتا ہے۔ عن علی رضی اللہ عنہ، انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیخرج قوم فی آخر الزمان حداث الاسنان سفہاء الاحلام یقولون من خیر قول البریۃ لا یجاوز ایمانہم حناجرہم یمرقون من الدین کما یمرق السہم من الرمیۃ فاینما لقیتموہم فاقتلوہم فان فی قتلہم اجرا لمن قتلہم یوم القیامۃ وکذا عن ابی سعید الخدری وفیہ قوم تحقرون صلاتکم مع صلاتہم الحدیث۔
(بخاری شریف جلد دوم۔ ص ۱۰۲۴ باب قتال الخوارج)

یہ لوگ بجائے کفار و مشرکین اور بت پرست ہندوؤں کو اسلام کی تلقین کرنے کے صرف مسلمانوں کو مشرک اور بت پرست بنانے کے درپے ہیں اور نبیین و صدیقین اور شہداء و صالحین سے مستفید و مستفیض ہونے کی بجائے انہیں لات و عزیٰ اور یغوث و یعوق کہنے کے درپے ہیں۔ نعوذ باللہ۔

ہے۔ یہی تحقیق منکرین ومانعین کے مقتدا، وپیشوا مولوی رشید احمد نے ذکر کی ہے۔ فرمایا تیسرا
معنی استعانت کا یہ ہے کہ قبر کے پاس جاکر کہے کہ اے فلاں تم میرے واسطے دعا کرو کہ حق تعالیٰ
میرا کام کر دیوے اس میں اختلاف علماء کا ہے۔ مجوز سماع موتی اس کے جواز کا اقرار کرتے
ہیں اور مانعین سماع منع کرتے ہیں سو اس کا فیصلہ اب کرنا محال ہے، مگر انبیاء علیہم السّلام
کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں۔ فتاویٰ رشیدیہ صـ ۱۱۲

جب آیات واحادیث سے سماع ثابت ہو چکا ہے اور جمہور علماء کا یہی مذہب ہے
تو قریب سے نداء اور عرض مطلب، التجاء دُعا کا جواز واضح ہوگیا۔

جواب ثانی: دُور سے کسی کو نداء کرنا اس عقیدہ کی بنا پر کہ وہ خود بخود اپنی ذاتی
قوت وطاقت سے بغیر اللہ تعالیٰ کی اطلاع اور توفیق کے اور خدا داد حواس تو یہ لطیفہ کے
جان لیتے ہیں، تو بے شک شرک وکفر ہے، مگر کوئی سنّی مسلمان یہ عقیدہ نہیں رکھتا اور اگر
اطلاع باری تعالیٰ اور اس کی توفیق سے یا اس کے عطا کئے ہوئے حواس قویہ اور قوائے
لطیفہ کی بناء پر علم وسماع کا اعتقاد رکھے تو اس میں شرک وکفر بلکہ حرمت ومعصیت کی کوئی
وجہ نہیں۔ اس مسئلہ میں سب سے اوّل حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ
علیہ کا فیصلہ ہی سماعت فرمالیجئے جن کو دیوبند کے ارکانِ ثلاثہ اور ارواحِ ثلاثہ یعنی مولانا
رشید احمد صاحب۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحب اور مولانا اشرف علی تھانوی صاحب
اپنا پیر ومرشد، شیخ طریقت اور ہادیٔ خدا نما یقین کرتے ہیں۔ فیصلہ ہفت مسئلہ صـ ۹
چوتھا مسئلہ ندائے غیر اللہ کا۔

اس میں تحقیق یہ ہے کہ ندا سے مقاصد مختلف ہوتے ہیں کبھی محض اظہار شوق کبھی تحسر
(اظہار حسرت) کبھی منادی کو سنانا کبھی اس کو پیغام پونہچانا سو مخلوق غائب کو پکارنا۔ اگر محض واسطے
تذکرہ اور شوق وصال وحسرتِ فراق کے ہے جیسے عاشق اپنے محبوب کا نام لیتے ہیں،
اور اپنے دل کو تسلی دیا کرتے ہیں تو کوئی گناہ نہیں۔ مجنوں کا قصہ مثنوی میں مذکور ہے ؎

گفتِ مشق نام لیلیٰ مے کنم
خاطرِ خود را تسلّی مے دہم

ایسی ندا صحابہ سے بکثرت روایات میں منقول ہے کما لا یخفیٰ علی المتبحر المتسع
النظر اور اگر مخاطب کا اسماع وسنانا مقصود ہے تو اگر تصفیہ باطن سے منادیٰ (جس کو پکارا
ہے) کا مشاہدہ کر رہا ہے، تو بھی جائز ہے اور اگر مشاہدہ نہیں کرتا، لیکن سمجھتا ہے کہ فلاں
ذریعہ سے اس کو خبر ہو جائے گی اور وہ ذریعہ ثابت بالدلیل ہے، تب بھی جائز ہے، مثلاً
ملائکہ کا درود شریف حضورِ اقدس کی بارگاہ میں پونہچانا احادیث سے ثابت ہے۔ اس
اعتقاد سے اگر کوئی شخص الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کہے تو کچھ مضائقہ نہیں اور
اگر نہ مشہود ہو اور نہ پیغام پہنچانا مقصود، نہ پیغام پہنچانے کا کوئی ذریعہ دلیل سے موجود وہ
نداء ممنوع ہے، مثلاً کسی ولی کو دُور سے نداء کرنا اس طرح کہ اس کو سنانا منظور ہے اور یہ مورد
نہیں نہ اس شخص کو ابھی تک یہ امر ثابت ہوا کہ ان کو کسی ذریعہ سے خبر پہنچے گی یا ذریعہ متعین
کیا، مگر اس پر کوئی دلیل شرعی قائم نہیں، یہ اعتقاد افتراء علی اللہ اور دعویٰ علم غیب ہے بلکہ
مشابہ شرک کے ہے مگر بے دھڑک اس کو کفر وشرک کہہ دینا جرأت ہے، کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ
اس بزرگ کو خبر پہنچا دے ممکن ہے اور ممکن کا اعتقاد شرک نہیں، مگر چونکہ امکان کو وقوع
لازم نہیں، اس لئے ایسی نداء لایعنی کی اجازت نہیں، البتہ جو نداء نص میں وارد ہے، مثلاً
یا عباد اللہ اعینونی وہ باتفاق جائز ہے اور یہ تفصیل حق عوام میں ہے اور جو اہلِ خصوصیت
ہیں، ان کا حال جدا ہے اور حکم بھی جدا کہ ان کے حق میں یہ فعل عبادت ہو جاتا ہے، جو
خواص میں سے ہوگا، خود سمجھ لے گا، بیان کی حاجت نہیں۔ یہاں سے معلوم ہوگیا حکم وظیفہ
یا عبد القادر شیئاً للہ کا، لیکن اگر شیخ کو متصرف حقیقی سمجھے، تو منجر الی الشرک (شرک کی
طرف کھینچنے والا) ہے۔ اگر وسیلہ وذریعہ جانے یا ان الفاظ کو بابرکت سمجھ کر خالی الذہن
ہو کر پڑھے، تو کچھ حرج نہیں۔ یہ تحقیق ہے اس مسئلہ میں صـ ۷ فیصلہ ہفت مسئلہ۔

وبے ادبی بلکہ بالفرض کوئی احمق جاہل ان میں علم غیب علی وجہ الاستقلال اور سماع بغیر احتیاج الی اللہ فرض کرلے تو اس میں ان مقدس ہستیوں کا کیا قصور تھا کہ سارا نزلہ ان پر گرادیا جاتے۔

نوٹ: دیوبند کے آخری شہریار علم مولوی حسین احمد مدنی صاحب نے بھی "شہاب ثاقب" میں ندا و پکار کے متعلق یہی تحقیق نقل فرمائی ہے۔ مطالعہ فرمایئے "شہاب ثاقب" صہ ۶۵ الحاصل ثابت ہوگیا کہ جب تک منادی میں صفاتِ الوہیت یعنی علم غیب ذاتی اور سماع ذاتی تسلیم کرکے نداء نہ کی جاتے۔ محض نداء سے اور یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہنے سے یا یاشیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کہنے سے شرک نہیں لازم آتا نہ ان کا معبود بننا۔

فائدہ: رہا یہ امر کہ اس اعتقاد پر نداء کرنا کہ اللہ تعالیٰ انہیں آواز پہنچادیتا ہے یا وہ خداتعالیٰ کی دی ہوئی قوت سے سُن لیتے ہیں یا ان میں غیب عطا الٰہی سے پایا جاتا ہے یا ان کے حواس میں اتنی قوت اور نورانیت پیدا ہوجاتی ہے کہ دور و نزدیک سے سن سکتے ہیں اور دیکھ بھی سکتے ہیں۔ اس پر کیا دلیل ہے۔ محض بلادلیل ان احتمالات کی بناپر ندا کرنا تو درست نہیں ہوسکتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس قوت کا حصول آیات و احادیث سے ثابت ہے اور اجمالاً اس کا بیان احادیثِ سماع میں سے حدیث بر۲۱ ما من احد یسلم علی الحدیث کے تحت کردیا گیا ہے۔ یعنی قولِ باری ویکون الرسول علیکم شہید ا اور شاہ عبدالعزیز صاحب کی تفسیر زیرا کہ او مطلع است بنورِ نبوت برتبہ ہر متدین الخ علامہ قسطلانی کا قول لا فرق بین موتہ وحیاتہ فی مشاھدتہ لامتہ الخ اور حضرت سعید بن المسیب کا ارشاد لیس من یوم الا و یعرض علی النبی علیہ السلام اعمال امتہ غدوۃ وعشیۃ فیعرفہم بسیماھم واعمالھم فلذالک یشھد علیھم اس کے علاوہ غیب عطائی پر عالم الغیب فلا یظھر علیٰ غیبہ احدا الا من ارتضیٰ من رسول۔ ماکان اللہ لیطلعکم علی الغیب ولکن اللہ یجتبیٰ من رسلہ

من یشاء۔ وما ھو علی الغیب بضنین وغیرہ آیات شاہد ہیں۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ان اللہ دفع لی الدنیا فانا انظر الیھا والی ما ھو کائن فیھا الی یوم القیامۃ کانما انظر الی کفی ھذا۔ طبرانی۔ مواھب مع الزرقانی جلد ہفتم۔ عن حذیفۃ رضی اللہ عنہ قام فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقاما فما ترک شیئا یکون من مقامہ ذالک الی قیام الساعۃ الاحدثہ الحدیث۔ رواہ البخاری والمسلم۔ عن عمرو بن اخطب فاخبرنا بما ھو کائن الی یوم القیامۃ فاعلمنا احفظنا رواہ مسلم اس کے علاوہ بے شمار احادیث ہیں جن کے اندراج کی گنجائش بہت بڑے دفتر میں بھی نہیں ہوسکتی۔

اور اولیاء کرام رضی اللہ عنہم کے لئے اس قوت وقدرت کے حصول کی دلیل حدیث قدسی کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ الحدیث ہے۔ یہ حدیث پاک اور اس کا امام رازی کی زبانی بیان کردہ معنی سمع القریب والبعید۔ رأی القریب والبعید اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کا بیان کردہ معنی می بیند می شنود مبصرات را و مسموعات را از بعید۔ وغیرہ پہلے (حجاب القبر غیر مانع عن الرویۃ) کے تحت گزرچکا ہے اور توشیح میں فرمایا اتفق العلماء ممن یعتد بقولہ علیٰ ان ھذا مجاز وکنایۃ عن نصرۃ العبد وتائیدہ واعانۃ حتی کانہ سبحانہ ینزل نفسہ من عبدہ بمنزلۃ الالات التی یستعین بھا ولذا وقع فی روایۃ فبی یسمع وبی یبصر وبی یبطش وبی یمشی۔ حاشیہ بخاری جلد ثانی صہ ۹۶۳

وہ تمام علماء کرام جن کا قول قابلِ اعتبار ہے، اس امر پر متفق ہیں کہ یہ حدیث مجاز پر محمول ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصرت وتائید اور اعانت وامداد کی طرف اشارہ ہے حتیٰ کہ گویا اللہ تعالیٰ اپنی ذات کو بندے کے آلات وجوارح کی جا بجا کردیتا ہے جن کے ساتھ بندہ اپنے ضروریات میں مدد حاصل کرتا ہے، اسی لئے ایک روایت

میں وارد ہے کہ میرے ساتھ سنتا ہے۔ میری وجہ سے دیکھتا ہے اور میرے ذریعے پکڑتا ہے اور چلتا پھرتا ہے۔ کذا فی فتح الباری جلد ۱۱ ص ۲۹۵)

لہٰذا ثابت ہوگیا کہ جو مقدس ہستیاں فرائض و نوافل کی ادائیگی کی ذریعے باری تعالیٰ کے محبوب ہوگئے اور فنا فی اللہ کے بعد بقاء باللہ کے منصب پر فائز ہوگئے اور ان کے حواس و مشاعر انوارِ الٰہیہ سے مشرف ہوگئے۔ ان کے لئے قرب و بعد اور دور و نزدیک کا تفرقہ ختم ہوجاتا ہے۔ نیز حدیث پاک میں مقام محبوبیت پر ان اثرات کو مترتب کیا گیا ہے، فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ الحدیث لہٰذا جب تک یہ حضرات اس مقام و مرتبہ پر فائز رہیں گے، اتنے وقت تک یہ لوازم و اثرات بھی ان کے لئے ثابت رہیں گے اور محبوب دنیوی زندگی میں بھی محبوب ہے اور اخروی زندگی میں بھی لہٰذا دور و نزدیک سے دیکھنا اور سننا اس کے لئے ثابت اور نزدیک و دور میں تصرف کی اہلیت و قدرت اس کو حاصل اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام اور امتی اس شرف سے مشرف ہیں، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بطریق اولیٰ۔ نیز آصف بن برخیا کا قرآن کریم میں مذکور جواب انا آتیک بہ قبل ان یرتد الیک طرفک فلما راٰہ مستقرا عندہ اس امر کی واضح دلیل ہے۔

سوال: اگر انبیاء و رسل اور اولیاء و شہداء سن سکتے تو جواب بھی دیتے، حالانکہ ہم آج تک ان کا جواب نہیں سن پائے۔

جواب: ان کا جواب سننے کے لئے اہلیت شرط ہے، کیونکہ اب ان پر احکام روحانیہ غالب ہیں جس کی روحانیت غالب ہوگی جواب سُن لے گا، ورنہ نہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نداء و پکار کا جواب دیتا ہے، مگر ہر بندہ مومن اس جواب کو نہیں سن سکتا جو اہل ہیں وہ سن لیتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا جواب ہم نہیں سنتے، مگر نفی سننے کی غلط ہے۔ اسی طرح ان مقربان خدا تعالیٰ کا جواب ہم عوام نہیں سن سکتے، مگر ان سے سماع کیا اور جواب

کی نفی کرنا غلط ہے۔ سید احمد بریلوی کی حضرت قطب جہاں سے روحانی ملاقات اور حاجی امداد اللہ صاحب کے کشف القبور والے وظائف اس امر کا بین ثبوت ہیں اور اویسی سلسلہ کی مدار بھی اسی پر ہے جیسا کہ شاہ عبد العزیز اور حضرت شیخ محقق کی کلام سے واضح ہوچکا ہے۔

تنبیہ: فرقہ خوارج کہتا ہے ہم تو قرآن پیش کرتے ہیں اور اس میں لا یستجیب لہٗ الیٰ یوم القیامۃ اور ما یملکون من قطمیر کی تصریح موجود ہے اور تم اقوال علماء و مشائخ کے پیش کرتے ہو تو ان کے اس فریب کا جواب واضح ہے کہ ہم نے قرآن کریم سے اس آیت کا حق اصنام میں وارد ہونا ثابت کردیا ہے نہ کہ محض ان اقوال سے۔ نیز ہم قرآن کے مقابل یہ اقوال پیش نہیں کرتے بلکہ ان کے من مانے معانی اور اختراعی مطالب کے مقابل ان بزرگان دین کے اقوال پیش کرتے ہیں تاکہ معلوم ہوجائے کہ اکابرین ملت اور مقتدایان امت اور قرآن کریم و احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں مہارت تام رکھنے والوں اور شریعت و طریقت اور معرفت و حقیقت کو اپنے اندر جمع کرنے والی شخصیتوں کے نزدیک ان آیات کا محمل یہ ہے اور ان حضرات کے نزدیک یہ معانی ہیں تاکہ مسلمان خود فیصلہ کرسکیں کہ ان میں سے درست کون سے معانی ہیں اور غلط کونسے۔ نیز منکرین و مانعین کے اکابر و مشائخ کے اقوال پیش کرکے یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہ معانی تمہارے اختراع و افتراء کی پیداوار ہیں اور خود تمہارے اکابر کی تصریحات کے خلاف ہیں۔ ھذا ما عندی فی حل ھذا المقام والعلم عند اللہ العلام۔

قد وقع الفراغ من تبییض ھذہ الاوراق لیلۃ السبت الخامسۃ والعشرین من رجب المرجب — ۱۳۹۳ —

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب وھو حسبی ونعم الوکیل

وانا المتبری من حولی وقوتی والمعترف بقصور فہمی وفطنتی

احقر الانام خادم الطلبۃ والعلماء الکرام سمی حبیب اللہ محمد اشرف الانام

علیہا الصلوٰۃ والسلام الاتمان الاکملان۔